

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ

محمد ﷺ اللہ کے رسول ہی ہیں



توضیح الدلائل

بجواب

پانچ اہم مسائل

مصنف

استاذ العلماء قاضی محمد عظیم نقشبندی

ریٹائرڈ ضلع قاضی کوٹلی آزاد کشمیر

مجلس علماء اہلسنت

وادی بناہ کھوئی رٹہ آزاد کشمیر

توضیح الدلائل

بجواب

پانچ اہم مسائل



تصنیف:

استاذ العلماء قاضی محمد عظیم نقشبندی کھوئی رٹہ

سابق ضلع قاضی کوٹلی آزاد کشمیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب: توضیح الدلائل بجواب پانچ اہم مسائل

مؤلف: حضرت علامہ مفتی محمد عظیم نقشبندی

(سابق ضلع قاضی کوٹلی آزاد کشمیر)

کمپوزنگ: صغیر احمد قادری (قادری کمپوزنگ دینہ)

ڈیزائننگ: ممتاز شریف مغل (قادری کمپوزنگ دینہ)

قیمت:

سن اشاعت: محرم الحرام ۱۴۳۱ھ بمطابق جنوری 2010ء

ملنے کا پتہ

قاضی محمد عظیم نقشبندی 0355-7502193

جامعہ محمدیہ حنفیہ کھوئی رٹہ 0300-5315223

جامعہ قادریہ ڈونگی 0300-5315223

جامعہ مسجد عباس گھوڑا 0346-5286259

المدینہ پبلی کیشنز پرانی سبزی منڈی جی ٹی روڈ دینہ

0300-9536420,0300-5134237

ناشر: مجلس علماء اہلسنت وادی بناہ کھوئی رٹہ آزاد کشمیر

کتابچہ پانچ مسائل کے سب ٹائٹل کا عکس



فہرست مضامین

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

افتتاحیہ

امابعد! ایکسیڈنٹ کی وجہ سے ضعف بصارت، اور نحافت نے معمولات زندگی کو محدود ومختصر کر دیا تھا۔ علمی سرگرمیاں بھی بقدر ضرورت تھیں، رمضان المبارک سے چند ایام قبل قاری مسعود احمد نقشبندی اور قاری خادم حسین صدیقی موبائل پر ایک میسج لائے، جو پانچ سوالات پر مشتمل تھا راقم نے اقتصار پر مبنی جوابات تحریر کر دیے، مگر چند ایام کے بعد ایک کتابچہ عنوانی پانچ مسائل دکھایا گیا اور بتایا گیا کہ اس کا جواب مطلوب ہے، راقم نے وہ کتابچہ مدعیان علم وعظمت کے پاس بھیجا مگر انہوں نے بھی جواب کے لیے کمر ہمت نہ باندھی۔ کتابچہ واپس آیا معذرت کے باوجود ہر دو قاری حضرات نے قلم اٹھانے پر مجبور کیا۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ موضوع، موضوعات پر ضخیم کتاب ترتیب دی جاسکتی ہے، مگر منکر کے انکار، معترض کے اعتراض کا جواب تحریر کرنا انتہائی مشکل ہوتا ہے۔ راقم نے اس مشکل کام کے لیے صاحبزادہ مولانا عبدالحمید قادری ناظم اعلیٰ جامعہ محمدیہ حنفیہ کھوئی رٹہ، جامعہ قادریہ ڈونگی سے رابطہ کیا، موصوف نے ہر قسم کے تعاون کا بھرپور یقین دلایا، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور نبی کریم ﷺ کی نظر کرم سے انہی کتب سے جوابات تحریر کیے جن کو مستند گردان کر مولف نے پانچ مسائل کو صورت کتابچہ میں تشکیل دیا تھا اس سعی کی تکمیل اور تدوین میں مالی اعانت بنیادی حیثیت رکھتی ہے میں مالی تعاون کرنے والوں کا بے حد مشکور ہوں۔ لیکن بالخصوص فراہمی کتب میں عزیز محترم پروفیسر جمروز صدیقی کا احسان مند ہوں جنہوں نے تفسیر کبیر مہیا فرمائی۔ اور تمام اہلسنت کو اس نوجوان عالم دین، اور مجاہد اہلسنت کا ممنون احسان ہونا

چاہیے جنہوں نے رمضان المبارک کی دینی ومذہبی مصروفیات کے ساتھ ساتھ اصل مسودہ کی کمپوزنگ کی اور دیگر اشاعتی معاملات میں حد درجہ تعاون کرنے کا عہد کیا وہ مسلک کا درد رکھنے والے علامہ محمد صغیر احمد قادری آف دینہ ہیں۔ زاده الله علما و عملا

بندہ گنہگار کو ہر آن اور ہر مقام پر اپنی علمی سفید پوشی کا اعتراف ہے، اہل علم، علمی کوتاہی ملاحظہ کرنے پر راقم کو ضرور مطلع فرمائیں۔ احباب اہلسنت سے التماس ہے کہ وہ اس کاوش کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عمل خیر کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور بندہ ناچیز کے لیے ذریعہ نجات بنائے

آمین یا رب العالمین

بندہ گنہگار

قاضی محمد عظیم نقشبندی

کھوئی رٹہ

سابق ضلع قاضی آزاد کشمیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ

وعلی آلک واصحابک یا حبیب اللہ

کتابچہ عنوانی پانچ مسائل مفتی احمد ممتاز کا مؤلفہ ہے جسکی تمہیدی گفتگو میں یہ تحریر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور پوری کائنات مخلوق۔

مخلوق کی دو قسمیں ہیں۔ ذوی العقول (عقل والی مخلوق) اور غیر ذوی العقول (بے عقل) پھر ذوی العقول کی تین قسمیں ہیں:

(۱) نوری مخلوق (۲) ناری مخلوق (۳) خاکی مخلوق

☆ نوری مخلوق ملائکہ ہیں جو خالص نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔

☆ ناری مخلوق جنات ہیں جو خالص آگ سے پیدا کیے گئے ہیں۔

☆ خاکی مخلوق انسان اور بشر ہے جو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔

مؤلف نے ان اقسام کی صحت اور حصر پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث بھی نقل کی ہے جو یہ ہے:

"قالت قال رسول اللہ ﷺ خلقت الملئکۃ من نور، وخلق الجآن من مارج من نار، وخلق آدم مما وصف لکم"

(رواہ مسلم بحوالہ مشکوۃ باب بدء الخلق ص: ۵۰۶)

ترجمہ: حضرت عائشہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فرشتے نور سے پیدا کیے گئے اور جن آگ سے اور آدم علیہ السلام اس چیز سے جس کے اوصاف تمہارے لئے بیان ہو چکے ہیں۔

مؤلف نے اس حدیث کو نقل کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ تمام انسان بشمول انبیاء کرام خصوصاً رسول اللہ ﷺ خاکی محض انسان اور محض بشر ہیں، یہ مؤلف کی اپنی سوچ اور اپنا نقطۂ نظر ہے جو حقائق اور دلائل کی روشنی میں غلط اور ناقابلِ تسلیم ہے۔

اوّلاً: یہ تقسیم ذوی العقول ہونے کے اعتبار سے نہیں، بلکہ مبداء ماہیت اور حقیقت کے لحاظ سے ہے اور اس کی دلیل، اور قرینہ خلقت من، اور خلق من کے خصوصی الفاظ ہیں، اور پھر مادہ کا ذکر بھی ہے۔

ثانیاً: رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ **خلق آدم من تراب** بلکہ فرمایا **مما وصف لکم** ابہام رکھ کر فرمایا کہ آدم کی حقیقت، ہائیت وہی ہے جو تراب، طین، صلصال اور حمامسنون کی صفات سے متصف ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے **خلقہ من تراب** "ہ" ضمیر کا مرجع آدم علیہ السلام ہیں، یعنی آدم علیہ السلام کو تراب سے پیدا کیا گیا۔

خلق الانسان من صلصال. الانسان میں الف لام عہد خارجی اور انسان سے مراد آدم علیہ السلام ہیں، جنکی پیدائش صلصال سے ہوئی۔

"ولقد خلقنا الانسان من صلصال من حما مسنون"

یقیناً اس انسان (آدم) کو ہم نے صلصال اور حمامسنون سے پیدا فرمایا، قرآن حکیم نے ماہیت آدم اور وجود کی ترکیب اور تخلیق میں چار چیزوں کو نامزد کیا ہے اگر یہ کہا جائے کہ آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے تو اس سے خلقہ من تراب پر تو عمل ہو جائے گا مگر بقیہ آیات پر عمل اور عقیدہ کیسے ہوگا؟

ثالثاً: اگر یہ کہا جائے کہ یہ چاروں نام اور چاروں صفات مٹی کی ہیں لہذا یہ کہنا کہ آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے درست ہے کیونکہ طین، صلصال، حمامسنون

بھی مٹی کے نام ہیں۔

(ا) جواباً کہا جائے گا کہ: بے شک یہ تمام نام مٹی کے ہیں۔ لیکن مختلف ہیں۔ قانون ہے کہ اختلاف اسماء اختلاف مسمیات کو مستلزم ہے۔ آدمی، گھوڑا، بیل، بکری اور دیگر حیوانات ہر ایک کا اپنا نام، اپنی اپنی خاصیات اور اپنا مصداق ہے، باوجودیکہ جاندار (حیوانیت) میں سب شریک اور اس کا سب پر اطلاق ہوتا ہے۔

(ب) مزید یہ کہ یہ اسماء ایسے ہیں جن کا ایک دوسرے پر اطلاق نہیں ہو سکتا باوجودیکہ یہ تراب میں ایک دوسرے سے مماثلت رکھتے ہیں۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ انسان نوع ہے، زید، عمرو، بکر، اس کے افراد ہیں یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ زید، عمرو، بکر انسان ہیں مگر یہ کہنا درست نہیں کہ زید عمرو ہے، بکر زید، عمرو بکر زید ہیں، اسی طرح طین ، صلصال ، حمامسنون تراب تو ہیں مگر طین کو صلصال ، صلصال کو حما مسنون کہنا درست نہیں کیونکہ یہ تراب کے افراد ہیں اور ایک فرد کا اطلاق دوسرے فرد پر درست نہیں۔ درست نہ ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ افراد نوعی اور شخصی ہیں۔

افراد نوعی اور شخصی کے درمیان لازمی اور فطری طور پر امتیاز ہوتا ہے۔

رابعاً: رسول اللہ ﷺ نے یہ تقسیم حقیقت اور نفس الامر کے اعتبار سے فرمائی ہے۔ مکالمہ شیطان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ تقسیم ذوی العقول کے اعتبار سے نہیں بلکہ ماہیت اور حقیقت کے اعتبار سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب شیطان سے سجدہ نہ کرنے کی وجہ پوچھی تو اس نے یہی جواب دیا کہ آدم کو تو نے طین سے پیدا کیا ہے اور مجھے بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں سے جس طرح آگ مٹی سے بہتر ہے اسی طرح میں آدم سے بہتر ہوں آگ مٹی سے کیوں بہتر ہے تفصیل آگے آ رہی ہے۔

(۵) تراب ، صلصال اور حمامسنون کی ہئیت اور تشخص میں فرق ہے۔

حافظ ابن کثیر نے ابو ہریرہ ؓ کی روایت کردہ ابن عساکر اور حافظ ابو یعلی کی حدیث نقل کرتے ہوئے تحریر کیا کہ:۔

"ان الله خلق آدم من تراب ثم جعله طينا ثم تركه حتى اذا كان حمامسنون خلقه وصوره ثم تركه حتى اذاكان صلصالا كالفخار ثم نفخ الله فيه من روحه" (البدايه والنهايه)

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"الاخبار متظاهرة على انه تعالىٰ خلق آدم من تراب قبض من وجه الارض وخمره حتى صار طينا ثم تركه حتى صار صلصال وكان ملقى بين مكة والطائف ببطن نعمان" (مرقاة)

ترجمہ: ظاہراً احادیث دلالت کرتی ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا جو روئے زمین سے لی گئی تھی اور اس کا خمیر بنایا گیا تھا، یہاں تک کہ اس نے طین کی شکل اختیار کر لی، یعنی گوندھنے کے بعد وہ طین بن گئی، پھر اس کو اسی حالت پر چھوڑ دیا گیا یہاں تک کہ وہ صلصال ہو گئی، پھر اس کو مکہ اور طائف کے درمیان وادیٔ نعمان میں رکھا گیا۔

حکیم ترمذی اور ابن عدی نے الکامل میں ابو ہریرہ سے ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے جس میں عجنه بماء الجنة کے الفاظ بھی ہیں (مرقاۃ) اور یہ بھی احادیث میں ہے کہ آدم علیہ السلام کو صورت بشری دے کر عرصہ تک جنت میں رکھا گیا۔

مندرجہ بالا احادیث کا سیدھا سادہ مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تراب یعنی مٹی سے پیدا فرمایا یہ مٹی روئے زمین پر پائی جانے والی ہر قسم کی مٹی کا مجموعہ تھی، اس عام قسم کی مٹی کو جنت کے پانی سے گوندھا گیا یہ مٹی طین کہلائی پھر اس طین کو ایک عرصہ تک اسی حالت اور اسی کیفیت پر چھوڑ دیا گیا ابن کثیر نے فرمایا کہ یہ طین چالیس سال تک اپنی کیفیت اور اپنی

حالت پر رہی، چالیس سال کے بعد اس کو حماء مسنون میں ڈھالا گیا۔ حماء مسنون سے
آدم کی شکل، جسم اور صورت پہنائی گئی پھر اس پتلائے آدم کو ایک مدت تک چھوڑ دیا گیا۔
اور جب روح کی برداشت اور تحمل کے قابل ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس میں روح ڈالی۔
ابن کثیر نے فرمایا **فخلقه الله بیده** کہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ہاتھوں سے
پیدا فرمایا۔ **(البدهیه و النهایه)**

اس طرح آدم علیہ السلام کو صرف تراب سے پیدا نہیں کیا گیا تا کہ فوری کہہ دیا جائے کہ آدم علیہ السلام
اور رسول اللہ ﷺ خاکی ہیں۔ عرف عام میں بھی خاک کا لفظ اور مفہوم کمتری اور حقارت کے
لیے بولا جاتا ہے۔ آدم علیہ السلام اور رسول اللہ ﷺ کے لیے حقارت اور کمتری کے لیے بولے
جانے والے لفظ کا استعمال یقیناً بے ادبی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تو فرمایا: **مما وصف لکم**
اللہ تعالیٰ نے **خلقه من تراب** فرمایا۔ اور دوسرا اگر کوئی ان پر خاکی کا لفظ اطلاق کرے تو بے
ادبی، اور شان رسالت، مقام خلافت اور مرتبہ نبوت کی توہین اور تنقیص نہیں تو اور کیا ہے؟
قرآن کریم اور احادیث میں یہ آیا ہے کہ پہلے عام مٹی اجزائے ارض سے لی گئی پھر جنت کے
پانی سے گوندھ کر طین، پھر صلصال اور پھر حماء مسنون بنائی گئی، اسی طرح عام مٹی کو
ایک طویل مدت تک رکھ کر ان مدارج سے گزارا گیا۔ اگر وہ خاک ہی ہوتی تو اسی نوعیت اور
کیفیت کی حامل ہوتی تو ایک مدت مدید تک رکھنا اور پھر مختلف ناموں سے موسوم کرنے کی کیا
ضرورت تھی؟ خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث پاک میں مخلوق کی تقسیم ذوی العقول ہونے کے
اعتبار سے نہیں بلکہ حقیقت اور ماہیت کے لحاظ سے ہے

جیسا کہ **خلق من نار ، خلق من نور ، خلق مما وصف لکم** سے عیاں، اور یہی
الفاظ قرینہ کے طور پر شہادت دے رہے ہیں۔

مؤلف نے تمہیدی گفتگو کا نتیجہ یہ بیان کیا ہے کہ تیسری خاکی جو انسان اور بشر ہے

ی حضور ﷺ خاکی، انسان اور بشر ہیں۔ حضور ﷺ بشر اور انسان ضرور ہیں انشاءاللہ ہم
ں پر گفتگو کریں گے لیکن لفظ خاکی کا اطلاق رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء کرام کی ذات پر
ے ادبی اور گستاخی ہے۔ راعنا کا لفظ جب غلط طریقے اور غلط معنی جو کہ شان نبوت کے منافی
میں استعمال ہونے لگا تو اس کے بولنے پر پابندی عائد کردی گئی اور حکم ہوا:۔

" لا تقولوا راعنا و قولوا انظرنا "

تمہیدی گفتگو کے نتیجہ میں مؤلف کا یہ کہنا کہ "حضور ﷺ خاکی، انسان اور بشر ہے" غلط اور
لاف حقائق ہے۔ موصوف نے یہ حکم تمام اولاد آدم کے لیے ثابت کیا ہے اور وجہ استدلال
ہے کہ چونکہ آدم علیہ السلام مٹی / خاک سے پیدا ہوئے لہٰذا ان کی ساری اولاد اور نسل خاکی ہے
جس کو انسان اور بشر کہا گیا ہے یہ حکم تمام اولاد آدم پر حاوی اور نوع انسان اور بشر پر محیط نہیں
کیونکہ اس کی نفی میں متعدد آیات قرآنیہ وارد ہوئی ہیں مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

"ایحسب الانسان أن یترک سدی"

کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس کو بیکار چھوڑ دیا جائے گا
الم یک من منی یمنی کیا وہ ایک گاڑھے پانی کا قطرہ نہ تھا جو ٹپکایا گیا (القیامۃ)
"ھو الذی خلق من الماء بشرا فجعله نسبا و صھرا" (الفرقان)
اللہ وہی ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا پھر اسکو نسب والا اور سسرالی رشتوں والا بنایا۔
"و لقد خلقنا الانسان من سللة من طین ثم جعله نطفة فی قرار مکین"
(المومنون)
یقیناً ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا پھر اس کو نطفہ بنا کر محفوظ جگہ رحم مادر
میں قرار دے دیا۔

"فانا خلقنکم من تراب ثم من نطفة" (الحج)

بے شک ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا اور پھر نطفہ سے

"اولم یر الانسان انا خلقنه من نطفة" (یٰس)

کیا انسان نے ہرگز نہیں دیکھا کہ بے شک ہم نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا ہے۔

"اناخلقنا الانسان من نطفة امشاج" (الدھر)

بے شک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفہ سے پیدا کیا ہے۔

"ولقدخلقنا الانسان من نطفة فاذا هو خصیم مبین" (یٰس)

یقیناً ہم نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا ہے پھر وہ صریح جھگڑالو بن گیا۔

ان آیات سے صاف معلوم ہوا کہ انسان اور بشر یعنی تمام اولاد آدم کو پانی کی بوند سے پیدا کیا گیا ہے من نطفة کے الفاظ گواہ ہیں۔ جب لفظ کا معنی صریح اور حقیقی موجود ہو تو اسے تاویل بعید میں لے جا کر مَن پسند معنی نکالنا اور اس پر حکم جاری کرنا ہرگز روا نہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں جب وہ خاکی بقول مؤلف ہیں تو ان کی اولاد بھی خاکی ہوگی تو (ہم) کہا جائے گا اس اصول کی بنیاد پر آدم علیہ السلام کی اولاد اور نسل کو بھی خلیفہ ہونا چاہیے کیونکہ آدم علیہ السلام خلیفہ تھے۔ مٹی سے تخلیق کا صریح حکم فقط آدم علیہ السلام کے لیے ہے اولاد آدم کے لیے من نطفة کی تخصیص موجود ہے۔ مزید اگر آدم علیہ السلام کے خاکی ہونے کی بنیاد پر تمام اولاد آدم کو خاکی ہی کہا جائے تو یہ بھی کہنا پڑیگا کہ ہر فرد خاکی کو اللہ نے اپنے ہاتھوں بنایا ہے کیونکہ آدم کو تو اللہ نے اپنے ہاتھوں بنایا تھا۔

مؤلف نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر ثابت کرنے کے لیے یہ عنوان قائم کیا کہ

ان اقسام ثلثہ میں افضل کون ہے؟ رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ (ص ۷)

"عن العباس رضی الله عنه انه جاء الی النبی ﷺ فکانه سمع شیئا

فقام النبی ﷺ علی المنبر فقال من انا فقالوا انت رسول الله قال انا محمد ابن عبد الله بن عبد المطلب ان الله خلق الخلق فجعلنی فی خیر هم، ثم جعلهم فرقتین فجعلنی فی خیرهم فرقة، ثم جعلهم قبائل فجعلنی فی خیر هم قبیلة ثم جعلهم بیوتا فجعلنی فی خیرهم بیتا و انا خیرهم نفسا و خیرهم بیتا"

(رواہ الترمذی، مشکوۃ ص ۵۱۳)

ترجمہ: حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے پس گویا کہ انہوں نے آپ ﷺ کے نسب کے بارے میں کچھ طعن و تشنیع کے کلمات سنے تھے آپ ﷺ نے منبر پر تشریف فرما ہو کر لوگوں سے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے جواب دیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں۔ یقیناً اللہ نے ساری مخلوق کو پیدا کیا اور ان میں سے سب سے بہتر مخلوق (انسان) میں سے بنادیا۔ پھر اس بہتر مخلوق (انسان کی) دو جماعتیں (یعنی عرب و عجم) بنادیں اور مجھے ان میں سے بہتر جماعت (یعنی عرب) میں سے بنادیا پھر اس بہتر جماعت (یعنی عرب) کے متعدد قبیلے بنادیئے اور مجھے سب سے بہتر قبیلہ (یعنی قریش) میں سے بنادیا، پھر اس بہتر قبیلہ (یعنی قریش) کو مختلف خاندانوں میں تقسیم کیا اور مجھے سب سے بہتر خاندان بنی ھاشم میں سے بنادیا۔ پس میں ذاتی اوصاف کے اعتبار سے بھی ان سب سے بہتر ہوں۔

پھر فائدہ:۔ کے تحت لکھا کہ قارئین کرام ذرا غور اور ٹھنڈے دل سے اس حدیث کو پڑھیے اس میں کس وضاحت سے آپ ﷺ نے انسان اور بشر کو تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے۔ گویا اس حدیث سے بشر کا تمام مخلوق سے افضل ہونا صراحت سے ثابت ہوا۔ دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ آپ ﷺ انسان اور بشر ہیں۔

بلکہ بشر کے اعلیٰ اور ارفع طبقہ سے ہیں اور بشر کے اس طبقہ میں ہونے پر آپ ﷺ کو فخر ہے۔ ہم نے اس حدیث پاک کو غور سے پڑھا اور سمجھا ہے لیکن تعجب اس بات پر ہے کہ نور بشر کی دعوت دینے والے مؤلف نے پڑھا اور غور کیا مگر اس سے جو استدلال کیا وہ غلط اور مضمون حدیث کے برعکس اور الفاظ حدیث کے منافی ہے، حدیث کا یہ مفہوم نہیں جو کتابچہ میں تحریر ہوا ہے۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ قرآن کی آیات اور سورتوں کا جسطرح شان نزول ہے اسی طرح احادیث مبارکہ کا بھی محل اور شان ورود ہے رسول ﷺ نے یہ حدیث کیوں ارشاد فرمائی؟ اس کا بھی ایک پس منظر ہے۔

کفار مکہ نے رسول اللہ ﷺ کے خاندان اور عالی نسب کی توھین اور تحقیر کی جس کو اللہ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

"لولانزل هذاالقرآن على رجل من القريتين عظيم" (الزخرف)

کہ قرآن کریم واقعی اللہ کا کلام اور اسکی طرف سے نازل شدہ ہے یہ ایک عظیم الشان کتاب ہے عظمت اور رفعت والی کتاب ہے۔ تو پھر اس کو مکہ اور مدینہ کے اعلیٰ نسب اور دنیاوی وجاہت اور شوکت رکھنے والے انسان عظیم پر نازل ہونا چاہیے تھا یہ محمد بن عبداللہ پر کیوں اور کیسے نازل ہوا؟ ان کی مراد اور مقصد یہ تھا کہ یہ قرآن ولید بن مغیرہ، عروہ بن مسعود ثقفی وغیرہ پر نازل ہونا چاہیے تھا کیونکہ وہ دنیاوی اعتبار سے ذی وجاہت اور بلند مقام کے حامل ہیں۔ ان کا خاندان بھی اعلیٰ، بلند پایہ اور رفیع المرتبہ ہے۔ اس طرح کفار مکہ نے حضور ﷺ کے خاندان اور نسب میں طعن و تشنیع کی اور شان رسالت اور ذات نبوی کی توہین اور تنقیص کے مرتکب ہوئے جب حقارت پر مبنی یہ بات حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے سنی تو غضبناک ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کو اس کی نسبت عرض کی، آپ ﷺ سن کر منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور صحابہ سے پوچھا

"من انا فقالوا انت رسول الله پھر آپ نے خود فرمایا میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب

ہوں آپ نے خود ہی یہ الفاظ سنا کر بتایا کہ میرا سوال میری رسالت کے متعلق نہیں بلکہ حسب ونسب کے بارے میں ہے پھر آپ نے اپنا حسب ونسب خود بتایا کہ میں عبداللہ کا بیٹا محمد ہوں جو عبدالمطلب کے فرزند ارجمند ہیں علم الانساب کے ماہرین جانتے ہیں یہ تمام نام عظمتوں اور رفعتوں کے کس قدر جامع ہیں مادری اور پدری خاندانوں کے اعتبار سے کس قدر علو اور وجاہت کے علمبردار اور آمین ہیں۔ پھر خود آپ نے اس کی پوری تفصیل اور وضاحت فرمائی۔ اللہ نے جن، انسان اور فرشتے پیدا کیئے ان میں سے انسان کو افضل بنایا۔ کیونکہ اس کے سر پر تاج خلافت رکھا اور "علم الاسماء كلها" کی قوت بخشی اور فرشتوں کو اسکی عظمت شان کے آگے جھکایا اور اس افضل الخلق سے اللہ نے مجھے بنایا۔۔۔۔خلاصہ یہ ہے کہ جن اور ملائکہ سے (آدم) انسان افضل اور انسانوں میں عربی النسل افضل اور عربی النسل قبائل میں سے قریش افضل اور قریش میں مادری پدری لحاظ سے بنی ہاشم افضل ہیں اور بنی ہاشم میں ذات صفات اور خاندان کے لحاظ سے میں سب سے افضل ہوں، یعنی میں ذات بحیثیت محمد رسول اللہ، اور خاندان بحیثیت بنی ہاشم ان تمام خوبیوں، عظمتوں، اور شرافتوں کا جامع اور حامل ہوں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ساری مخلوق میں اجتماعی یا انفرادی طور پر ودیعت کر رکھی ہیں پس میں اعلیٰ حسب ونسب کا حامل اور بے مثال اوصاف کا جامع ہوں۔ نوع انسانی کا کوئی بھی فرد مجھ سے افضل و اعلیٰ نہیں۔ خاندان کے لحاظ سے ہر نبی اور رسول کا اعلیٰ نسب ہونا شرائط نبوت میں سے ہے، جیسا کہ امام بخاری نے ابوسفیان کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ شہنشاہ روم نے جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے سرور عالم نور مجسم ﷺ کے حسب ونسب کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ

"هو فينا ذو نسب" ہرقل شاہ روم نے سن کر کہا

"كذالك الرسل تبعث فى قومها" کہ انبیاء کرام، رسل عظام اپنی قوم میں اعلیٰ

نسب کے علمبردار اور آئینہ دار ہوئے ہیں۔ قرآن حکیم نے بھی رسول اللہ ﷺ کے اعلیٰ حسب ونسب کو بیان فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لقدجائکم رسول من انفسکم" (فاء کی زبر کے ساتھ)

"لقد من الله على المؤمنين اذبعث رسولا من انفَسِهِمْ" (فاء کی زبر کے ساتھ)

(مرقاۃ ص ۵۸)

ترجمہ: اعلیٰ حسب ونسب رکھنے والا رسول اللہ نے تم میں بھیجا ہے۔

مندرجہ بالا تصریحات سے قارئین کے لیے یہ جاننا اور سمجھنا مشکل نہیں کہ کفار مکہ نے رسول اللہ ﷺ کے حسب ونسب میں طعن کیا حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے حسب ونسب کی تحقیر کی تو آپ ﷺ نے جواب دیا اور خود حسب ونسب کے حوالے سے ساری مخلوق، ساری کائنات سے اعلیٰ اور بالا ہونا بیان فرمایا۔

مؤلف نے فائدہ کے عنوان میں جو تین باتیں نتیجہ کے طور پر ذکر کی ہیں تینوں غلط اور حدیث مذکورہ سے ثابت نہیں، کیونکہ مؤلف کا یہ کہنا کہ بشر تمام مخلوق سے افضل ہے۔ اگر اس سے مراد حضرت آدم ہوں تو مسلّم ہے کہ وہ اپنی ذات، صفات کے حوالے سے جن و فرشتہ سے افضل ہیں وہ خلیفۃ اللہ، ساری کائنات کے علوم و اسماء اور مسمیات کے عالم، جن کو ذات وحدہ لاشریک نے اپنے ہاتھوں سے بنایا جن کے مرحلہ وار خمیر کو جنت کے پانی سے سینچا گیا۔ اور اگر اس سے مراد ہر نوع بشر ہو تو لازم آیگا کہ کافر بشر بھی تمام مخلوق سے افضل ہو اور یہ باطل ہے، قرآن نے ان کو انعام / چار پائے بلکہ اس سے بھی کمتر فرمایا ہے:

"اولئک کاالانعام بل هم اضل"

مزید اگر بشر سے مراد عامۃ البشر ہو پھر بھی غلط ہے کیونکہ ایسی صورت میں عجمی النسل بشر بھی ساری مخلوق سے افضل ہوگا جبکہ اسی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے عرب کو عجم سے افضل

قرار دیا ہے۔

مؤلف کا یہ کہنا کہ آپ ﷺ بشر ہیں اور بشر کے اعلیٰ اور ارفع طبقہ میں سے ہیں اور بشر کے اس طبقہ میں سے ہونے پر آپ ﷺ کو فخر ہے۔ غلط اور الفاظ حدیث کے مغائر ہے۔

حدیث پاک میں ایسا کوئی جملہ نہیں جس سے یہ ظاہر ہو یا مترشح ہوتا ہو بلکہ حدیث تو یہ ظاہر کر رہی ہے کہ دنیا میں پائے جانے والے تمام انساب سے آپ ﷺ کا حسب ونسب اعلیٰ اور بے مثل ہے تو آپ بھی اس حسب ونسب کے حوالے سے بے مثل انسان ہیں نہ کہ عام بشر اور عام انسان جیسا کہ مؤلف نے اپنے خیال کے مطابق تحریر کیا ہے۔

حدیث میں کفار کی ہرزہ سرائی کا رد ہے خود رسول اللہ ﷺ نے ذہن کفار کو جھنجھوڑ، اور فکر کفر کو لرزا کر رکھ دیا کہ کہاں ولید بن مغیرہ، اور عروہ بن مسعود ثقفی اور کہاں شان مصطفیٰ ﷺ کہ کائنات کی عظمتیں اور رفعتیں جس کے سامنے ہیچ اور جس کے قدموں میں ڈھیر ہوگئی ہیں، اعلیٰ طبقۂ انسانی میں سے ہونے پر آپ ﷺ نے فخر نہیں فرمایا۔ بلکہ اپنی ذات، صفات اور حسب ونسب کے بے مثل اور بے مثال ہونے پر مُہر ثبت فرمائی ہے۔ کاش اگر مؤلف حدیث کے آخری الفاظ پڑھ لیتے اور ان پر غور کر لیتے تو تحریف معنوی کے مرتکب نہ ہوتے۔

حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں:

"انا خيرهم نفسا وخيرهم بيتاً"

ملا علی قاری نے ان الفاظ کا "خيرهم نفسا" معنی بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

میں اللہ کے فضل اور اس کے لطف و کرم سے "فانا بفضل الله ولطفه على" روز ازل سے ہی اپنی ذات کے لحاظ سے افضل الخلق ہوں۔۔۔ مزید نقل فرمایا:

"مافى سابقة الازل خير الخلق نفسا حيث خلقنى انسانا رسولا خاتما للرسل تمم دائرة الرسل بى وجعلنى نقطة تلك الدائره يطوف جمعنهم

حولی ویحتاجون الی"

ترجمہ: کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وصف رسالت سے متصف انسان پیدا کیا اور مجھے خاتم الرسل بنایا، دائرہ رسالت میری وجہ سے اور مجھ پر تام ہوا۔ اور دائرہ رسالت کا مرکزی نقطہ مجھے ہی بنایا گیا تمام کائنات / رسول میرے گرد گھومتی / گھومتے ہیں۔ اور میرے ہی محتاج ہے / ہیں۔

حضور ﷺ کے اپنی ذات کے اعتبار سے افضل الخلق ہونے کا معنی اور مفہوم یہ ہے وہ نہیں جو مؤلف کتابچہ نے اپنی طرف سے بیان کیا ہے، کتابچہ میں اتنا تو لکھ دیا کہ پس میں ذات صفات کے اعتبار سے بھی سب سے افضل اور بہتر ہوں لیکن ان ذاتی صفات کو بیان کرنے کی ہمت اور ضبط تحریر میں لانے کی جرأت اور توفیق نہ ہوئی۔ ملا علی قاری "و خیرھم بطناً بیتاً" کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حیث نقلنی من طیب الی طیب الی ان نقلنی من صلب عبد اللہ بالنکاح من اشرف القبائل و البطون فانا افضل خلق اللہ تعالیٰ علیہ و اکرمھم"

میں بطن کے لحاظ سے اس لیے افضل الخلق ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے طیب بطن سے طیب بطن کی طرف منتقل فرمایا ہے۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ نے مجھے عبداللہ کی پشت میں رکھا جنہوں نے باقاعدہ نکاح کیا وہ بھی اشرف القبائل اور اشرف البطون میں سے تھے، یعنی مادری اور پدری خاندانوں کے لحاظ سے کوئی ان کا ثانی نہ تھا، اللہ کے نزدیک میں اس کی مخلوق میں سب سے افضل اور سب سے اکرم ہوں۔

امام رازی نے فرمایا:

"وذلک لان المسلمین اجمعوا علی ان محمدا افضل من آدم علیھما السلام" (کبیر جز دوم ص ۲۲۳)

تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ محمد ﷺ آدم علیہ السلام سے افضل ہیں۔ اس سے ثابت ہوا

کہ رسول اکرم نور مجسم ﷺ کی افضلیت بشر ہونے یا اولاد آدم میں سے ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ آدم اور اولاد آدم کو دوسری مخلوقات پر جو فضیلت حاصل ہے وہ آپ کی بدولت ہے۔

قارئین نے رسول اللہ ﷺ کے افضل الخلق ہونے کی توضیح جو ملا علی قاری اور مؤلف کتابچہ نے بیان کی ہے ملاحظہ کر لی ہے۔ مؤلف کتابچہ کا کہنا ہے کہ نبی اکرم ﷺ بشر اور انسان ہیں اور بشر کے اس طبقہ یعنی بنو ہاشم میں ہونے پر آپ کو فخر ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ مؤلف کتابچہ من حیث الذات رسول اللہ ﷺ کی فضیلت اور عظمت کے قائل نہیں بلکہ بنو ہاشم کی وجہ سے ملنے والی شرافت اور کرامت کے قائل ہیں۔ اور ان کے بقول رسول اللہ ﷺ کے لیے باعث فخر بھی یہی ہے کہ وہ اس قبیلہ میں سے ہیں۔ جبکہ ملا علی قاری کا کہنا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ روز ازل سے اوصاف و کمالات کا جامع تھے۔

مؤلف کتابچہ کا موقف اس لیے غلط ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو افضلیت بنو ہاشم یا اس خاندان کا فرد ہونے کی وجہ سے نہیں ملی بلکہ آپ کی بدولت بنو ہاشم کو خاندانی شرافت اور عزت ملی۔

حدیث پاک میں تصریح ہے کہ پہلے ان کو افضل اور اعلیٰ بنایا۔

"ثم جعلنی فی خیرھم ،یا فجعلنی فی خیرھم"

پھر میری حقیقت اور ماہیت اس اعلیٰ و بالا صنف "میں رکھی" ان اصناف کو پہلے افضل و اعلیٰ کیوں بنایا گیا؟ وہ اس لیے کہ آپ اپنی ذات و صفات میں ساری کائنات سے افضل و اعلیٰ ہیں اس لیے ضروری تھا کہ پہلے یہ شان اس صنف کو بخشی جائے جس میں آپ کی ذات کو رکھا جانا مقصود ہے۔ حلال، طیب اور طاہر چیز کے لیے پاک صاف برتن کا ہونا ضروری ہے حکمران یا بادشاہ کو ٹھہرانے کے لیے اچھے صاف ستھرے مکان کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس کے بے مثل اور بے مثال ہونے کی شہادت خود خداوند تعالیٰ دے اور یہ اعلان کرے کہ "لقد جائکم رسول من انفسکم" اس کے لیے ارفع و اعلیٰ خاندان کا ہونا ضروری نہیں

ہے؟ اس لیے پہلے ان اصناف کو ذاتی، شخصی فوقیت اور برتری سے نوزا گیا اور بعد ازاں اس ذات مقدسہ کو ان کے ماتھے کا جھومر بنایا گیا۔ "فجعلنی ثم جعلنی فی خیرھم" کے الفاظ اسی مضمون کی گواہی دے رہے ہیں

"فاء" اور "ثم" تعقیب اور تراخی کے لیے ہیں فی خیرھم محل ظرفیت میں ہے گلاس میں شہد یا دودھ ڈالا جائے تو گلاس کی وجہ سے اُن کو فضیلت حاصل نہیں ہوئی بلکہ دودھ اور شہد کی وجہ سے گلاس کو عزت ملی ہے غلاف محترم اور مقدس کیوں ہے؟ اس لیے کہ اس میں نور مُبین؛ فرقان حمید لپیٹا جائے گا یا لپٹا ہوا ہے غلاف ایک کپڑا تھا لیکن ظرف قُرآن اور لباس قُرآن بننے کی وجہ سے یہ کپڑا بھی عزت اور احترام کی بلندیوں کو چھونے لگا اس پر ایک عام محاورہ بھی موجود ہے "زینتہ المکان بالمکین" "مکان کی قدر و منزلت مکین کیوجہ سے ہوتی ہے اگر مُلک کا بادشاہ جھگی میں رہتا ہو تو وہ قصر شاہی ہی ہے اور اگر قصر شاہی میں کوئی بھنگی، چمار یا گداگر رہتا ہو تو اس کا مقام جُھگی سے بھی کمتر ہے، یہ اللہ تعالی کا ہی فضل اور لُطف و کرم ہے کہ جہاں، جہاں اور جس جس مقام پر آپ کی ذات مقدسہ کو رکھا جانا مقصود تھا اُن کو پہلے ہی طہارت، پاکیزگی اور عزت و وقار کے اُوج کمال تک پہنچایا گیا۔ اسی لئے آپ نے جلوہ فرمائے منبر ہو کر ابتدائے آفرینش سے لے کر قیام قیامت تک آنے والی ساری انسانیت کو للکارا اور بیانگ دہل پہ اعلان فرمایا:۔ "فانا خیرھم نفسًا و خیرھم بیتا"

نہ مجھ سا پہلے ہوا ہے اور نہ قیامت تک ہوگا میرے حسب ونسب جیسا بھی قیامت تک کوئی قوم یا خاندان نہ ہوگا، اللہ نے میری ذات اور میرے حسب ونسب کو ساری کائنات میں انفرادیت بخشی ہوئی ہے۔

مولف کتابچہ رسول اللہ ﷺ کو بنی ھاشم سے مانگ کر عزت و کرامت دلوانے، بشر عام اور عام انسان کہنے میں اسقدر مسحور اور مسرور ہوئے کہ مضمون حدیث کا فہم و ادراک تو

در کنار رہا صریح الفاظ بھی نظر نہ آسکے!

مؤلف نے اپنے مؤقف، کہ رسول اللہ ﷺ انسان اور محض بشر ہیں۔

کی تائید میں ص ۹ پر تحریر کیا کہ علامہ ابن الملک اور صاحب المصابیح کا فیصلہ،، اس عنوان کے بعد یہ عبارت بھی نقل کی ہے:

"قال ابن الملک ای لا یستوی البشر و الملک فی الکرامۃ والقربۃ بل کرامۃ البشر اکثر و منزلتہ اعلی و ھذا من جملۃ ما یستدل بہ اھل السنۃ فی تفضیل البشر علی الملک،" پھر نقل کیا:

"قال صاحب المصابیح فی تفسیر قولہ تعالی و لقد کرمنا بنی آدم الا ولی ان یقال عوام المومنین افضل من عوام الملئکۃ"

ترجمہ: علامہ ابن الملک رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا بشر اور فرشتے عظمت اور قرب میں برابر نہیں بلکہ بشر کی عزت فرشتوں سے بہت زیادہ ہے، اور بشر کا مقام ان سب سے بہت زیادہ ہے اور یہ روایت جس کے تحت مرقات میں یہ تحریر موجود ہے) ان دلائل میں سے ہے جن سے اہل سنت فرشتوں پر بشر کی فضیلت ثابت کرتے ہیں۔

اور صاحب المصابیح نے فرمایا کہ عوام مؤمنین (بشر) عوام ملائکہ سے افضل ہیں اور خواص مؤمنین (بشر) خواص ملائکہ سے افضل ہیں۔

مؤلف کو علامہ ابن الملک کا مؤقف سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ علامہ مرحوم کا مقصد بشر سے مومن بشر ہے، جس طرح صاحب المصابیح نے وضاحت کی کہ عام مومن عام فرشتے سے افضل ہے، اگر علامہ کی تحریر میں مذکور بشر کو صفت مومن سے متصف نہ کیا جائے تو لازم آئے گا کہ مطلق بشر فرشتوں سے عظمت اور قرب میں برتر ہو، جبکہ ایسا کہنا، تصور کرنا، عقیدہ رکھنا

قرآن وسنت کے خلاف ہے۔ البشر المطلق میں کافر بشر اور مومن بشر سب داخل اور شامل ہوں گے۔ اور البشر المطلق ان کے لیے نوع اور وہ اس کے افراد ہوں گے۔ افراد کا نوع پر حمل اور اطلاق ہوتا ہے۔ مثلاً یہ کہنا درست ہے کہ " المومن بشر، الکافر بشر" کافر اور مومن ایک دوسرے کے مماثل بھی ہوں گے اس لیے کہ اصحاب معقول کے نزدیک مماثلت کون الشیئن فردین لنوع واحد کا نام ہے۔ اگر بشر کو مومن کی قید سے مقید نہ کیا جائے تو لازم آئے گا کہ کافر بھی اللہ کے ہاں کرامت اور عظمت والا ہو اور پھر فرشتوں سے افضل ہو یہ قرآنی نص کے مطابق باطل محض ہے،

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی عظمت، اور تکریم کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"بل عباد مکرمون لایسبقونه بالقول وهم بامره یعلمون

دوسری جگہ فرمایا: لایعصون الله ما امرهم ویفعلون ما یؤمرون"

اس خرابی سے بچنے کے لئے لازمی اور لابدی امر ہے کہ علامہ ابن الملک کی تحریر میں آنے والے لفظ بشر کو مومن کی قید اور صفت سے مقید اور موصوف بنایا جائے۔

ملا علی قاری نے ابن الملک کا قول نقل کرنے کے بعد بطور تردید صاحب المصابیح کا نظریہ اور قول ذکر کیا جس میں موصوف نے کہا کہ عوام مومنین کو فرشتوں سے افضل ثابت کرنے والے دلائل میں سے ایک دلیل "ولقد کرمنا بنی آدم" بھی ہے۔ لیکن بنی آدم کے لفظ کا اطلاق مومن اور کافر دونوں پر ہوتا ہے اور دونوں ہی اس کا مدلول اور مصداق بھی ہیں جبکہ کافر کسی بھی جہت اور کسی بھی حیثیت سے فرشتوں سے افضل نہیں کافر کو اس عنوان سے خارج کرنے کے لیے ضروری ہے کہ بنی آدم کو مخصوص اور مقید کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ اس سے مراد عوام المؤمنین ہیں اسی لیے صاحب المصابیح نے محاکمہ کرتے ہوئے فرمایا

"الاولی ان یقال عوام المؤمنین افضل من عوام الملئکة وخواص المؤمنین

افضل من خواص الملئکة" (مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۱۱ ص ۴۹)

اگر ابن الملک کا قول درست ہوتا تو ملا علی قاری صاحب المصابیح کا قول بطور تفسیر یا تردید کیوں نقل فرماتے؟

مزید کہ کسی بھی بشر کو بحیثیت بشر فرشتوں پر فضیلت حاصل نہیں بلکہ بحیثیت مومن اس فضیلت کا حامل ہے۔

خود رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں کہ:۔

"قال رسول الله ﷺ المؤمن اکرم علی الله من بعض الملئکة"

(رواہ ابن ماجه مشکوۃ)

ملا علی قاری نے فرمایا:۔

"وهم خواصهم اوعوامهم من اهل الاصطفاء"

منتخب اور برگزیدہ مومنین ہیں "الکامل من النبیاء والاولیاء"

عوام ہوں یا خاص بعض فرشتوں سے افضل ہیں معلوم ہوا افضلیت کے لیے صرف بشریت کافی اور بنیادی عنصر نہیں بلکہ بشریت کے ہمراہ ایمان لازمی ہے، اور یہ دولت ایمان ہی ہے جو ایک انسان کو نوری مخلوق پر فوقیت اور برتری عطا کرتی ہے۔ اس حدیث کی توضیح میں امام طیبی نے فرمایا:

"یراد بالمؤمن عوامهم وببعض الملئکة ایضاً عوامهم"

حدیث مذکورہ بالا میں المومن سے مراد جنس یعنی عوام المؤمنین اور بعض الملئکة سے مراد بھی عوام ملائکہ ہیں۔

حدیث کا معنی یہ ہے کہ عوام مومنین، عوام ملائکہ سے افضل ہیں۔

"قال محی السنة رحمه الله فی تفسیر قوله تعالی ولقد کرمنا بنی آدم الایه".

الاولی :ان یقال عوام المؤمنین افضل من عوام للملئکة وخواص المؤمنین افضل من خواص الملئکة قال الله تعالی ان الذین آمنوا و عملوا الصلحت اولئک هم خیر البریه ویستدل به اهل السنة فی تفضیل الانبیاء علی الملئکة "(مرقاة ج ۱۱ ص ۳۹)

ترجمہ : محی السنۃ امام نووی نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "ولقد کرمنا بنی آدم" کی تفسیر میں فرمایا کہ اولیٰ یہ ہے کہ یوں کہا جائے ،عقیدہ رکھا جائے کہ عوام مومنین عوام ملائکہ، اور خواص مومنین خواص ملائکہ سے افضل ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے یہی وہ لوگ ہیں جو مخلوق سے افضل ہیں۔

اسی آیہ کریمہ سے اہل سنت نے یہ استدلال کیا ہے کہ فرشتوں سے انبیاء کرام افضل ہیں۔

ملا علی قاری نے آخر میں فرمایا" ولایخفی ان المراد بخواص المؤمنین الرسل الانبیاء وبخواص الملئکة نحو جبریل ومیکائیل واسرافیل ، ویعوام المؤمنین الکمل من الاولیاء کالخلفاء وسائر العلماء وبعوام الملئکة سائرهم "

ترجمہ: یہ تفصیل جو اوپر بیان ہو چکی ہے اس اجمال سے بہتر ہے جو بعض لوگوں نے بیان کیا ہے ابن الملک نے جو یہ کہا ہے کہ "ان البشر افضل من الملک" اس سے مراد فرد بشر نہیں بلکہ جنس بشر ہے جنس بشر میں اولیائے کاملین، انبیائے کرام، رسل عظام، داخل اور شامل ہیں، جنس بشر، جنس فرشتہ سے اس لیے افضل ہے کہ اس میں اولیائے کاملین، انبیائے کرام ،رسل عظام ہوئے ہیں۔

ابن الملک کے مؤقف کو امام طیبی، امام نووی اور ملا علی قاری نے درست قرار نہیں دیا، اسی لیے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا" الاولی ان یقال "لیکن ابن الملک کے اس قول کو مؤلف نے نہ صرف دیگر محدثین کے اقوال پر ترجیح دی بلکہ بطور دلیل اور ثبوت پیش کیا

کیونکہ اس میں لفظ بشر کا ذکر ہے، اور مؤلف اس لفظ کو رسول اللہ ﷺ کی ذات پر چسپاں کرنا چاہتے ہیں کہ آپ بشر محض ہیں، اگر یہ اطلاق اور ابن الملک کے قول کا اندراج جائز سمت میں ہوتا تو یہ محدثین مسئلہ "تفصیل البشر علی الملئکة" کی اتنی تفصیل کیوں کرتے ؟ اور گہرائی میں کیوں اترتے، یہ ان محدثین کی وسعت نظری اور فراخیٔ دل کا ثبوت ہے کہ ابن الملک کے قول کی تاویل کر کے ان کی لاج رکھ لی ہے۔

حضو ﷺ کا فرمان:۔ المؤمن اکرم علی الله من بعض الملئکة(ابن ماجه)

پہلے گزر چکا ہے جس سے آپ نے واضح فرمایا کہ فضیلت کا تعلق کسی فرد کے مادہ اور حقیقت سے نہیں بلکہ ایمان اور اعمال صالحہ پر ہے۔ مومن فرشتے سے اسی لیے افضل قرار دیا گیا کہ وہ دولت ایمان سے مالا مال اور اعمال صالحہ کا امین اور علمبردار ہے یہ مؤلف کتابچہ کی بھول اور کم علمی ہے کہ انہوں نے بشریت کی بنیاد پر انسان یا مسلمان کو فرشتوں سے افضل قرار دیا ہے ۔ بشریت تو گویا مادہ ہے اور وجہ فضیلت ایمان اور اعمال کا نور ہے۔ چنانچہ امام رازی نے فرمایا کہ:

"لانه لما کانت الفضیلة عطیة من الله ابتداء لم یلزم من فضیلة المادة فضیلة الصورة، الاتری انه یخرج الکافر من المؤمن والمؤمن من الکافر والنور من الظلمة والظلمة من النور "(کبیر جز ۱۳، ج ۲، ص ۳۳)

فضیلت اللہ تعالیٰ کا ایک انعام ہے جو ابتداء ہی دیا جاتا ہے۔ مادہ کی فضیلت سے یہ لازم نہیں آتا کہ صورت بھی افضل ہو، کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کافر سے مومن اور مومن سے کافر پیدا کرتا ہے۔ نور اندھیرے سے اور اندھیرے نور سے پیدا کرتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مؤلف کا یہ کہنا اور یہ استدلال کرنا کہ بشر فرشتوں سے افضل ہے، اور ابن الملک کے قول کا سہارا لینا ان تصریحات کی موجودگی میں غلط اور بے بنیاد ہے۔

بشریت ایک مادہ ہے فضیلت میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں۔فضیلت انعام خداوندی ہے جس کا تعلق نور ایمان اور اعمال صالحہ کے ساتھ ہے۔

مؤلف کا ص۱۰ پر فائدہ کے عنوان میں یہ کہنا کہ ان عبارتوں سے بھی واضح ہو گیا کہ یہ ہمارا سب کا اجماعی عقیدہ ہے کہ بشر فرشتوں سے افضل اور بلند مقام والے ہیں، بھی باطل اور خلاف حقائق ہے۔

اس کے بطلان اور اختراع پر رسول اللہ ﷺ کا فرمان، ملا علی قاری امام نووی، امام قرطبی اور امام رازی کا اختلاف اور تردید گزر چکی ہے جس کے بعد یہ کہنا کہ بشر فرشتوں سے افضل ہے اجماعی نہیں انفرادی عقیدہ ہے جو صرف مؤلف کتابچہ اور اس کے ہم نواؤں کا ہے۔

اہل سنت صرف بشر کو نہیں بلکہ بشر مومن کو بعض فرشتوں سے افضل قرار دیتے ہیں۔تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

مؤلف نے افضلیت بشر پر کتابچہ کے ص۱۰ پر دلائل بر فضیلت بشر کے نام سے عنوان قائم کیا ہے اور یہ کہا کہ اختصار کے طور پر دو دلیلوں پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

دلیل اول یہ آیہ کریمہ نقل کی:۔

"اذ قال ربک للملئکۃ انی خالق بشرا من طین فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین فسجد الملئکۃ کلھم اجمعون"

ترجمہ: جب تیرے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ بے شک میں بشر کو مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں۔پس جب اسے برابر کرلوں اور اس میں رُوح پھونک لوں، پس تم اسے سجدہ کرنا پس جمیع ملائکہ نے جمع ہو کر سجدہ کیا۔فائدہ کے تحت لکھا نوری نے سجدہ کیا اور بشر کو حقیر سمجھا تو راندہ درگاہ بن گیا اور حقدار لعنت ہوا۔کاش آج کے یار لوگ بھی قرآن حکیم کی اس فضیلت بشر

کو دیکھ کر بشر کو عظیم، مکرم، محترم سمجھتے اور اس کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھتے اور عقیدہ بنا لیتے کہ بشر نوری سے افضل ہے۔واضح رہے کہ بشر نوری سے افضل ہے یا نہیں، پھر مطلق بشر افضل ہے یا بشر مومن افضل ہے؟ اس پر تفصیلی بحث پہلے ہو چکی ہے۔دوبارہ دُہرانا فضول اور وقت کا ضیاع ہے۔یہاں مقصد صرف اس دلیل کا جائزہ لینا ہے کہ یہ مدعائے مولف کی تائید کرتی ہے یا تردید؟ ہمارا ایمان ہے کہ یہ جزو قرآن ہے حق وصداقت کی تفسیر، اور شان آدم کی تعبیر ہے۔ہم ان تفسیرات اور تعبیرات کو سُپرد قلم کرنے کا حق رکھتے ہیں جو جلیل القدر مفسرین نے اس کے تحت رقم فرمائی ہیں۔یہاں یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ آدم علیہ السلام اور شیطان کے واقعہ کو قرآن حکیم نے سات جگہ ارشاد فرمایا ہے۔سورہ بقرہ اس میں دو مرتبہ، سورہ الحجر، سورہ بنی اسرائیل، سورۂ کہف، سورۂ طٰہٰ اور سورہ ص میں۔

اس آیہ کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ محمود آلوسی بغدادی نے فرمایا:۔

ای انسانا وعیربه عنه اعتبارا لظهور بُشرته وهی ظاهر الجلد، وذکرانه جاء جمع البشرة بُشرا والبشارا. (روح المعانی جلد ۹ ص ۳۶)

ترجمہ:۔آیہ کریمہ میں بشر سے مُراد انسان ہے اور انسان کو بشر اس لیے کہا گیا کہ انسان اپنی چمڑی کے لحاظ سے ظاہر اور باہر ہے۔اور اسکی جمع بشر اور ابشار آتی ہے۔جبکہ بشر اسم جنس ہے اسکی کوئی جمع نہیں، یہ قول امام راغب کا ہے جو علوم لُغات کے ماہر ہیں۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ بشر سے مُراد جسم کثیف ہے:۔جیسا کے علامہ مذکور نے تحریر فرمایا۔

"قیل ارید جسما کثیما یلاقی ویباشر او جسما بادی البشرة ولم یرد انسانا وان کان هو ایاه فی الواقع"

ایک قول یہ بھی ہے کہ آیہ مقدسہ میں بشر سے مراد جسم کثیف ہے جو دکھائی دیتا ہو اور لوگوں سے میل ملاقات رکھنے والا ہو۔یا بشر سے مراد ایسا جسم ہے جس کا رنگ شکل وصورت،

اور دیگر خدوخال واضح نظر آئیں۔ فرشتوں سے خطاب کے وقت ان صفات کا حامل کوئی جسم نہ تھا بلکہ فرشتوں کو یہ بتایا گیا تھا کہ

"انی خالق خلقا صفته کیت و کیت"

میں ان صفات سے متصف ایک جسم بنانے والا ہوں جو ان صفات کا حامل ہوگا۔

علامہ آلوسی نے فرمایا:

"ولکن اقتصر عند الحکایة علی الا سم" (روح المعانی ج ۸ ص ۳۶)

لیکن فرشتوں کو بتانے کے وقت صرف نام یعنی بشر پر اکتفا کیا گیا۔

اس سے ثابت ہوا کہ بشر اسم ہے اور اس کا مدلول، مصداق، اور مسمّٰی جسم کثیف ہے چونکہ پہلے سے موجود اور مخاطب فرشتے اجسام لطیفہ کے حامل تھے جنکی وجودی کیفیت غیر مرئی ہوائی اور ان دیکھی تھی اس لیے فرمایا ایک بشر جو نظر آنے والا، اور میل ملاقات رکھنے والا ہوگا اس کو پیدا کرنے والا ہوں۔ اس طرح بشر آدم علیہ السلام کا ایک صفاتی نام ہے۔ اور ذاتی نام آدم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور شیطان کے قصہ میں آپ کے اصلی اور ذاتی نام آدم کا ذکر کیا اور دوسری جگہوں میں بھی اسی نام سے مخاطب فرمایا ہے۔ آپ کے اس صفاتی نام کو آپ کی حقیقت اور آپ کا مادہ قرار دینا از روئے لغت اور وجہ، اطلاق غلط ہے، فرشتوں کے سامنے آدم علیہ السلام کو "انی خالق بشرا من طین" کہنے کا مقصد یہ بتانا تھا کہ تمہارے بعد پیدا کی جانے والی مخلوق کا جسم مادی اور کثیف ہوگا وہ اپنی رنگت، چہرے مہرے، خدوخال، اور دیگر قویٰ کی بدولت ظاہر اور قابل دید ہوگا۔

قرآن حکیم کی تصریحات کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر چار انعام فرمائے۔

(۱) سب سے پہلے آپ کو خلیفہ بنایا اور فرشتوں کے سامنے ارشاد فرمایا

"انی جاعل فی الارض خلیفة"

(۲) علم کثیر عطا فرمایا، جو منصب خلافت کے لیے لازمی اور ضروری تھا۔

(۳) پھر اتنا علم عطا کیا اور دیا کہ فرشتے اس کے درجے تک پہنچنے سے عاجز اور قاصر آگئے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

"وعلم آدم الاسماء کلها ثم عرضهم علی الملائکة فقال انبئونی باسماء هؤلاء ان کنتنم صادقین ☆قالوا سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا" الاية"

(۴) اس کے بعد چوتھا انعام یہ عطا فرمایا کہ آدم علیہ السلام کو مسجود ملائکہ بنایا، اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ان چار فضیلتوں سے نوازا ان چار فضائل کی وجہ سے آدم علیہ السلام فرشتوں سے افضل ٹھہرے اور مسجود ملائکہ بنائے گئے۔

مؤلف نے جو آیہ کریمہ نقل کی ہے اس میں یہ صراحت ہے کہ آدم علیہ السلام کا مادہ طین ہے، اور طین اپنی حقیقت کے اعتبار سے نار سے ہرگز افضل نہیں۔ کیونکہ طین کا تعلق عالم سفلی سے اور نار کا تعلق عالم علوی سے ہے۔ امام رازی نے فرمایا:

"ان النار مشرق علوی، لطیف، خفیف، حار، یابس، مجاور الجواهر السموات ملاصق لها، والطین مظلم سفلی، کثیف، ثقیل، بارد، یابس، بعید عن مجاورة السموات، وایضا فالنار قویة التاثیر والعمل"

(کبیر ج ۱۳ ص ۳۳،۳۲)

ترجمہ: بے شک آگ ایک شعلہ دار، عالم بالا سے تعلق رکھنے والی، لطیف، ہلکی، گرم، سرد، آسمانوں کے جواہر سے متصل اور قرب رکھنے والی تاثیر اور عمل کے لحاظ سے انتہائی قوی ہے اور طین یعنی تر مٹی تاریک، عالم سفلی سے تعلق رکھنے والی، کثیف، بوجھ والی، ٹھنڈی، خشک، آسمانوں کی مجاورت سے دور ہے، امام رازی نے نار اور طین کی تعریف کر کے شیطان کے اس قیاس کو بیان کیا ہے جس کی بنیاد پر شیطان نے اپنے آپ کو وجود آدم اور ان کی شخصیت

سے بہتر اور افضل قرار دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"اسجدو الادم" آیت نص قطعی ہے اور أاسجد لبشر و خلقتنی من نار، و خلقته من طین" قیاس تھا جس سے اس نے انا خیر منه کو ثابت کیا اور اسی پر عمل پیرا ہوا۔ نص قطعی کے مقابل قیاس کو ترجیح دینے پر "و کان من الکافرین" کا مصداق بن گیا۔

امام رازی نے فرمایا:

"ذالک یدل علی ان الفضیلة لا تحصل الا بفضل الله تعالیٰ لا بسبب فضیلة الاصل و الجواهر"

ترجمہ: آدم علیہ السلام کو مسجود ملائکہ بنانا اس بات کی دلیل ہے کہ فضیلت کا حصول محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ مادہ اور ماہیت کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں۔ آگے فرمایا:

"و ایضا فالفضل انما یکون بالاعمال و ما یتصل بها لا بسبب المادة الا تری ان الحبشی المؤمن مفضل علی القرشی الکافر"

(کبیر ج ۱۳ ص ۳۳)

ترجمہ: کہ فضیلت عقیدہ اور اعمال صالحہ کے سبب عطا کی جاتی ہے یہ کہنا کہ مادہ کی بنیاد پر ہی مسجود ملائکہ بنے غلط اور بے بنیاد ہے، ہم روح المعانی کے حوالے سے پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ بشر آدم کا ذاتی علم اور اصلی نام نہیں بلکہ اسم توصیفی ہے۔ اصلی نام آدم ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے چار خصوصی فضائل سے نواز کر نوری اور ناریوں سے افضل قرار دیا ہے، جن کو امام رازی نے "و اذ قلنا للملئكة اسجدوا لادم آلایه" کے تحت ذکر کیا ہے۔

"اعلم هذا هو النعمة الرابعة من النعم العامة علی جمیع البشر هو انه سبحانه و تعالیٰ جعل اباء نا مسجود الملائکة و ذالک لانه تعالیٰ ذکر تخصیص آدم بالخلافة اوّلا، ثم تخصیصه بالعلم الکثیر ثانیا، ثم بلوغه فی العلم الی ان

صارت الملئكة عاجزین عن بلوغ درجته فی العلم، و ذکر الان کونه مسجودا للملائکة" (کبیر جز ثانی ص ۲۱۲)

ترجمہ: جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں پر جو عام فضل و کرم فرمائے ان میں سے آدم علیہ السلام پر چار خصوصی انعام فرمائے۔ ان میں یہ چوتھی نعمت ہے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہمارے باپ یعنی آدم علیہ السلام کو نوری مخلوق کا مسجود بنایا، یعنی آدم علیہ السلام کو مسجود ملائکہ بنایا یہ اللہ تعالیٰ کا چوتھا انعام ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے بحیثیت خلیفہ آدم علیہ السلام کا ذکر فرمایا یعنی آپ کو خلیفہ بنا کر افضل الخلق قرار دیا، پھر خصوصیت علم سے نوازا اور کثیر علم عطا فرمایا۔ اور پھر علم میں وہ مقام عطا فرمایا جہاں پہنچنے سے فرشتے عاجز آ گئے اور چوتھی فضیلت یہ عطا فرمائی کہ فرشتوں کو اعتراف عظمت، اور اقرار رفعت کے طور پر سر بسجود کیا۔

مؤلف کا یہ کہنا اور عقیدہ رکھنا کہ آدم علیہ السلام بشر ہونے کے ناطے مسجود ملائکہ ٹھہرے بالکل غلط اور فرضی بات ہے۔

مؤلف نے رسول اللہ ﷺ کے بشر ہونے پر سورہ الرحمٰن کی ابتدائی آیت نقل کی:۔

"الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان علمه البیان" اس کا ترجمہ بھی لکھا:۔

رحمٰن نے قرآن سکھایا ہے، انسان کو پیدا کیا اسے بیان سکھایا' واضح رہے کہ یہاں انسان سے مراد جنس انسان ہے۔ امام غزالی نے فرمایا:۔

"ماالمراد من الانسان نقول هو الجنس وقیل المراد محمد ﷺ وقیل المراد آدم والاول اصح نظر االی اللفظ فی خلق و ید خل فیه محمد وآدم وغیر همامن الانبیاء (کبیر جز ۲۹ ص ۸۵)

ترجمہ: خلق الانسان میں انسان سے مراد جنس انسان ہے ایک قول کے مطابق محمد ﷺ اور دوسرے قول کے مطابق آدم علیہ السلام ہیں لیکن معنی جنس زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس میں محمد ﷺ آدم

اور دیگر انبیاء بھی شامل ہیں رسول اللہ ﷺ کو بشر اور انسان مانتے ہیں اہل سنت و جماعت کا وہی عقیدہ ہے جو قرآن و سنت میں بیان / اجماع امت سے ثابت ہے، جس کے مطابق جس طرح رسول اللہ ﷺ کو انسان ماننا جزو ایمان ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو اس حیثیت، اس صفت، اور اس کیفیت میں بشر نہ ماننا بھی حصہ ءایمان ہے جس میں کفار آپ کو انسان اور بشر کہا کرتے تھے، وہ صفت اور کیفیت کیا تھی کہ آپ ﷺ ہماری ہی طرح کے اور ہمارے ہی جیسے انسان اور بشر ہیں۔ اس نوعیت کا حامل شخص رسول نہیں ہوسکتا ان کے عقیدہ اور نظریہ کے مطابق نبی کے لیے مندرجہ ذیل امور کا ہونا ضروری اور لازمی تھا۔ سورۂ بنی اسرائیل میں خود اللہ تعالیٰ نے بطور حکایت ان امور کو بیان کیا ہے۔ ہم مؤلف کتابچہ کے کیے ہوئے ترجمہ پر ہی اکتفاء کریں گے۔

مؤلف نے کتابچہ کے ص ۱۳ پر ان آیات کا ترجمہ یوں بیان کیا ہے:

ترجمہ: اور انہوں نے کہا ہم اس وقت تک تم پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک تم ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ نہ جاری کردو، یا تمہارا کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو جس میں تم نہریں جاری کردو، یا جیسا کہ تمہارا خیال ہے ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرادو، یا خدا اور فرشتوں کو ہمراہ لے آؤ، یا تمہارا سونے کا ایک مکان ہو یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ، اور تمہارا آسمان پر چڑھنے کا بھی ہم اس وقت تک یقین نہیں کریں گے جب تک کہ وہاں سے ایک کتاب نہ لے آؤ، جسے ہم خود پڑھ لیں یہ تمام اللہ ہی کی قدرت، قبضہ اور اختیار میں ہیں۔ اس لیے ان امور کا پیدا کرنا اور پورا کرنا اللہ کے لیے مشکل اور ناممکن نہ تھا، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو فرمایا! آپ ان کو یہ جواب دیں کہ

"سبحان ربی هل كنت الا البشرا رسولا" (بنی اسرائیل)

مؤلف کتابچہ ہی بتائیں کفار کے ان سوالات / شرائط اور امور کا کیا جواب ہونا چاہیے تھا؟ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہ جواب سکھایا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ ان امور کا پورا کرنا قدرت خداوندی کے سامنے کوئی چیز ہی نہیں، لیکن جہاں تک میری ذات اور میرے ہاتھوں سے ان امور کے صدور کا تعلق ہے، ناممکن ہے کیونکہ بشر ہوں اور منصب رسالت پر فائز ہوں، اس آیہ ءکریمہ سے مؤلف کا مدعا" کہ رسول اللہ ﷺ محض بشر ہیں" پورا نہیں ہوتا، اس لیے کہ آپ نے صرف یہ نہیں فرمایا کہ "هل كنت الا بشرا" بلکہ البشرا کے بعد بطور امتیاز اور خصوصیت رسولا کو بھی ذکر فرمایا ہے جس سے بادی النظر میں دو امور کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

(۱) میں بشر ہوں اور بشر کی قدرت میں ان امور کا معرض وجود میں لانا ممکن نہیں،

(۲) چونکہ رسول ہوں، رسول اللہ کی مشیت کا پابند اور اس کا تابع فرمان ہوتا ہے۔

اس کا مقام عبدیت اور عبودیت ہے، رسول اللہ تعالیٰ کو اپنی رائے دے سکتا ہے اور نہ حکم کرسکتا ہے، اسی آیہ کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے، علامہ محمود آلوسی نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے کفار سے فرمایا:

"هل كنت الا البشرا او البشر الا قدرة له علی الاتيان بذالک" اور پھر "وذكر رسولا لنفی ان ياتی به بقدرة الله تعالیٰ، كانه قيل هل كنت الا رسولا والرسول لا يتحكم علی ربه سبحانه" (روح المعانی جلد ۸ جز دوم ص ۱۴۹)

ترجمہ: میں بشر ہوں ان امور کے معرض وجود میں لانے کی بشر میں طاقت نہیں اور رسولا کہہ کر فرمایا کہ نہ ہی میں اللہ سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ اپنی قدرت سے ان امور کو وجود میں لائے، گویا آپ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ میں صرف رسول ہوں اور رسول، اللہ سبحان وتعالیٰ پر اپنا حکم نافذ نہیں کرسکتا۔ لہذا اس آیہ کریمہ سے رسول اللہ ﷺ کی بشریت محضہ پر استدلال

کرنا غلط ہے آیہ کریمہ میں بشرا موصوف اور رسولا اس کی صفت ہے، جس کی وجہ سے آیہ مقدسہ کا معنی یہ ہے کہ میں بشر ہوں ایسا بشر جو رسالت کے عظیم وصف سے متصف اور جلیل القدر منصب پر فائز ہوں۔

مؤلف لفظ ''بشرا'' کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ انہیں ''رسولا'' کا لفظ نظر ہی نہیں آیا۔۔۔

ہمارے مؤقف کی تائید قرآن حکیم سے بھی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''ماکان محمد الارسول'' محمد ﷺ صرف رسول ہی ہیں، یہ الہ نہیں تا کہ یہ امور ان کے مقدورات ہوں یہ رسول ہیں ان کا کام صرف اتنا ہے کہ احکامات الٰہیہ کو بندوں تک پہنچائیں

''ھل کنت الا بشرا رسولا''

میں الفاظ حصر اور قصر کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کے لیے مخلوق اور رسول ہونا ثابت کیا گیا ہے، اس میں کفار کے اس غلط اور خلاف حقیقت عقیدے کا رد کیا گیا کہ محمد ﷺ ہمارے ہی جیسے بشر ہیں رسول نہیں۔ حصر اور قصر پر تفصیلی بحث انشاء اللہ ''قل انما انا بشر مثلکم'' کی تفصیل میں کی جائے گی۔

کفار رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے انکار کے سلسلہ میں مختلف پینترے بدلتے اور مختلف بہانے تراشتے جن میں سے ان کا ایک بہانہ یہ بھی تھا کہ چلو خدا کا رسول کوئی دیوتا نہ سہی کم از کم کوئی ایک فرشتہ اور نوری ہی ہوتا، ایک بشر کیونکر رسول ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس زعم باطل اور تخیل فاسد کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

''ومامنع الناس ان یؤمنوا اذجاءھم الھدیٰ الا ان قالوا أبعث اللہ بشرا رسولا ،قل لو کان فی الارض ملئکة یمشون مطمعنین لنزلنا علیھم من السماء ملکا رسولا''

ترجمہ: جب کفار کے پاس ہدایت آئی تو ایمان اس خیال سے نہ لائے کہ اللہ نے ایک بشر کو

رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر زمین پر چلنے پھرنے والی مخلوق فرشتے ہوتے تو فرشتہ کو ہی رسول بنا کر بھیجا جاتا، لیکن زمین پر بسنے، چلنے، پھرنے والی مخلوق انسان اور بشر ہیں اس لیے بشری رسول بھیجا ہے۔ مؤلف نے تحریر کیا کہ:۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ پاک نے حکم فرمایا کہ آپ اپنی بشریت کا نہایت واضح الفاظ میں اعلان کردیں اور ساتھ ہی اپنی رسالت کا بھی اعلان کردیں تا کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ بشریت اور رسالت کا اجتماع نہ صرف عین ممکن بلکہ ایک حقیقت واقعہ ہے مؤلف کی یہ تحریر جو نتیجہ کے طور پر ہے پتہ دیتی ہے کہ موصوف غلط فہمی کا شکار ہیں یا محض الزام تراشی سے کام لے رہے ہیں، اہل سنت و جماعت اور جمہور مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ہر نبی اور ہر رسول بشر ہے اولاد آدم ہے، قرآن نے یہی فرمایا ہے اور یہی حق اور سچ ہے اور یہی قابل عمل ہے بشریت اور نبوت و رسالت میں کوئی تناقض اور کوئی تضاد نہیں، دونوں کا اجتماع امر واقعی ہے۔

لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ کفار نے جو انبیاء کو بشر کہا وہ کس حیثیت اور کس معنی میں کہا؟

بشر کا لفظ حقارت کے طور پر سب سے پہلے شیطان نے آدم علیہ السلام پر اطلاق کیا۔

انسانوں میں سب سے پہلے قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، نے اپنے انبیائے کرام پر بولا، مکہ کے کافروں نے رسول اللہ کو اپنے جیسا بشر کہا قوم نوح سے لے کر کفار مکہ تک تمام کافروں نے ''بشر مثلنا'' کہا۔ شیطان اور کفار کے علاوہ کسی دور کے کسی مومن نے اپنے اپنے زمانے کے نبی کو اپنے جیسا بشر نہیں کہا۔ کیا کفار کے علاوہ کسی بھی مومن کو معلوم نہ تھا کہ یہ انسان ہیں؟ اور بشر ہیں، صرف کفار کا کہنا ہی یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کے پیچھے انکار رسالت، توہین، اور حقارت کا عنصر موجود ہے اگر یہ لفظ عام اطلاق اور عام استعمال میں بے ادبی، اور تنقیص سے خالی ہوتا تو اللہ تعالیٰ حضور ﷺ یا دیگر انبیاء کو ضرور ''یاایھا البشر'' کہہ کر پکارتا۔ قرآن حکیم میں ایسی کوئی مثال نہیں جبکہ اس کے برعکس ''یا ایھا النبی ، یاایھا الرسول، یاایھا المزمل

، یاایھا المدثر " کے نظائر موجود ہیں۔

کیا ایمان کی تکمیل اور تشہیر کے لیے یہ ضروری ہے کہ ذات نبوی ﷺ پر وہی انداز وہی لفظ اور وہی طریق استعمال اپنایا جائے جو کفار نے اپنایا اور دہرایا تھا؟

فقط "ان انتم الابشر مثلنا " کو دیکھنا اور پڑھنا کافی نہیں بلکہ اس کی توضیح اور تفصیل بھی ملاحظہ کرنا ہوگی جو جواب کے طور پر انبیاء کرام نے منکرین رسالت کے سامنے پیش کی، قرآن ارشاد فرماتا ہے:۔

"قالت لھم رسلھم ان نحن الابشر مثلکم ولکن اللہ یمن علی من یشاء من عبادہ" (ابراھیم)

ترجمہ: رسولوں نے ان کفار کو یہ جواب دیا کہ بے شک ہم تمہارے ہی جیسے بشر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو پسند فرمائے اُن پر اپنا احسان اور فضل فرماتا ہے۔

"ان نحن الابشر مثلکم "اور "لکن " کے بعد والے جملہ اور کلام کا معنی اور حکم ایک نہیں بلکہ ایک دوسرے کے مخالف اور مناقض ہیں اور اس کی وجہ "لکن " حرف استدراک کا درمیان میں آنا ہے، امام جلال الدین السیوطی نے فرمایا "لکن " کا معنی استدراک ہے جس کی تفسیر یوں کی گئی ہے۔ کہ "لکن" کے بعد میں ایک ایسا حکم ہوتا ہے جو اس کے ماقبل کے حکم کے مخالف اور مناقض ہوتا ہے۔ "لکن" سے پہلے حکم یہ تھا کہ ہم تمہارے ہی جیسے بشر ہیں اب بعد والے جملہ کا حکم اس کے مخالف اور مناقض ہوگا اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:۔

"وما کفر سلیمان ولکن ایشیاطین کفروا" (اتقان)

ہے "لکن" کے مابعد کا حکم ماقبل کے حکم سے متناقض اور مخالف ہے۔ اس طرح آیہ مقدسہ میں "ان نحن الا بشر مثلکم، کا حکم "یمن علی من یشاء " کے حکم کے خلاف اور معارض ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ تم ہمیں اپنے جیسا بشر سمجھتے ہو لیکن ہم تمہارے جیسے بشر نہیں ہم پر اللہ تعالیٰ کے احسانات ہیں، الوہیت کے بعد سب سے بڑا مرتبہ، اور منصب جو اوصاف جزیلہ

کا حامل ہے وہ نبوت اور رسالت ہے ہم اس پر فائز اور متمکن ہیں۔ لہٰذا بے دھڑک "انما انابشر مثلکم هل کنت الا بشر رسولا " سے یہ استدلال کرنا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے ہی جیسے بشر ہیں بالکل غلط اور نصوص قطعیہ کے مخالف اور مناقض ہے انشاء اللہ اس پر بھی گفتگو کی جائیگی ﴿وبااللہ التوفیق﴾

مؤلف نے حضور ﷺ کی بشریت پر قرآن حکیم کی آیت

"قل انما انابشر مثلکم یوحی الی انما الھکم الہ واحد" نقل کی ہے (کہف)

ترجمہ: میں بھی تمہاری ہی طرح کا بشر ہوں، مجھ پر وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے" (ص ۱۵) قانون کے مطابق لفظ "قل" چار امور کا تقاضا کرتا ہے۔ (۱) قائل (۲) مقولہ (۳) مقول لہ (۴) اور وجہ قول، آیت مذکورہ کے قائل رسول اللہ ﷺ ہیں اور مقول لہ کفار مکہ ہیں، خود آیہ کریمہ مقولہ ہے اور وجہ قول کے بارے میں مفسرین کی تحقیقات درجہ ذیل ہیں۔ کفار مکہ کا کہنا یہ تھا کہ آپ ﷺ ہماری ہی طرح کے بشر ہیں۔ آپ نے بحکم خداوندی یہ جواب ارشاد فرمایا کہ ہاں میں تمہاری ہی طرح کا انسان ہوں۔ مجھ پر وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود، معبود واحد ہے معمولی عقل و دانش کا مالک شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ کیسی مماثلت ہے؟ تم جیسا بھی ہوں اور رسول بھی ہوں، کیونکہ وحی اسی بشر کی طرف آتی ہے جو رسول ہو ارشاد باری تعالیٰ ہے "ما کان لبشران یکلمه اللہ الا وحیااومن وراء حجاب

اویرمل رسولا فیوحی باذنه مایشاء انه علی حکیم (شوریٰ، ۵۱، ۵۲)

ترجمہ: کسی بشر میں اتنی طاقت ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے کلام کرے مگر وحی یعنی القاء سے یا پردے کے پیچھے سے یا جبریل بھیج کر جو اللہ کے اذن سے وحی کرے جو اللہ چاہتا ہے۔ بے شک وہ بہت بلندی اور حکمت والا ہے۔

نص قطعی سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ بشر سے تین طرح کا کلام فرماتا ہے۔ یا اس کے ذہن

وقلب میں کسی امر کا القاء کریگا۔ یا حجاب میں اس سے ہم کلام ہوگا۔ یا جبریل علیہ السلام کو بھیج کر اس پر وحی کریگا۔

جب بشر سے بذریعہ جبریل کلام کرے تو بشر رسول یا پیغمبر ہوگا، آیہء کریمہ میں ''انما انا بشر مثلکم یوحی الی ،الخ ''میں'' بشر مثلکم '' کے بعد ''یوحی الی '' کا جملہ دلالت کر رہا ہے کہ آپ پر وحی کی گئی کہ معبود حقیقی ایک ہی ہے۔ جس کا مقصد یہ ہوا کہ آپ رسول ہیں اور اور دیگر آیت ''مامحمد الرسول ''اس کی تفسیر ہے ''ھل کنت الا بشرا رسولا، انما انا بشر ملثلکم یوحی الی '' کی لفظی اور معنوی تعبیر وتشریح ہے جب آپ بشر اور رسول ہیں تو پھر بشر محض کیسے؟ اور کفار و مشرکین کو ''انما انا بشر مثلکم '' کیسے فرمایا؟ بشر محض ماننے سے ''انا بشر مثلکم 'یوحی الی '' میں تناقص لازم نہیں آتا؟ اگر آتا ہے تو بشر محض کیسے؟ اگر لازم نہیں آتا یہ آیت کے الفاظ کے خلاف ہے' واضح رہے کہ '' بشر مثلکم 'مقید اور ''یوحی الی ' قید ہے '' بشر مثلکم '' پر ہی اکتفاء کرنا اور ''یوحی الی '' کو نظر انداز کر دینا آیت کے مفہوم اور مدلول کو پورا نہیں کرتا۔ قید ہونے کی وجہ سے دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں

(۱)'' بشر مثلکم '' موصوف اور ''یوحی الی '' جملہ بتاویل مفرد اسکی صفت ہو، ایسی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ بے شک میں ایسا بشر ہوں جس کی طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود، معبود واحد ہے۔ (۲)''انا'' ضمیر متکلم سے حال واقع ہو اب آیت کا معنی اس طرح سے ہوگا کہ تمہارے جیسا بشر ہوں میرا حال یہ ہے کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود، معبود واحد ہے۔ ہر دو صورتوں میں مثلیت اور بشریت محضہ کی نفی ہو جاتی ہے۔ پوری آیت پڑھ کر '' بشر مثلکم '' پر رکنا اور یہاں تک ہی اکتفاء کرنا ہر گز روا نہیں۔ ایسا کرنا علمی خیانت اور مخاطب کو دھوکہ دہی میں ڈالنا ہے۔ قرآن وسنت میں موجود واضح اور نا قابل تردید دلائل کی موجودگی میں یہ کہنا کہ آپ ﷺ محض بشر ہیں، اور سیاق آیت اور الفاظ آیت کی روشنی

میں العیاذ باللہ مخاطبین کی مثل ہیں، کیسے درست ہے؟ اس پر عقیدہ رکھنا اور اس کا پرچار کرنا روح ایمان کے منافی ہے، آیت کا صحیح اور حقیقی معنیٰ عرض کرنے سے قبل اس کے پس منظر کا جاننا ضروری ہے، جو یہ ہے کہ کفار رسول اللہ ﷺ کو نبی اور رسول اس لئے نہیں مانتے تھے کہ آپ ہماری ہی طرح کے بشر ہیں، کھاتے، پیتے، تجارت کرتے اور بیاہ شادیاں کرتے ہیں۔ اُن کے اس باطل عقیدہ کی تردید اور فاسد سوچ اور فکر کی نفی میں اللہ نے فرمایا آپ کہ دیں:۔ ''انما انا بشر مثلکم یوحی الی '' کے بعد'' یوحی الی ''انما الھکم الہ واحد'' کے کلمات نے رسول اللہ ﷺ اور مخاطبین میں امتیاز پیدا کردی ہے۔ صاحب روح المعانی نے فرمایا: 'تمیزت عنکم بذالک ''مجھ پر جو وحی کرتی ہے کہ تمہارا معبود، معبود واحد ہے کی وجہ سے میں تم سے ممتاز ہوں۔ تمہارے جیسا نہیں، آگے فرمایا کہ آیہء کریمہ میں دو جگہ ''انما'' اور ''انما'' آنے سے حصر اور قصر کا معنی پیدا ہو گیا ہے۔ قصر کیا ہے؟ الفاظ حصر کے ساتھ ایک حکم یا وصف کو کسی دوسری چیز کے لیے مختص کرنے اور اس وصف کی مخالف وصف کی نفی کو ملحوظ رکھنے کا نام قصر ہے مثلاً ''مازید الا قائم ''میں ما نافیہ اور اس کے بعد الا کا آنا پھر دونوں کا ایک جملہ میں اجتماع قصر ہے۔ ''ما'' نافیہ اور 'الا'' الفاظ حصر ہیں۔ اس جملہ میں زید کے لیے قیام کو مختص کیا گیا ہے اور قیام کے مفہوم مخالف یعنی قعود کی نفی کی گئی ہے۔ معنی یہ ہے کہ زید کھڑا ہی ہے۔ بیٹھا ہوا نہیں مخاطب کے ذہن میں تھا کہ شاید زید کھڑا نہ ہو بیٹھا ہوا ہو لیکن جب متکلم نے ''مازید الا قائم'' کہا تو مخاطب کو یہ باور کرایا کہ زید کھڑا ہے بیٹھا ہوا نہیں۔ اس طرح جب کفار نے کہا کہ ہم پر آسمان گرادو تمہارا سونے کا محل ہونا چاہیے تھا تم زمین سے پانی کی نہریں جاری کرتے تم ہمارے دیکھتے دیکھتے آسمان پر چڑھ جاتے وہاں سے کتاب لاتے ہم بھی اس کو پڑھتے، تمہارے پاس فرشتے آتے اور خود خدا آتا۔ یہ امور ان کے اذھان میں لوازمات نبوت اور علامات رسالت کے طور پر براجمان تھے ان کا رد اور ان کی نفی کرتے

ہوئے فرمایا: میں تو تمہارے ہی جیسا انسان ہوں۔ انسان یہ کام نہیں کر سکتا یہ تو قدرت باری تعالیٰ کے تابع ہیں میں نبوت اور رسالت کا مدعی ہوں، اُلوہیت کا نہیں۔ گویا آپ ﷺ نے صفات اُلوہیت کا حامل ہونے کی نفی کی۔ دوسرا مقصور ''الھکم'' ہے اور مقصور علیہ ''الہ واحد'' ہے جس کا معنی ہے کہ آپ نے مشرکین سے فرمایا: کہ میں اللہ کا رسول ہوں، کیونکہ مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔ کہ تمہارا معبود حقیقی اللہ وحدہ لاشریک ہے، وہ بت نہیں جنہیں تم پوجتے ہو۔ مخاطبین کے ذہن میں معبودان باطلہ یعنی بتوں کا تصور بطور الٰہ موجود تھا اس کی نفی کی گئی اور معبود حقیقی کے لیے ''الہ واحد'' یعنی وحدہ لاشریک کا وصف مختص کیا گیا۔ قصر اول کی صورت میں آیت کا معنی یہ بھی ہے

''انا مقصور علیہ اور یوحی الی مقصور ہو'' اور آیت کا یہ مفہوم ہو کہ میں وہ ہوں جس پر وحی کی جاتی ہے،، ایسا نہیں کہ مجھ پر وحی نہ آئے اور میں رسول نہ ہوں جیسا کہ تمہارا خیال ہے۔

حاصل حکم یہ ہے آیہ کریمہ کو: انما انا بشر مثلکم تک محدود کرنا، اور اس سے یہ استدلال کرنا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے ہی جیسے انسان اور بشر ہیں بالکل غلط، علوم وفنون کی دنیا میں مردود، اور خود آئیہ مقدسہ کے الفاظ کی روشنی میں باطل ہے۔ کفار مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو ھل ھذا الا بشر مثلکم کہا۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا: ''واسروا النجوی الذین ظلموا ھل حذا الا بشر مثلکم افاتون السحر وانتم تبصرون . (انبیاء، ۳)

ترجمہ: ان ظالموں نے چپکے چپکے سرگوشیاں کیں کہ وہ تم ہی جیسا انسان ہے پھر کیا وجہ ہے کہ تم آنکھوں دیکھتے جادو میں آجاتے ہو۔

امام رازی نے فرمایا:

انھم طعنوا فی بنوتہ بامرین ، احدھما انہ بشر مثلھم والثانی ان الذی اتی بہ سحر، وکلا الطعنین فاسد (کبیر جز ۲۲، ص ۱۴۱)

ترجمہ: کفار نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت میں دو طعن کیے۔ آپ ہمارے جیسے بشر ہیں، جو کتاب لائے، یعنی کلام پڑھ کر سناتے ہیں وہ جادو ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ جن کفار نے آپ ﷺ کو اپنے جیسا بشر کہا اللہ تعالیٰ نے ان کو ظالم کہا۔ اگر نبی کریم ﷺ کو بشر محض یا اپنے جیسا بشر کہنا جائز ہوتا اور اس سے نبی کریم ﷺ کی تحقیر اور تنقیصِ شان نہ ہوتی تو بطور مذمت ان کو ظالم نہ کہا جاتا۔

قرآن حکیم کا یہ فتوی پڑھنے اور سننے اور جاننے کے بعد بھی اگر کوئی اپنے جیسا بشر، یا صرف بشر کہتا یا لکھتا پھرے تو اس سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے؟ امام رازی نے آپ ﷺ کی بشریت مثلہ کا عقیدہ رکھنے والوں کو فسادی قرار دیا کیونکہ یہ خیال فاسد ہے، حضرت مریم نے جبریل سے کہا ''لم یمسنی بشر''

صاحب روح المعانی نے بشر کی تفسیر کرتے ہے ہوئے فرمایا:۔

''سمی بشر الظھور بشرتہ اولان اللہ تعالٰی باشراباہ وخلقہ بیدیہ''

(روح المعانی جز ۳ ص ۱۶۴)

ترجمہ: مرد کا نام بشر اس لئے رکھا کہ اس کی شکل وصورت، قد وقامت ظاہر اور وہ نظر آتا ہے۔ یا اس لئے بشر کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے بشر کے باپ آدم ؑ کو اپنے ہاتھوں سے پیدا فرمایا تھا، یہ ہے بشر کی وجہ تسمیہ لیکن اس کو غلط معنٰی میں استعمال کیا گیا۔ جس طرح شیطان اور ہر دور کے کفار نے انبیاء کی توہین اور بے ادبی میں اس کے غلط معنی کا پرچار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر اس لفظ کا استعمال جس کا تلفظ اور اطلاق کسی بھی طرح کا ہو لیکن اس سے ذات نبوی ﷺ کی توہین اور بے ادبی کا پہلو نکلتا ہو ناپسند فرمایا ہے اور اس کے بولنے پر پابندی لگا دی گئی ہے۔

''لاتعقولوا راعنا وقولوا انظرنا '' اسکی واضح مثال موجود ہے، قل انما انا بشر مثلکم الآیۃ میں بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی بشریت کے اظہار اور اقرار کا حکم ضرور دیا ہے۔

مگر خود اللہ تعالیٰ نے کسی بھی مقام پر یا ایھا البشر نہیں کہا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو بشر نہ بنایا؟ جب بشر بنایا ہے تو پھر خود کیوں نہیں کہا؟ کیا آپ کا نام نامی اسم گرامی محمد ﷺ، اور کنیت ابوالقاسم نہیں؟ پھر اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو یہ کیوں فرمایا:

" لا تجعلوا دُعاء الرسول بینکم کد عاء بعضکم بعضًا"

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کو ان کا نام لیکر اُونچی آواز سے مت پکارو، جسطرح تم ایک دوسرے کو نام لیکر اُونچی آواز سے پکارتے ہو، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، اور ابونعیم نے "الدلائل" میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

"کا نوا یقولُون یا محمد، یا ابا القاسم فنھاھم اللہ تعالیٰ عن زالک یقولہ سبحانہ لا تجعلوا الا یہ اعظامًا لنبیہ ﷺ، فقا لو ایانبی اللہ یا رسول اللہ وروی وھذاعن قتادہ والحسن، وسعید بن جبیر، ومجاھد"

و فی احکام القرآن للسوطی ان فی ھذاالنھی تحریم ندائہ ﷺ"

(روح المعانی جز ۱۸ ص ۲۲۵)

ترجمہ: صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کو یا محمد، یا ابا القاسم کہہ کر پکارا کرتے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی تعظیم کی خاطر لا تجعلوا الآیہ سے منع فرمادیا، اس کے بعد صحابہ کرام آپ ﷺ کو یا نبی اللہ، یارسول اللہ کہہ کر پکارتے تھے، یہ معنی اور شان نزول قتادہ، حسن، سعید بن جبیر، مجاہد سے مروی ہے، امام جلال الدین سیوطی نے تفسیر احکام القرآن میں بیان کیا "لاتجعلوا" کی نہی تحریم کے لیے ہے آپ کو آپ کے نام سے پکارنا حرام ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ صحابہ کرام سے بڑھ کر ذات نبوی علیہ الصلوۃ والسلام کی تعظیم کرنے، اور ادب بجالانے والا کون ہوسکتا ہے، جنہوں نے ایک اشارے پر جان و مال، عزت و آبرو کو محبت رسول اور عظمت رسول پر نچھاور کیا۔ ان کی نیتوں میں رسول اللہ کی توہین اور بے ادبی کا قصور اور فتور کیسے ہوسکتا تھا

لیکن چونکہ یہ عام لوگوں کا طریقہ اور عام نداء تھی صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کو بھی عام لوگوں میں شمار کرتے ہوئے نداء کا وہی انداز اور وہی طریقہ اپنایا جس کو اللہ تعالیٰ نے ناپسند فرمایا: اور رسول اللہ کو نداء عام سے پکارنے پر پابندی لگادی۔ حضور ﷺ کو اپنے جیسا بشر کہنے اور محض بشر سمجھنے والے کون لوگ ہیں؟ ان کا پس منظر کیا ہے اور قائد کون ہے؟

جب اللہ تعالیٰ کو صحابہ کرام جن کے دلوں میں حب رسول ﷺ کا سرور اور آنکھوں میں عظمت مصطفےٰ ﷺ کا نور ہے ان کی نداء عام نامنظور اور ناپسند ہے۔ تو شیطان اور کفار کا توہین اور تحقیر سے لبریز لفظ بشر کا اطلاق کیسے پسند اور کیسے گوارہ ہے؟ آیہ کریمہ میں "مثلکم" کا لفظ بھی موجود ہے۔ مسلمہ بات ہے کہ "کم" ضمیر کے مخاطبین کفار مکہ ہیں، دیکھنا یہ ہے کہ آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ میں تمہارے ہی جیسا بشر ہوں کیسے روا؟ اور کس معنی میں ہے؟ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ لفظ "مثل" کی تعریف کی جائے، تا کہ "مثلکم" کا مفہوم سمجھنے میں ابہام نہ رہے' علامہ بیضاوی نے فرمایا کہ "المثل فی الاصل بمعنی النظیر یقال مثل ومثل " یعنی " مثل " لغت میں نظیر کو کہا جاتا ہے۔ جیسے " مثل" اور 'مثل "نظیر پر بولے جاتے ہیں ملا علی قاری نے فرمایا:

"المثل المطلق ھو المساوی من جمیع الوجوہ" (شرح فقہ اکبر ص ۱۷)

ترجمہ : مطلقاً مثل اس چیز کو کہا جاتا ہے جو ہر لحاظ یعنی اپنی ذات اور صفات کے لحاظ سے دوسری چیز کے مساوی ہو۔ صاحب روح المعانی نے فرمایا:

"المثل قال الراغب اعم الالفاظ الموضوعة للمشابھة"

ترجمہ: مشابہت کے لیے جو الفاظ وضع کیے گئے ہیں ان میں مثل کا لفظ عام مشہور ہے۔ تفصیل کرتے ہوئے فرمایا:

"وذاک ان الندیقال لما یشارک فی الجوھر فقط والشبہ لما یشارک فی

کیفیة فقط ،والمساوی لمایشارک فی الکمیة فقط الشکل لما یشارک فی القدروالمساحة فقط، والمثل عام فی جمیع ذالک "

ترجمہ: ایک شی ءکادوسری شی ءکے ساتھ مادہ میں شریک ہونا "الند" اوراگر کیفیت یعنی وصف حالت میں شریک ہوتو شبہ ہے اگر تعداد یا حجم میں شریک ہوتو کمیت ہے، اوراگر قدوقامت میں شریک ہوتو شکل ہے اوران تمام امور میں شریک ہونے کا نام مثل ہے۔

امام رازی نے فرمایا: "ان المثلین عند المتکلمین هما اللذان یقوم کل منهما مقام الاخرفی حقیقته وماهیته" (روح المعانی جز ۲۴، ص ۱۸)

ترجمہ: متکلمین کے نزدیک وہ دو چیزیں ایک دوسرے کی مثل ہوں گی جو حقیقت وماہیت میں ایک دوسرے کے قائم مقام ہوں۔

علمائے اصول نے فرمایا: "ان المماثلة من النسب المکررة ،فاذاکان الشیء مثلا لشیء فذالک الشیء ایضا مثل له بلا تکلف "(حاشیہ حسامی ص ۱۶)

ترجمہ: بے شک مماثلت نسبت مکررہ سے ہے، (یعنی دو چیزوں کاایک دوسری کی طرف منسوب ہونااورحمل ہوناہے) جب ایک شی ءدوسری شی ءکی مثل ہوتولامحالہ دوسری شی ءپہلی شی ءکی مثل ہوگی۔اس تفصیل کاماحصل یہ کہ مثل کے لیے ضروری ہے کہ "ممثل' اور'ممثل" ذات،صفات میں ایک دوسرے کے مساوی ہوں۔ایک دوسرے پران کاحمل اوراطلاق جائزاورممکن ہو۔یعنی "ا" اپنی ذات وصافت میں "ب" کے مساوی ہواور "ب" بھی اپنی ذات وصفات میں "ا" کے مساوی ہو۔ "الالف باءاور'الباء،الف' کہنا جائز ہو۔دیکھنے اور سمجھنے کی بات یہ ہے کہ کیارسول اللہ ﷺ کی بشریت،کفار کی بشریت کے مماثل ہے؟

ہرگزنہیں۔اللہ تعالیٰ نے انہیں اندھا،بہرا،چارپائے اور بدترین مخلوق قراردیا ہے،جب اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ حکم صادر فرمایا ہے تواس کاصاف مفہوم یہ ہے کہ وہ دیکھنے میں تو

بشر ہیں مگراوصاف انسانیت اوردیگر تقاضاہائے بشریت پورانہ کرنے کی وجہ سے بدترین مخلوق ہیں،سوچنے کی بات ہے کہ یہ بدترین مخلوق اس ذات کی مثل کیسے ہوسکتی ہے؟ جن کی صورت وسیرت کی اللہ تعالیٰ نے قسمیں کھائی ہیں۔

آیہ مقدسہ کے واضح الفاظ،اورصریح معنی کے پیش نظر حضور ﷺ کی بشریت نعوذ باللہ اگر کفار کی بشریت جسی ہی ہے تو کفارایک بشر کو کیوں نہ دیکھ سکے،جس کا جنم،تربیت،بچپن،جوانی ہر ہر چیز کا گوشہ اُن کے سامنے تھا۔اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا: "تراهم ینظرون الیک وهم لا یبصرون " آپ کی بشریت کاعالم تو یہ ہے کہ آپ طیّت پشت سے طیّب پشت اورطیّب شکم سے طیّب شکم کی طرف منتقل ہوتے رہے ہیں۔حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کاحضرت آمنہ سلام اللہ علیہا سے نکاح کرنااوراس کے نتیجہ میں آپ کاتولّد ہونااسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔اس پر پہلے گفتگو ہوچکی ہے۔جب کہ کفار کی بشریت کواللہ تعالیٰ نے پلیداورنجس فرمایا ہے:

"انما المشرکون نجسٌ"

چہ نسبت خاک رابعالم پاک

مذکورہ تفصیل کے بعد بھی اگر یہ کہاجائے کہ رسول اللہ ﷺ کی بشریت کفار کی بشریت کے مماثل اورمساوی ہے یہ باطل اورغلط فاحش ہوگا کیونکہ اس سے ایک استحالہ لازم آتا ہے،جس کی توضیح یہ ہے کہ جن دو چیزوں میں مماثلت ہوان کے لیے لازم آتا ہے وہ من کل وجوہ ایک دوسری کی مثل ہوں۔اوران کاایک دوسری پراطلاق اورحمل جائز ہو،مثل کے لفظی اوراصطلاحی معنی کی روشنی میں ایک ہی وقت اورایک ہی جہت (بشریت) میں مثلکم کے مخاطبین کی مثل بھی ہوں گےاور "یوحی الی " کی وجہ سے رسول بھی ہوں گے،یہ مماثلت مستحیلہ ہے لہذا ماننا پڑیگا کہ مماثلت کامعنی یہ ہے کہ میں الہ نہیں جوتم مجھ سے ان امور کامطالبہ کرتے ہو، الہ نہ ہونے میں تم مجھ جیسے ہواور میں تم جیسا ہوں،امام رازی نے فرمایا:

"ای لاامتیاز بینی وبینکم فی شیء من الصفات الاان اللہ تعالیٰ اوحی الی انہ لاالہ الااللہ الواحدالاحدالصمد" (کبیر جز ۱ ص ۱۷۶)

ترجمہ: انسانی صفات، مثلاً چلنا، پھرنا، کھانا، پینا، دیکھنا سننا، شادی بیاہ کرنا، تجارت کرنا، ان میں، تم جیسا اور تم مجھ جیسے ہو لیکن اس بات میں مجھے یہ امتیاز حاصل ہے کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود، معبود واحد ہے۔

امام رازی کے قول سے تو یہ ثابت ہوا کہ میں ذات وصفات میں تمہاری مثل نہیں بلکہ صرف اوصاف انسانیت (جن کا ابھی تذکرہ ہوا) ان میں مماثلت ہے۔

مؤلف کتابچہ نے ہر جگہ بدوں قید وبدوں تمیز بشر کا معنی ذات وصفات میں مماثل ہونا لیا ہے جو امام رازی کے بیان کردہ معنی کی روشنی میں غلط ہے۔

اسی عنوان کے تحت امام رازی نے فرمایا: "قل انما انابشر مثلکم ،یوحی الی آلایۃ" کفار کے تین شبہات کا جواب ہے۔ جو رسول اللہ ﷺ کو دعوت توحید کے جواب میں انہوں نے پیش کیے۔

(۱) "قلوبنا فی اکنۃ مماتدعونا الیہ" جس چیز کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو وہ ہمارے دلوں پر اثر انداز نہیں ہوتی کیونکہ ہمارے دل انتہائی مضبوط گہرے پردوں میں ہیں۔

(۲) "فی اذاننا وقر" ہمارے کانوں میں رینٹھ ہے۔ یعنی ہم بہرے ہیں۔

(۳) "ومن بینناوبینک حجاب" آپ کے اور ہمارے درمیان پردہ حائل ہے، کفار کے ان شبہات کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ انعام میں ذکر فرمایا ہے، امام آگے ارشاد فرماتے ہیں:

"ولما حکی اللہ عنہم ھذہ الشبھۃ امر محمدا ﷺ ان یجیب عن ھذہ الشبھۃ بقولہ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی الایۃ"

امام رازی نے فرمایا: "انی لا اقدران احملکم علی الایمان جبرا وقھرا فانی بشر

مثلکم ولاامتیاز بینی وبینکم الا بمجرد ان اللہ عزوجل اوحی الی وما اوحی الیکم" (کبیر جز ۲۷، ص ۹۸)

ترجمہ: میں اس بات پر قادر نہیں کہ جبراً اور قہر کے ساتھ تمہیں ایمان کا متحمل بناؤں، کیونکہ میں ایک تمہارے جیسا انسان ہوں، میرے اور تمہارے درمیان فرق یہ ہے کہ میری طرف وحی آتی ہے اور تمہاری طرف نہیں۔

اس سے بھی ثابت ہوا کہ کفار سے "بشر مثلکم" فرمانا اوصاف انسانی کے اعتبار سے ہے۔ کیونکہ اس کے معاً "یوحی الی" سے امتیاز پیدا فرمایا کہ میری طرف وحی آتی ہے، اور جس بشر کی طرف وحی آئے وہ رسول اور نبی ہوتا ہے نبوت اور رسالت وصف ہے ایک جلیل القدر منصب کا نام ہے، وصف کے لیے موصوف اور منصب کے لیے ذات مخصوص کا ہونا ضروری ہے۔ "یوحی الی" میں رسالت مع الذات کی طرف اشارہ ہے جس سے مراد اور جس کا مصداق رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے، جس کا مفہوم یہ ہے اوصاف انسانیت چلنا پھرنا، کھانا پینا، طاقت کمزوری جیسے اوصاف میں تمہارے جیسا ہوں میں ایسی کسی طاقت کا ملک نہیں جو فوق الفطرت ہو، جس کے بل بوتے تمہیں جبر اور تسلط کے زور پر دائرہ ایمان میں لے آؤں، لیکن جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں اس کے لحاظ سے منصب رسالت پر فائز ہوں، اگر آیہ کریمہ کا معنی یہ لیا جائے کہ میں محض بشر ہو کر تمہارے جیسا ہوں تو یہ غلط نہیں تو اور کیا ہے؟

اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں صاحب روح المعانی نے فرمایا: "لست ملکا جنیا لا یمکنکم التلقی منہ وھو رد لقولھم بینناوبینکم حجاب (روح المعانی ج ۱۳، ص ۹۷ جز ۱)

ترجمہ: میں فرشتہ یا جن نہیں کہ تم مجھ سے دعوت توحید کو سن کر نہ سمجھ سکو، میرا لہجہ، میری زبان، وہی ہے جو تمہاری ہے۔ ہم وطن، ہم زبان اور ہم لہجہ اور ہم جنس ہونے میں تم جیسا ہوں۔ ورنہ حقیقت اور ذات میں تم سے منفرد اور ممتاز ہوں کیونکہ میں "یوحی الی" کا مدلول اور مصداق

ہوں۔ معقولات میں مماثلت کون الشیئین فردین لنوع واحد کا نام (مصباح الدجی) ہے دو چیزوں کا ایک نوع کا فرد بنتا یا ہونا مماثلت ہے جس طرح انسان تمام افراد انسانی کے لیے نوع ہے، زید عمرو بکر اس کے افراد نوعیہ ہیں، جن کو شخصیات بھی کہا جاتا ہے، زید عمرو کے من کل الوجوہ مماثل نہیں۔ قدوقامت، شکل وصورت اور دیگر عوارضات میں یہ ایک دوسرے کے مماثل نہیں ہیں۔ صرف ایک جہت، ایک حیثیت میں مماثلت ہے کہ یہ انسان ہیں اور اس کے فرد ہیں۔ اسی طرح بشر بھی ایک نوع ہے، جس کے افراد مومن، کافر، اور رسول ہیں، ذات و صفات کے لحاظ سے ان میں کوئی مماثلت نہیں، کیونکہ کافر وصف کفر سے متصف ہے اور مومن، ایمان کی بلند پایہ صفت سے موصوف ہے، اور رسول اپنی ذات، صفات کے لحاظ سے دیگر افراد سے منفرد اور ممتاز ہے، بالخصوص رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی بے شک انسان جو نوع ہے کا فرد ہیں، لیکن آپ اپنی ذات اور صفات کے لحاظ سے فرد شخصی ہیں جس کو جزی حقیقی کا درجہ حاصل ہے بالکل اسی طرح جسطرح مطلق علم، علم حصولی، اور علم حضوری کے لیے بمنزلہ نوع کے ہے اس کے دو فرد ہیں۔ (۱) علم حصولی (۲) علم حضوری

علم حصولی کے دو فرد ہیں تصور اور تصدیق۔ تصور اور تصدیق اپنی حقیقت اور ماہیت میں ایک دوسرے کے منافی ہیں۔ تصور مین حکم نہیں جبکہ تصدیق میں حکم ہے ان کا ایک دوسرے پر اطلاق نہیں ہوسکتا۔

باوجودیکہ بواسطہ علم حصولی یہ مطلق علم کے فرد ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ اور ''کم'' ضمیر کے مخاطبین بشر ہیں۔ اور بحکم قرآن ان کے درمیان مماثلت بھی ہے۔ مگر ''مثلکم'' کے مخاطبین جانے پہچانے کفار ہیں۔ وہ بشر کے افراد ہیں حضور ﷺ بھی بشریت کا فرد ہیں مگر فرد شخصی اور جزوی حقیقی ہیں۔ کیونکہ آپ کے لیے ''یوحی الی' اور ''مامحمد الا رسول'' کا فصل اور امتیاز موجود ہے۔ اسی طرح آپ اپنی ذات اور صفات کے لحاظ سے کفار

کہ کی مثل نہیں ہوسکتے۔ مثل ہونے کی ایک ہی صورت ہے کہ ''الہ تم بھی نہیں اور میں بھی نہیں، ''الہ '' نہ ہونے میں تم میری طرح ہو اور میں تمہاری طرح ہوں۔

مزید آیہ مقدسہ میں لفظ بشر آیا ہے۔ یہ حیثیات کا حامل ہے (۱) بشر من حیث البشر، یعنی بدوں لحاظ امر آخر کہ وہ مومن ہے، رسول ہے یا کافر، اس لحاظ سے یہ ماہیت اور لابشرط شی کے درجہ میں ہے، اور جب امر آخر کا لحاظ کیا جائے یہ بشرط شی کے درجہ میں ہوگا۔ جیسے ''البشر من حیث محمد رسول اللہ، فرد شخصی اور جزی حقیقی ہوگا، جس کا اطلاق کسی بھی دوسرے فرد بشر پر محال شرعی اور محال عقلی ہوگا، الکافرون بشر، اور محمدرسول اللہ بشر کہنا صحیح ہے۔ یہ دو قضیے ہیں۔ موضوعات مختلف، متضاد، مگر محمول دونوں میں ایک (بشر) ہی ہے، تغائر موضوع تغائر عوارض محمول کو مستلزم ہے بشر من حیث الکافر اس کی بشریت کے عوارض اور ہیں۔ اور بشر من حیث محمد رسول اللہ آپ کی بشریت کے عوارض اور ہیں، مثلاً کھانا پینا بشریت کے لیے ایک امر عارض ہے باقی ساری بشریت کے قیام اور بقاء کے لیے کھانا پینا لازمی امر ہے۔ مگر آپ نے اپنی ذات کے لیے اس امر عرض کے لزوم کی بھی نفی فرمادی، اور ارشاد فرمایا:

''ایکم مثلی انی ابیت یطعمنی ربی ویسقینی'' (متفق علیہ)

بخاری میں ہے: ''انی لست کھیئتکم انی یطعمنی ربی ویسقینی''

یعنی میری شکل وصورت اور حالت تم سے مختلف ہے ''الھیئتہ صورۃ الشی وشکلہ وحالتہ، والمعنی انی لست مثل حالتکم وصفتکم''

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد ۶ ص ۷۳، فتح الباری ص ۲۰۳)

میں ہے: ''ای علی صفتی اور منزلتی من ربی '' یعنی تم میں سے کوئی بھی میری صفات کا حامل نہیں۔ 'یا' اللہ کے ہاں جو میری قدر و منزلت ہے وہ کسی کی نہیں۔ جب یہ ثابت ہوگیا کوئی فرد بشر بشمول صحابہ کرام ذات وصفات میں آپ کی مثل نہیں تو ماننا پڑیگا کہ بشریت میں مماثلت

کا معنی یہ ہے کہ مخلوق ہونے میں تم میری مثل ہو اور میں تمہاری مثل، وھو المراد، اس کی دلیل قرآن حکیم کی یہ آیت ہے:

"مامن دآبة فی الارض ولاطائر یطیر بجناحیه الا امم امثالکم" (انعام، ۳۸)

ترجمہ: نہیں ہے کوئی جانور زمین میں، نہ کوئی پرندہ جو اپنے بازوؤں پر اڑتا ہو مگر تمہاری مثل امتیں ہیں۔ یہاں بھی لفظ مثل آیا ہے کیا "امم امثالکم" کا یہ معنی اور مطلب ہے کہ ہر انسان اللہ کی مخلوق ہونے میں ایک دوسرے کی مثل ہیں۔ جیسا کہ اسی آیت کے تحت محدث ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں تحریر کیا ہے۔ صاحب روح المعانی نے "امثالکم" کے تحت فرمایا: "فی ان احوالها محفوظة وامورها معینة و مصالحها مرعیة جاریة علی سنن السداد منتظمة فی سلک التقدیرات الالهیة والدبیرات الربانیة"

ترجمہ: جانوروں اور پرندں کے احوال محفوظ، ان کے معاملات معین، ان کی بہتری کا لحاظ رکھا گیا ہے یہ جملہ امور ایک ترتیب کے ساتھ جاری اور ساری ہیں، تدابیر اور تقاریر الٰہی کی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں۔ یعنی جسطرح تمہارے احوال محفوظ، معاملات زندگی مختص اور تمہاری ترقی اور مصالح کا خیال رکھا گیا ہے جسطرح تمہارا نظام حیات تقدیر اور تدبیر الٰہی کے تابع ہے اسی طرح ان کا بھی ہے، یہاں حالات دآبہ اور طائر کو حالات انسان کی مثل قرار دیا گیا ہے اس سے کب لازم آتا ہے کہ انسان، جانور اور پرندے ایک جیسے ہوں، اسی طرح آیہء کریمہ "انما انابشر مثلکم" میں فرمایا کہ بشری حالات اور صفات میں تمہاری مثل ہوں،

رسول اللہ ﷺ کی ازواج کی نسبت قرآن نے فرمایا

"یا نسآء النبی لستن کاحد من النسآء" (احزاب)۔

ترجمہ: اے نبی ﷺ کی بیبیو تم لوگوں کی عورتوں کی مثل نہیں ہو، سوال یہ کہ ازواج مطہرات دُنیا کی عورتوں کی طرح کیوں نہیں۔ کیا ان کی شکل وصورت عورتوں جیسی نہیں، عورتوں کی

صفات اُن میں نہیں پائی جاتیں، کیا اولاد پیدا کرنیکی ان میں صلاحیت نہیں، ان تمام امور کے پائے جانے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے دُنیا کی عورتوں کی مثل ہونے سے نفی فرمادی اور دوسرے لفظوں میں ان کے بے مثل ہونے کا اعلان فرمایا، دیکھنا یہ ہے کہ بے مثل ہونے کا اعزاز انہیں کہاں سے ملا؟ اور کیوں ملا یہ اعزاز اور یہ افضلیت انہیں ازواج نبی بننے کیوجہ سے حاصل ہوئی، جیسا کہ "یا نسآء النبی" کے جملہ سے ظاہر ہے، یہ اعزاز اور افضلیت لذاتہا نہیں بلکہ لغیرہ ہے، ازواج مطہرات کی نسبت رسول اللہ ﷺ سے ہوئی تو ان جیسی کوئی عورت نہ ہوئی تو اس ذات پاک جیسا کون ہوسکتا ہے جس کی طرف منسوب ہونے نے ازواج مطہرات کو بے مثل بنادیا۔ مزید انسان اور بشر مترادف لفظ ہیں دونوں کا مصداق ایک ہی ہے اور وہ آدمی ہے۔ قرآن حکیم کی روشنی میں شیطان، اور نوح علیہ السلام کے زمانے سے لیکر رسول اللہ ﷺ کے زمانہ تک کے تمام کافروں نے نسل بعد نسل اپنے، اپنے زمانے کے نبی کو "بشر مثلنا" کہا اور اس لفظ کے کہنے سے ان کی نیت مقام نبوت کی تحقیر اور شان رسالت کی تنقیص تھی اور انکار تھا ورنہ یوں کہنا بھی ممکن تھا کہ یہ ہمارے جیسے ہی انسان ہیں۔ جیسے قرآن حکیم مین دو لفظ "راعنا" اور "انظرنا" باہم مترادف ہیں، دونوں کا معنی ایک ہی ہے ہم پر نظر کرم فرمائیں ہمیں رعایت دیں۔ یعنی جب تک آپ کا ارشاد ہمارے فہم میں نہ آئے آگے ارشاد نہ فرمائیں توقف فرمائیں۔ لیکن یہود نے "راعنا" کے لفظ کو تبدیلی لہجہ کے ساتھ "راعینا" کہنا شروع کیا جس سے گستاخیء رسول ﷺ کا پہلو اجاگر ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے توہین پر مبنی لفظ "راعنا" کے بولنے پر پابندی لگادی اور حکم دیا "لاتقولوا راعنا وقولو انظرنا" امام رازی نے "راعنا" سے نکلنے والے بے ادبی سے لبریز کئی معانی بیان کیے ہیں جن کو خوف طوالت کے پیش نظر ترک کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بدنیتی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "یقولون سمعنا وعصینا واسمع غیر مسمع وراعنا لیا بالسنتهم وطعنا فی الدین" (نساء

یعنی راعنا کے لفظ کی قرأت اور لہجہ بدلنے میں دین متین میں طعن اور شان رسالت مآب کی توہین اور گستاخی نمایاں تھی اس لیے عشاقان رسول ﷺ جن کی نیت مخلصانہ اور محبانہ تھی، کو بھی بولنے سے منع فرمادیا گیا، امام رازی نے فرمایا:

"انه لا یبعدفی الکلمتین المترادفین ان یمنع الله من احدهما ویأذن فی الاخری فلذالک عند الشافعی رضی الله عنه لا تصح الصلوة بترجمة الفاتحة سواء کانت بالعبریة اوبالفادسیة ، فلا یبعد ان یمنع الله من قوله راعنا ویأذن فی قوله انظرناوان کانتامترادفین ولکن جمهور المفسرین علی انه تعالیٰ انما منع من قوله راعنا لا شتما لهاعلی نوع مفسدة ذکروافیه وجوها"

(کبیر جز ۳ ص ۲۲۳)

ترجمہ: مترادف کلمات میں یہ کوئی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کے استعمال سے منع اور دوسرے کی اجازت دی ہو، اس بناء پر امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک نماز میں اگر سورۃ فاتحہ کے ترجمہ میں عبرانی، یا فارسی کے مترادف الفاظ پڑھے جائیں تو نماز صحیح نہ ہوگی۔ یعنی اگرچہ فارسی اور عبرانی کے الفاظ عربی الفاظ کے ہم معنی ہوں۔ اسی طرح یہ کوئی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے "راعنا" کہنے سے منع کیا ہو اور "انظرنا" کہنے کی اجازت دی ہو۔ گو دونوں لفظ ہم معنی ہیں ۔لیکن جمہور مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے "راعنا" کہنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس کا معنی ایک فسادکاری کا آئینہ دار ہے۔

آگے فرمایا: "بین ان لا بد من تعظیم الرسول علیه السلام فی المخاطبة ، علی ماقال لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا" اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ بوقت خطاب رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔ اگرچہ رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء کرام نے اپنی ذوات کے لیے بشر کا اطلاق کیا ہے۔ مگر یہ عاجزی اور

انکساری کے طور پر ہے۔ شیطان اور کفار نے حقارت، تنقیص، اور انکار کے معنی میں کیا ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ کے دیگر اوصاف کو چھوڑ کر بشر، بشر کی رٹ لگانا یقیناً بے ادبی اور گستاخی ہے مؤلف نے دلیل کے ضمن میں آیہ کریمہ "ربنا وابعث فیهم رسولا یتلوا علیهم آیاتک" اس کا ترجمہ تو ٹھیک کیا۔ مگر فائدہ کے مندرجات میں یہ تحریر کیا کہ یا اللہ میری اولاد (یعنی بشر) میں ایک ایسا رسول بھیج جو ان (یعنی بشر میں سے ہو) آگے لکھا یہاں یہ نہیں فرمایا کہ "رسولا من الملائکة والمخلوق النوری،" کہ فرشتہ اور نوری کو بھیج دے بلکہ فرمایا ان میں سے کسی بشر کو رسول بنا کر بھیج۔ (ص ۱۵)

مؤلف کا یہ کہنا کہ میری اولاد بشر میں ایک ایسا رسول بھیج (جو ان میں سے ہو) وضاحت طلب ہے۔ مؤلف کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ابراہیمؑ اپنی ذریت جو مکہ اور اس کے اردگرد آباد تھی ان میں انہی میں سے زمانہ حال میں رسول بھیجنے کی استدعا کر رہے ہیں جبکہ آیہ کریمہ کا یہ مفہوم نہیں بلکہ مفہوم یہ ہے میری اس اولاد سے ایک عظیم المرتبت پیغمبر بھیج، جو ان کے سامنے تیری آیات پڑھ کر سنائے۔ امام رازی نے فرمایا:

"ان ابراهیم علیه السلام انما دعا بهذاالدعابمکة لذریته الذین یکونون بهاو بما حولهاولم یبعث الله تعالیٰ الی من مکة وماهو الامحمدا ﷺ"

ترجمہ: بے شک ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا مکہ میں سکونت پذیر اپنی اولاد کے لیے مانگی جو مکہ میں اس کے اطراف واکناف میں رہائش پذیر رہیں گے۔ زمانہ حال میں مقیم اولاد کے لیے نہیں بلکہ آنے والی اولاد کے لیے مانگی ہے۔ یعنی میری موجودہ اولاد سے جو آگے نسل چلے گی۔ ان میں سے ایک عظیم المرتبت رسول بھیج۔ امام رازی نے فرمایا:

"ان الرسول هو محمد ﷺ رسولا" سے مراد محمد رسول الله ﷺ" کیونکہ اس پر مفسرین کا اجماع ہے۔ فرمایا اجماع المفسرین "وهو حجة"

خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "انا دعوة ابراهيم وبشارة عيسىٰ" (کبیر جز ۴ ص ۷۳)

جمہور مفسرین کے مطابق رسول سے مراد محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جن کو بشر محض کہا گیا ہے۔ اور بزبان ابراہیم علیہ السلام کہا گیا ہے جو غلط اور نص قطعی کے خلاف ہے۔ کیونکہ آیہء کریمہ میں جو دعا ہے اس میں " رسولا منهم " کا لفظ آیا ہے مؤلف کا یہ کہنا کہ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میری اولاد یعنی بشر میں سے ہو ایک مضحکہ خیز بات ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کو معلوم نہ تھا کہ میری اولاد بشر ہے۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی ایک اولاد ایسی تھی جو بشر نہ تھی اس لیے آپ کو اولاد بشر کی تخصیص کرنا پڑی۔ یہ بھی غلط ہے کیونکہ باپ بشر ہو تو اولاد بھی بشر ہوگی کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پتہ نہ تھا کہ میری اولاد بشر ہے؟ کیا ابراہیم علیہ السلام کے لیے ممکن تھا کہ وہ " رسولا من الملائكة يا والمخلوق النوری " کہتے، یہ تو تب ممکن ہوتا جب اللہ تعالیٰ نے کسی دور میں انسانوں کی ہدایت کیلئے کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجا ہوتا۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تک تمام پیغمبر اور رسول انسان تھے اس لئے بشر کہنے کی ضرورت تھی نہ فرشتہ اور نوری مخلوق کہنے کی، الملائکۃ کے بعد والخلوق النوری تحریر کرنے کی کیا مجبوری تھی؟ نوری مخلوق میں فرشتوں کے علاوہ حور و غلمان بھی ہیں کیا وہ بھی پیغمبر اور رسول ہو سکتے ہیں؟ مولف کسی بھی دور کی کوئی مثال پیش نہ کر پائیں گے، رسولاً کا ترجمہ بشرًا کرنا غلط ہے۔ اور یہ "توجيه القول بمالايرضی به القائل" ہے، جو مردود اور باطل ہے، یہاں ایک بات کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ اور اس کے اردگرد عرب تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھے، اُن میں سے کوئی بھی مسلمان نہ تھا اس کا جواب دیتے ہوئے امام رازی نے فرمایا۔ "قال القفال انه لم يزل فی ذريتهما من يعبد الله وحده ولايشرک به شيئاو لم يزل الرسل من ذرية ابراهيم وقد كان فی الجاهلية زيدبن عمروبن ثقيل، وقس بن ساعدةويقال عبد المطلب

بن هاشم جدرسول الله ﷺ وعامر بن الظرب كانوا علی دين الاسلام يُقرون بالايداء والاعادة والثواب والعقاب ويوحدُون الله وتعالیٰ ولا ياكلون الميتة ولا يعبدُون الاوثان" (کبیر جز ۴۔ ص ۶۸)

ترجمہ:۔ قفال نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہمیشہ ایسے لوگ موجود رہے ہیں جو ایک اللہ کی عبادت کرتے، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں رسولوں کا سلسلہ جاری رہا زمانہء جاہلیت میں زید بن عمرو بن نفیل قیس بن ساعدہ اور عامر بن الظرب دین اسلام پر تھے۔ جو پیدائش، موت اور موت کے بعد زندہ کیے جانے، نیک اعمال پر ثواب، اور بُرے اعمال پر عذاب، پر ایمان اور یقین رکھتے تھے، وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار اور پرچار کرنے والے تھے مردار کھانے والے، اور بتوں کی پوجا کرنے والے نہ تھے، ہشام بن محمد الکلبی اپنے باپ سے روئیت کرتے ہیں کہ

"كتبت للنبی ﷺ خمسمائة ام فما وجدت فيهن سفاحا ولاشيئا مماكان من امر الجاهلية" (البدایہ والنہایہ جز ۲ ص ۲۳۹)

ترجمہ: حضور ﷺ کی ماؤوں کی تعداد پانچ سو بتائی گئی ہے۔ اُن میں سے کوئی ایک بھی بدکار تھی نہ امور جاہلیت کی پیروکار۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں بنو ہاشم تک جس فرد کو بھی آپ کی ماں یا باپ بننے کا شرف حاصل ہوا وہ بدکردار تھا نہ مشرک" رسولا " پر تنوین تنکیر ہے یہ رفعت شان اور عظمت مقام پر دلالت کرتی ہے جس کا مقصد یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک عظیم المرتبت رسول کے مبعوث کیے جانے کی استدعا کی۔

مگر مؤلف نے رسولا کا معنی بشرا کیا ایک تو تفسیر بالرائے کی اور دوسرا ذات رسول اللہ ﷺ کو رسالت کے عظیم منصب سے اتار کر بشریت عامہ کی صف میں لے آئے۔ جس کو شرف

پذیرائی بخشا جہالت اور حماقت ہے۔

مؤلف نے مذکورہ بالا دلیل دوم کی تائید میں آیہء کریمہ "لقد من الله علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم "نقل کی آیہ کریمہ کا ترجمہ کرنے کے بعد فائدہ کے تحت لکھا یہاں مؤمنین سے بشر اور انسان مراد ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بشر انسان ہیں۔ اور انسان بشر ہیں۔ انسان اور بشر لفظ عام ہے جو تمام اولاد آدم کو شامل ہے۔ اس میں مومن اور کافر سب داخل اور شامل ہیں گویا لفظ بشر اور انسان لفظ عام ہے مومن اور کافر کو محیط ہے۔ لیکن مومنین کا لفظ اپنے اطلاق اور مصداق کے لحاظ سے خاص ہے۔ علماء نے لفظ خاص کی تعریف یوں کی ہے۔ "الخاص لفظ وضع لمعنی معلوم علی الانفراد"
ترجمہ : انفرادی طور پر جس کی وضع معنیء معلوم یا مسمی معلوم کے لیے ہو، جیسے زید کا لفظ مسمی معلوم ذات زید کے لیے ہے، دیگر کسی فرد کے لیے نہیں، معنی معلوم جیسے لفظ "رجل" تمام مردوں کو شامل اور لفظ انسان، تمام مردوں کو شامل ہے۔ زید فرد خاص، رجل، نوع خاص، اور انسان جنس خاص ہے۔

اور عام: لفظ "ینتظم جمعا من الفراد" افراد کے مجموعہ کو شامل ہونے والے لفظ کو عام کہتے ہیں اسکی مثال مسلموں اور مشرکون ہے، یہ عام کے حکم میں تب ہوں گے جب ان کے اوپر جنس عالی نہ ہو۔ انسان اور بشر کا لفظ کافر اور مومنین کے لیے جنس عالی ہے جس کے مطابق کافر اور مومنین اس کی جنس تحتانی اور افراد ہیں، جنس تحتانی یعنی فقط جنس کو جنس عالی کا درجہ نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ فقط جنس، جنس عالی کے مقابل اخص، اور جنس عالی فقط جنس کے تقابل میں اعم ہوتی ہے، اعم اور اخص عنوان تعریف اور مصداق میں ایک دوسرے کے مناقض ہیں۔ اس تفصیل کے بعد آیہ کریمہ کی طرف آیئے آیت میں لفظ مومنین کا ذکر ہے مولف نے اس کا معنی اور مراد بشر اور انسان لیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ لفظ خاص کا معنی عام لیا اور خاص کو عام پر محمول کیا

ہے جو غلط ہے۔ امام رازی نے معنیٰ خاص "یعنی مومنین" کو اپنے خصوص پر باقی رکھتے ہوئے رمایا: "اعلم ان بعثۃ الرسول احسان علی کل العالمین وزالک لان وجہ لاحسان فی بعثۃ کونہ داعیا لھم الی ما یخلصھم من عقاب الله ویوصلھم لی ثواب الله وھذا عام فی حق العالمین لانہ مبعوث الی کل العالمین کما ال تعالیٰ وما ارسلناک الا کافۃ للناس، الا انہ لما لم ینتفع بھذا الانعام الا ھل الاسلام فلھذا التاویل خص الله تعالیٰ ھذہ المنۃ بالمومنین (کبیر جز ۹۔ ۷۸)

رجمہ: ۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت تمام عالمین پر احسان ہے۔ اور آپ کی بعثت وجہء احسان س لئے ہے کہ آپ عالمین کو ان امور کی دعوت دیتے ہیں جو انہیں اللہ کے عذاب سے بچا کر واب کی دولت عطا کرتے ہیں۔ یہ سب عالمین کیلئے ہے کیونکہ آپ کی بعثت تمام عالمین کیلئے ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "وما ورسلناک الا کافۃ للناس"

چونکہ اہل اسلام کے علاوہ کسی اور نے اس انعام خداوندی سے فائدہ نہیں اٹھایا اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے مومنین پر احسان فرمایا ہے۔ امام رازی نے آیہ کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ آپ کی بعثت عالمین اور الناس کے لیے ہے عالمین اور الناس کا مال، مصداق، انسان ور بشر ہیں، جن میں مومن اور کافر سب شامل ہیں یونہی ہر انسان اور ہر فرد بشر الناس میں داخل ہے لیکن ان میں سے اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اس انعام سے مستفیض ہونے کی وجہ سے مختص رمایا، لفظ الناس اس پر قرینہ موجود ہے مومنین کا لفظ اپنے اطلاق اور اپنی معنویت کی وجہ سے خصوص ہے اس سے مراد انسانوں کا ایک مخصوص گروہ ہے جو وصف ایمان سے متصف ہے ور یہ بشرط شیء کے درجہ میں ہے جبکہ انسان اور بشر "لا بشرط شیء" کے عنوان میں ہیں ذا مومنین کو صرف لفظ بشر سے تعبیر کرنا غلط ہے۔ جبکہ قرآن کریم میں اس کی تفریق نوعی اور یاز جنسی موجود ہے۔ ہر فرد بشر اور ہر انسان کو "یاایھا الناس" اور مومنین کو "یاایھا الذین

امنوا'' اور کافروں کو ''یاایھا الکافرون '' سے مخاطب کیا گیا ہے اگر چہ مومنین بھی انسان اور بشر ہیں مگر محض بشر نہیں بلکہ وہ بشر ہیں جو وصف ایمان سے متصف ہیں جیسے انسان کاتب اس انسان سے مختلف ہے جو کاتب نہیں۔ رہا ''من انفسھم '' جس کا ترجمہ مؤلف نے ان میں ان کی جنس سے رسول بھیج دیا گیا ہے (ص ۱۴) اس کی تفسیر میں امام رازی نے فرمایا:

''وذالک انه صار شرفا للعرب وفخرا لھم کماقال وانه لذکر لک ولقومک وذالک لان الافتخار با ابراھیم علیه السلام کان مشترکا فیه بین الیھود والنصارٰی والعرب، ثم ان الیھود والنصارٰی کانوا الیفتخرون بموسٰی وعیسٰی والتورة والانجیل فما کان للعرب مایقابل ذالک فلما بعث الله محمدا علیه السلام وانزل القرآن صار شرف العرب بذالک زائدا علی شرف جمیع الامم'' (کبیر جز ۹ ص ۸۰)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کا عربوں (من انفسھم) سے مبعوث کیا جانا ان کے لیے باعث شرف اور باعث افتخار تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یہ تیرے اور تیری قوم کے لیے یہ ذکر عزت، شرف اور شہرت کا باعث ہے۔

کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کی ذات پر فخر کرنا یہود و نصارٰی کے درمیان مشترک تھا۔ یہود و نصارٰی حضرت موسٰی علیہ السلام، حضرت عیسٰی علیہ السلام، تورات اور انجیل پر فخر کرتے تھے، جبکہ اس کے مقابل عربوں کے پاس کوئی چیز قابل فخر نہ تھی۔ لیکن جب رسول اللہ ﷺ کو ان عربوں (من انفسھم) سے مبعوث فرمایا گیا اور ان پر قرآن حکیم اتارا گیا تو عرب قوم کو ایسا شرف ملا جو تمام امتوں کے شرف پر حاوی اور غالب آ گیا۔ اس تفسیر سے واضح ہو گیا کہ (من انفسھم) سے مراد عرب قوم ہے جو مخصوص ہے، یہود و نصارٰی اس میں شامل نہیں۔

نمبر ۲: اگر اس کا معنی ان کی جنس سے لیا جائے تو غلط ہوگا کیونکہ ان کی جنس انسان اور بشر ہے ان

میں توحید پرستوں اور مشرکوں کا کوئی امتیاز نہ ہوگا، تو یہ کیسے معلوم ہوگا کہ آپ کی بعثت عربوں میں سے ہوئی ہے اور پھر عربوں کی اس نسل سے جو ہر دور میں توحید پرست رہی ہے۔ جیسا کہ امام رازی کی تفسیر اس عنوان میں پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔

مؤلف نے فائدہ کے تحت اس آیت کو بطور دلیل نقل کیا ''ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم '' اور پھر کہا کہ '' امیین '' سے مراد انسان اور بشر ہیں۔ (ص ۱۶) بالکل غلط ہے ''امیین '' کی توضیح کرتے ہوئے امام رازی نے فرمایا: ''الامی منسوب الی امة العرب ، لماانھم امة امیون لا کتاب لھم ولا یقرئون کتاباولا یکتبون وقال ابن عباس یرید الذین لیس لھم کتاب ولا نبی بعث فیھم ،وقیل الامیون الذین ھم علی ماخلقوا علیه'' (کبیر جز ۳۰، ص ۳)

امیوں کا لفظ امت العرب کی طرف منسوب ہے اس لیے کہ امی لوگوں کی اصل وہی ہے جن کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں، وہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے پاس کوئی کتاب نہیں اور نہ ہی ان میں کوئی نبی مبعوث ہوا ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ امیین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی جبلت پر ہیں یعنی جنہیں دینیات، اخلاقیات، اور معاملات کا شعور اور علم نہیں۔

معلوم ہوا امیین سے مراد وہ خاص عرب ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل کوئی رسول آیا نہ کتاب اتاری گئی۔

قارئین فیصلہ فرمائیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان کردہ معنی اور مراد درست ہے یا مؤلف کتابچہ کا؟

اگر بقول مؤلف کے امیین سے مراد بشر اور انسان ہیں تو پھر یہود و نصارٰی انسان ہونے کے واسطے اس میں شامل اور داخل ہیں، حالانکہ وہ امیین نہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں عالم فرمایا۔

"فاسئلوا اھل الذکران کنتم لا تعلمون "(انبیاء :۷)

کفار مکہ سے کہا گیا کہ اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ رسول فرشتہ ہونا چاہیے تھا تو ان سے کہو کہ یہود ونصاری جو اہل علم اور اہل کتاب ہیں ان سے پوچھو کہ رسول صورت بشری میں آتے رہے یا صورت ملکی میں۔ امام رازی نے فرمایا:

"ثم انھم کانوا مقرین بان الیھود والنصاری اصحاب العلوم والکتب فامرھم اللہ بان یرجعوا فی ھذہ المسئلة الی الیھود والنصاری "(کبیر جز ۲۰، ص ۳۶)

ترجمہ: کفار مکہ یہ اقرار کرتے تھے کہ یہود ونصاری اہل علم اور اہل کتاب ہیں اس وجہ سے اللہ تعالی نے کفار مکہ کو حکم دیا کہ وہ یہود ونصاری کے علماء سے پوچھ لیں بلکہ دوسرے مقام پر اللہ تعالی نے خود ان کو علماء کے لفظ سے ذکر فرمایا ہے جیسا کہ فرمایا:

"ان یعلمه علماء بنی اسرائیل " جب یہود ونصاری اہل علم ہوئے تو ان پر امیین کا اطلاق درست نہیں۔ اگر امیین کا معنی اور مراد بشر اور انسان لیا جائے تو لازم آئے گا کہ امیین کا اطلاق علمائے بنی اسرائیل پر بھی ہو۔ اور یہ معنی علماء کے لفظ کے مناقض اور کوسوں دور ہے۔

نیز آیات کریمہ مثلاً:

"فاسئلوا الذکران کنتم لا تعلمون ،ان یعلمه علماء بنی اسرائیل اور ھو الذی بعث فی الامیین رسولا "

کے درمیان تعارض اور پھر اجتماع ضدین بھی لازم آئے گا۔ اس لیے کہ انسان اور بشر کا اطلاق بدوں لحاظ امر آخر بنی اسرائیل کے علماء پر بھی ہے۔ لہذا امیین کا اطلاق ان پر بھی ہوگا یہ اجتماع ضدین ہے کہ ایک ہی وقت میں وہ امی بھی ہوں اور عالم بھی۔

مزید بشر اور انسان بدوں لحاظ علم یا جہالت لابشرط شیء ہے امیین بشرط شیء ہے یعنی اس کا مصداق انسان من حیث الامی، یا انسان من حیث العالم ہے یہ دونوں مرکب ہیں، آیہ مقدسہ

میں انسان جو وصف جہالت سے متصف ہیں، لکھنا، پڑھنا نہیں جانتے، ان کے پاس کتاب نہیں ان کا کوئی نبی نہیں یہ مرکب ہے۔ صرف بشر اور انسان قطع نظر امر آخر ہونے کے بسیط ہیں۔ اور الانسان الامی، یا الانسان العالم مرکب ہے مرکب کا بسیط (بشر، انسان) پر اطلاق نہیں ہوسکتا، غرضیکہ کسی بھی لحاظ سے امیین کو صرف بشر اور انسان کہنا غلط ہے،، (وھوالمراد)

مؤلف نے رسول اللہ ﷺ کے محض بشر ہونے کی دلیل میں یہ حدیث نقل کی ہے:

"فقال انما انابشر اذاامرتکم بشیء من دینکم فخذوا به واذاامرتکم بشیء من رائی فانماانابشر "(رواہ مسلم ج ۲، ص ۲۶۴)(ص ۱۶)

ترجمہ: آپ ﷺ نے تابیر نخل سے اہل مدینہ کو روکا تھا تو اس سال کھجوروں کی فصل دوسرے سالوں کی بہ نسبت بہت کم ہوئی تو انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے اس کا ذکر کیا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس میں شک نہیں کہ میں بشر ہوں جب میں تم کو تمہارے دین کی بات کا حکم کروں تو تم محفوظ کرلیا کرو اور جب اپنی رائے سے حکم کروں پس جز ایں نیست کہ میں بشر ہوں

فائدہ کے عنوان میں لکھا کہ خط کشیدہ جملوں کو بار، بار غور سے پڑھیے آپ ﷺ کس وضاحت سے اعلان فرمارہے ہیں کہ میں بشر ہوں، کیا قیامت تک کوئی آپ ﷺ کا اس طرح ایک ارشاد بھی پیش کرسکتا ہے جس میں بشریت کا انکار ہو؟ (ص ۱۷)

اقول: مؤلف نے حدیث مذکورہ پڑھی اور لکھ دی، مگر سمجھنے کی زحمت گوارہ نہیں کی، صرف انما انابشر کا جملہ دیکھ کر پھولے نہ سمائے کہ وہ جوئے شیر لے آئے ہیں، حدیث کا معنی ومفہوم وہ نہیں جو مؤلف نے سمجھا ہے، حدیث پاک میں دو جملے قابل غور ہیں۔

(۱) اذاامرتکم بشیء من دینکم فخذوا

(۲) فاذا امرتکم بشیء من رأی فانماانا بشر

ان میں کوئی لفظ یا جملہ ایسا نہیں جو یہ دلالت کرے کہ میں تمہارے ہی جیسا بشر ہوں صرف انما انا بشر ہے جو قابل تسلیم اور جز ایمان ہے۔ اس حدیث سے نصاً معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ بشر ہیں اور لبادۂ بشریت میں دو جہات یعنی دو حیثیات کے حامل اور جامع ہیں (۱) بشریت من حیث الرسالۃ (۲) بشریت من حیث المجتهد، بشریت من حیث الرسالة کے لحاظ سے فرمایا اذا امرتکمبشیء من دینکم فخذوا به ، کیونکہ یہ قول اور فرمان من جانب الہ ہوگا اور "ما ینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحی" کی تعبیر اور تفسیر ہوگا اور جب دنیاوی امور میں تمہیں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دوں تو وہ میرا اجتہاد ہوگا جیسا کہ برأی کا لفظ بتا رہا ہے اجتہادی حکم کی تعمیل کے نتیجہ کا صحیح ہونا ضروری نہیں، لیکن مجتہد کو پھر بھی ثواب ملے گا۔ حضور ﷺ کا تابیر نخل سے روکنے کا مقصد توکل علی اللہ کی تعلیم اور شعبہ ہائے زندگی میں اس پرکاربند رہنے کی تلقین کرنا تھی، جو آپ نے کی، لیکن کھیتیاں اگانے، پھل پھول اور ثمرات لگانے کی قدرت صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، کیا حدیث میں کوئی ایسا لفظ ہے جو یہ دلالت کر رہا ہو کہ آپ ﷺ نے وعدہ فرمایا تھا کہ پھل زیادہ ہوگا؟ یا یہ فرمایا ہو کہ تابیر نخل نہ کرنے سے پھل زیادہ ہوتا ہے۔ مؤلف نے بھی ترجمہ میں صرف روکا کا لفظ تحریر کیا ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں لکھا نیز برأی کا لفظ حدیث میں اجتہاد کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ حدیث معاذ بن جبل میں اجتهد برأی کا لفظا استعمال ہوا ہے۔ پوری حدیث، مشکوۃ، ترمذی اور ابوداؤد میں ہے۔ بشریت حیث الرسالۃ کے اعتبار سے فرمایا کہ دینی احکامات بجالانے کا حکم دوں تو اس کا ماننا واجب ہے وہ من جانب اللہ ہے جو بذریعہ وحی مجھ پر القاء کیا جاتا ہے، مؤلف نے انما انا بشر کا جملہ دیکھ کر خوشی کے ترانے تو گائے مگر اسی بشر کا حامل وحی ہونا، تجلیات الہیہ کا مہبط ہونا نظر نہ آیا، انما انا بشر کو تو خوب اچھالا اور بار بار اس کے پڑھنے اور ملاحظہ کرنے کی دعوت دی پوچھنا چاہوں گا کہ کیا یہ وہی بشر نہیں؟ جس کے ہاتھ کو اللہ نے اپنا ہاتھ فرمایا اور اعلان فرمایا

ید الله فوق ایدیهم۔۔۔ کیا یہ وہی بشر نہیں؟ جس کے عمل دست کو اللہ تعالیٰ نے اپنا عمل فرمایا

"ما رمیت اذ رمیت ولکن الله رمی"

کیا آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اللہ ﷺ تک کوئی ایسا بشر ہوا یا گزرا ہے جس کے ہاتھ کو اللہ نے اپنا ہاتھ کہا ہو کیا قیامت تک ایسا کوئی انسان، یا فرد بشر ہو سکتا ہے جس کے ہاتھ کو اللہ اپنا ہاتھ فرمائے گا، تاریخ انسانیت میں ایسا کوئی ثبوت ہے یا قیامت تک ہو سکتا ہے جو اس کی گواہی دے کہ فلاں بشر کے عمل دست کو اللہ تعالیٰ نے اپنا فعل قرار دیا ہے؟

ماننا پڑیگا کہ وہ ایک ہی بشر ہے جو عام لوگوں کی طرح تو نظر آتا ہے، صورت تو بشر کی سی ہے مگر باطن اور حقیقت کے لحاظ سے "دنا فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی" کی بلندیوں پر براجمان اور تجلیات الہیہ سے سرشار اور محفوظ ہو رہا ہے۔ وہ "انما انا بشر" کے لبادہ میں ملبوس اپنے پتلے کو رویت باری تعالیٰ سے سینچ رہا ہے، جن کا نام نامی اسم گرامی محمد ﷺ ہے۔

مزید تابیر نخل سے روکنے کے عنوان میں ملا علی قاری نے فرمایا: "وانما ذالک شیء قلته بحسب الظن لشهودی اذذاک لی مسبب الاسباب وفی الحدیث دلالة علی انه علیه السلام ما کان یلتفت الا الی الامور الاخرویة" (مرقات)

ترجمہ: تابیر نخل سے میں نے گمان کے طور پر منع کیا ہے اس لیے کہ اس وقت میری توجہ مسبب الاسباب پر تھی، یعنی میں اس وقت میں قدرت باری تعالیٰ کے جلال و جمال میں مستغرق تھا۔ ملا علی قاری نے فرمایا کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی توجہ دنیاوی امور کی بجائے ہمیشہ امور آخرت پر مرکوز رہتی تھی۔

مؤلف نے کہا کہ کس وضاحت سے اعلان فرما رہے ہیں کہ میں بشر ہوں مؤلف کا مدعا کہ میں بشر ہوں اور صرف بشر ہوں پورا نہ ہوا کیونکہ انا بشر میں انا سے مراد محمد ﷺ ہیں، جملہ یوں ہوگا محمد بشر محمد بشر ہیں (ﷺ) محمد بشر میں محمد مسند الیہ / محکوم علیہ ہے، اور بشر محکوم، اور مسند ہے، گویا

بشر کو ثابت کیا جا رہا ہے محکوم علیہ، مسند الیہ، اور بشر کے درمیان اسناد، اور نسبت موجود ہے اس بشریت کی نسبت جب ذات محمد ﷺ کی طرف ہوگی تو اس کا لحاظ بحیثیت رسالت ہوگا کیونکہ محمد ﷺ رسول ہیں۔

اب یہ بشریت بشرط شیء کے درجہ میں ہے۔ جیسے حیوان کا تصور جب بحیثیت ناطق ہوگا تو اس کا اطلاق فقط انسان پر ہوگا فقط حیوان پر نہیں کیونکہ فقط ''حیوان'' ناطق ہوگا تو اس کا اطلاق فقط انسان کو شامل ہے۔ اسی طرح جب انما انا بشر میں بشریت من حیث الرسالۃ باذات محمد ﷺ ملحوظ ہوئی تو اس کا اطلاق صرف بشر یعنی بشر من حیث البشر پر نہ ہوگا کیونکہ یہ ماہیت اور لا بشرط شیء ہے اس کا اطلاق تمام افراد بشر پر ہوتا ہے پھر یہ مفہوم کلی ہے اور بشریت من حیث ذات محمد ﷺ جزی حقیقی اور فرد شخصی ہے یہ کلی پر اطلاق نہیں ہو سکتا اور نہ کلی اس پر اطلاق ہو سکتی ہے ۔ کیونکہ کوئی بھی کلی بدوں وجود افراد خارج میں نہیں پائی جاتی۔ لہذا اس حدیث سے آپ کی عام بشریت پر استدلال کرنا غلط ہے۔

مؤلف نے رسول اللہ ﷺ کی بشریت پر یہ حدیث بھی نقل کی ہے

جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں:

"کان رسول الله ﷺ یخصف نعله ویخیط ثوبه ویعمل فی بیته کما یعمل احدکم فی بیته وقالت کان بشرا من البشر، یغلی ثوبه ویحلب ویخدم نفسه (رواه ترمذی مشکوة شریف ۵۱)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنا جوتا سیا کرتے تھے، اپنا کپڑا سیا کرتے تھے، اور اپنے گھر میں اسی طرح کام کیا کرتے تھے جس طرح تم کام کرتے ہو۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ ﷺ بشر میں سے

ایک بشر تھے، بکری خود دوہتے تھے اور اپنے وجود کی خدمت کیا کرتے تھے۔

فائدہ کے تحت لکھا ہے کوئی بہادر شیعوں کا بھائی جو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بشریت رسول اکرم ﷺ کی وجہ سے گستاخ رسول کہہ کر سے خارج کر کے وہابیوں کی فہرست میں داخل کرتے ہوئے وہابیہ کہے، ص ۱۷)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث کفار کے عقیدے کی تردید میں ارشاد فرمائی کہ نبی بادشاہوں کی طرح اپنی زندگی بسر نہیں کرتے ہیں کہ جس طرح بادشاہ نجی اور گھریلو زندگی میں عوام الناس کے کاموں سے اپنے آپ کو دور رکھتے ہیں۔

افعال عادیہ کے ارتکاب سے بچتے اور دور رہتے ہیں، لیکن یہ عجیب رسول ہیں جو کھاتے پیتے، بازاروں میں چلتے پھرتے اور گھریلو کام اپنے ہاتھ سے سرانجام دیتے ہیں ان کے اس نظریہ اور عقیدہ کی تردید فرماتے ہوئے بتایا کہ نبی اکرم ﷺ اللہ کی مخلوق ہیں اللہ نے نبوت اور رسالت کا منصب عطا فرما کر ساری مخلوق پر فوقیت اور فضیلت سے نوازا ہے اس کے باوجود آپ عوامی اور سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ نچلے اور کمزور طبقے کے لوگوں سے میل ملاپ رکھتے، ان کی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں ''انما انا بشر مثلکم'' نجی معاملات اور گھریلو زندگی میں، میں تمہاری طرح انسان ہوں، (ھکذا فی المرقاۃ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کا یہ مطلب تو نہیں کہ آپ محض ایک انسان ہیں ورنہ اتنے کاموں کی تفصیل بتانے کی کیا ضرورت تھی؟

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کو ایک عام بشر کیسے کہہ سکتی ہیں؟ جنہوں نے اپنی آنکھوں سے جسم رسول ﷺ سے نور کے پھوارے پھوٹے دیکھے اور ان فواروں کی چمک سے گم شدہ سوئی کو پالیا تھا۔

امام جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے:

"اخرج ابن عساکرعن عائشہ صدیقہ رضی الله عنہاقالت کنت اخیط فی السحر فسقطت منی البرة فطلبتھافلم اقدرعلیھافدخل رسول الله ﷺ فتبینت الابرة بشعاع نور وجھه. (الخصائص الکبری، جلد ۱ ص ۶۳)

ترجمہ: کہ ابن عساکر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس حدیث کی تخریج کی ہے کہ میں سحر کے وقت کپڑا سی رہی تھی کہ سوئی میرے ہاتھ سے گر گئی، میں نے اسے تلاش کیا مگر نہ مل سکی اس کے بعد رسول اللہ ﷺ داخل حجرہ ہوئے آپ کے چہرہ کے نور کی شعاع سے وہ سوئی چمک آٹھی اور میں نے اٹھالی، شائد شیخ سعدی نے اسی موقعہ کے لیے فرمایا ہوگا:

"کشف الدجی بجماله: حسنت جمیع خصاله: صلوا علیه و آله"

یہی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"لما مات النجاشی کنا نتحدث انه لا یزال یری علی قبره نور"

(ابو داؤد، مشکوۃ ص ۵۴۵)

یہ بات اتفاقیہ نہیں بلکہ تواتر سے ثابت ہے کہ حبشہ میں شاہِ حبشہ نجاشی کی قبر پر نور کی برسات ہوتی رہی ہے۔ نجاشی فرشتہ، پیغمبر یا رسول نہیں رسول اللہ ﷺ کا عاشق اور غلام تھا اس نے فقط سورہ مریم کی آیات حضرت جعفر کی زبانی سنیں اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ اگر قرآن اور ایمان موجب نور ہیں تو وہ ذات جو صاحب قرآن، مفسر قرآن، معلم قرآن اور جان ایمان ہو وہ زید، عمرو، بکر کی طرح عام طرح کا بشر اور انسان ہے؟ مزید حدیث عائشہ از قسم آحاد ہے جبکہ اس کے مقابل نصوص قرآنیہ اور احادیث مبارکہ کی ایک بڑی تعداد موجود ہے جو ذات رسول کی نورانیت کو ثابت کرتی ہیں (مسئلہ نور میں انشاء اللہ ذکر کی جائیں گی) ان کے مقابل قول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مرجوح ہے۔

مؤلف نے لکھا کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مسئلہ ہی حل کر دیا کہ آپ ﷺ کو

بشر کہنا آپ ﷺ کی تعظیم ہے اور بشریت کو حقارت کی نظر سے دیکھنا توہین ہے۔ راہ حق کے طالب کے لیے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہی ایک ارشاد کافی ہے:

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کان بشرا من لابشر کیوں فرمایا اس کا پس منظر عرض کیا جا چکا ہے مزید تسلی اور فکر کے لیے فرمان عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا شان ورود ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، ملا علی قاری نے فرمایا:

"تمھیدلمابعده لانه لمارأت من اعتقادالکفاران النبی ﷺ لا یلیق بمنصبه ان یفعل ما یفعل غیره من الناس وجعلوه کالملوک فانھم یترفعون عن الافعال العاریة الدنیة تکبیرا، کماحکی الله تعالی عنھم فی قوله ما لھذاالرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق فقالت انه ﷺ کان خلقا من خلق الله تعالی وواحد من اولاد آدم شرفه الله بالنبوة وکرمه بالرسالة وکان یعیش مع الخلق بالخلق ومع الحق بالصدق فیفعل مثل مافعلوا ویعینھم فی افعالھم تواضعاوارشادا لھم الی التواضع ورفع الترفع وتبلیغ الرسالة من الحق الی الخلق کماامر قال تعالی قل انما انا بشرمثلکم یوحی الی" (مرقات ج ۱۱ ص ۹۴)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمان کہ کان بشرا من البشر تمہید ہے ان امور کی جو آپ ﷺ کیا کرتے تھے اس لیے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جب دیکھا کہ کفار نے آپ ﷺ کو بادشاہوں کی طرح سمجھ رکھا ہے جسطرح بادشاہ دنیاوی امور کے بجا لانے میں بربنائے تکبر اپنے آپ کو ارفع اور بلند سمجھتے ہیں اسی طرح منصب نبوت بھی ایک بلند پایہ ہے اس منصب کے حامل شخص کے لیے وہ کام کرنے جو عوام کرتے ہیں شایان شان نہیں تو اس کے رد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا دیگر مخلوق کی طرح وہ بھی ایک مخلوق ہیں باقی اولاد آدم کی طرح وہ بھی ولد آدم ہیں جنہیں منصب رسالت اور شان نبوت

سے شرف اور تکریم عطا فرمائی ہے۔ وہ مخلوق کے ساتھ حسن خلق سے پیش آتے، اور حق کا ساتھ دیتے ہوئے سچ بولتے ہیں وہ عام لوگوں جیسے افعال سرانجام دیتے، وہ تواضع اور انکساری کے ساتھ لوگوں کی عملی مدد اور راہنمائی فرماتے ہیں وہ غرور اور تکبر سے مبراء ہیں۔ وہ پیغام حق اسی طرح مخلوق تک پہنچاتے ہیں جس طرح اللہ کا حکم ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ کہہ دیں کہ میں بھی تمہارے جیسا انسان ہوں۔ ملا علی قاری کی اس توضیح سے ثابت ہوا کہ

۱۔ حضرت عائشہ صدیقہ کا کان بشرا من البشر کہنا۔ عنوان اور تمہید کے طور پر ہے۔

۲۔ اس عنوان کے تحت وہ امور گنوائے جو آپ ایک عام آدمی کیطرح کیا کرتے تھے۔

۳۔ کان بشرا من البشر کا مقصد بادشاہوں جیسے تکبر و غرور اور مافوق الفطرت ہونیکی نفی ہے۔

۴۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ آپ ﷺ متواضع اور منکسر المزاج تھے۔

۵۔ نجی معاملات اور گھریلو زندگی میں کام کاج کے حوالے سے ایک عام آدمی کی طرح تھے۔

۶۔ نبی اور رسول ہونے کے باوجود معاشرتی اور معاشی زندگی سادہ لوح انسان کی طرح بسر کرتے تھے، لوگوں سے حُسن خلق اور انکساری سے پیش آتے تھے، انہی خصوصیات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ عوام الناس سے کہہ دیں کہ بشری کاروبار حیات میں، میں بھی تمہارے ہی جیسا ہوں۔

۷۔ اگر حضرت عائشہ رسول اللہ ﷺ کی نورانیت یا بشریت کے حوالے سے کہتیں تو اتنا ہی کہنا کافی تھا کہ کان بشرًا۔ کان بشرا من البشر کا قول عقیدہ کفار کی تردید کیلئے ہے اس لئے اس قول سے رسول اللہ ﷺ کی بشریت محضہ کو ثابت کرنا غلط ہے"

مولف نے اجماع صحابہ کے عنوان کے تحت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی انہی کا قول نقل کیا جو اسطرح سے ہے کہ "کنتُ اکتب کل شیء اسمعه من رسول الله ﷺ ارید حفظه فنهانی قریش فقالوا اتکتب کل شیء ورسول الله ﷺ بشر

یتکلم فی الغضب والرضی فامسکت عن الکتاب فذکرت ذالک لرسول الله ﷺ فاوماء باصبعه الی فیه فقال اکتب فوالذی نفسی بیده ما یخرج منه الا حق. ابو داؤد (کتابچه ص ۱۸)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں جو بھی چیز حضور اکرم ﷺ سے سنتا تھا اسکو حفاظت کے ارادے سے لکھ لیتا تھا تو قریش نے مجھے منع کیا اور کہا کہ حضور صلی اللہ ﷺ ایک انسان ہیں کبھی غصہ کی حالت میں کلام فرماتے ہیں اور کبھی رضاء کی حالت میں، میں لکھنے سے رُک گیا پھر میں نے یہ بات حضور اکرم ﷺ کے سامنے ذکر کی تو حضور ﷺ نے اپنی انگلی سے اپنے منہ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا لکھیں قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس مُنہ سے حق کے سوا کوئی بات نہیں نکلتی

اس حدیث سے مولف نے یہ استدلال کیا ہے کہ حضور ﷺ کے بشر ہونے پر صحابہ کا اجماع ہے، غلط ہے" حدیث کے الفاظ اس کی تائید نہیں کرتے، الفاظ حدیث نمایاں ہیں۔ قریش نے کہا اور رسول اللہ ﷺ بشر پھر بشری صفات کا ذکر کیا: "یتکلم فی الغضب والرضاء"، غصہ، رضاء، انسانی صفات میں سے ہیں۔ قریش نے رسول اللہ ﷺ کو بشر کہا اور پھر ان کی بشری صفات کا بھی ذکر کیا۔ عبداللہ بن عمرو ابن العاص نے قریش کا آپ ﷺ کو بشر کہنا آپ کے غصہ، رجاء وغیرہ کا پورا تذکرہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کردیا اس کے باوجود قسم کھا کر فرمایا اور اپنے منہ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اس منہ سے حق ہی نکلتا ہے، غضب کی حالت میں بھی جس کے منہ سے ہمیشہ سچ نکلے وہ منہ عام لوگوں جیسا نہیں ہوسکتا، جب منہ عام لوگوں جیسا نہ ہو تو دل و دماغ بھی عام لوگوں جیسے نہ ہوں گے، کیونکہ بات اور سوچ وفکر کا مرکز دل و دماغ ہیں جس کا دل و دماغ عام لوگوں جیسا نہ ہو اس کا باقی جسم عام لوگوں جیسا کب ہوگا یہ منہ مبارک وہ ہے جس کی تعریف، اور جس کی انفرادیت "ماینطق عن الهوی ان هو

"الاوحی یوحی" سے بیان کی گئی، اور قلب اطہر کو "ماکذب الفواد مارٰی" سے امتیاز بخشا گیا ہے۔ رہا باقی جسم تو طہارت، نفاست، نظافت اور پاکدامنی کی اس تصویر کے تمام لحات زندگی کی اللہ نے قسم کھائی ہے، جیسا کہ فرمایا:

"لعمرک انھم لفی سکرتھم یعمھون" یہ وہی بشر ہے جس نے خود فرمایا کہ میری آنکھیں تو سوتی جاتی ہیں مگر میرا دل جاگ رہا ہوتا ہے' جب دل جاگ رہا ہے تو جسم سوئے سوئے بھی جاگ رہا ہے تو گویا آپ ﷺ نے "مایخرج منه الا حق" فرما کر اپنی بشریت کو دوسروں کی بشریت سے ممتاز فرمایا۔۔۔۔۔ بلکہ واضح فرمایا کہ میری حقیقت اور میرا باطن عام لوگوں جیسا نہیں عام لوگ غیظ و غضب میں مدہوش ہو کر بدکلامی اور بے ہودگی کرتے ہیں مگر میرے غصہ میں آنے کے باوجود بھی میرے منہ سے حق اور سچ کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔۔۔۔ میرے سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔۔۔۔

۲: قریش کا یہ کہنا کہ وہ بشر ہین۔ اجماع نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے تمام صحابہ کا دائرہ فقط ،قریش کے گرد ہی نہیں گھومتا بلکہ صحرائے عرب میں بسنے والے، دوسرے خاندانوں کے لوگ بھی شرف صحابیت سے مالا مال ہیں، کیا انصار مدینہ صرف قریش ہی تھے، قریش تو مہاجر ہو کر آئے تھے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"ان اللہ اصطفیٰ کنانة من ولداسمعیل واصطفی قریشا من کنانة واصطفی من قریش بنی ھاشم واصطفانی من بنی ھاشم "(رواہ مسلم ، مشکوة)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے بنی کنانہ کو فضیلت دی، اور بنی کنانہ سے قریش کو، اور قریش سے بنی ہاشم کو، اور بنی ہاشم سے اللہ تعالیٰ نے مجھے افضل بنایا۔ معلوم ہوا رسول اللہ ﷺ کا خاندان بنی ہاشم ہے، جو لوگ اس خاندان سے آپ ﷺ پر ایمان لائے وہ ہاشمی ہوئے مثال کے طور پر جعفر بن ابی طالب، حضرت حمزہ، حضرت عباس، حضرت عبداللہ بن

عباس، اسی طرح دیگر جلیل القدر صحابہ کرام مثلاً ابی بن کعب، ثابت بن قیس بن شماس، تمیم الداری، یا بن عبداللہ، اقرع بن حابس، انس بن مالک، ثابت بن ضحاک، جابر بن سمرہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین قریشی نہیں دوسرے قبائل سے ہیں جب دیگر قبائل کے جلیل القدر صحابہء کرام قریشی نہیں تو مؤلف کا اجماع صحابہ کہنا کیسے درست ہے؟

اور اگر قالوا کے صیغہء جمع کو مدنظر رکھ کر اجماع کہا تو بھی غلط ہے کیونکہ جمع کم از کم دو یا تین سے شروع ہوتی ہے، مزید یہ کہ صحابہء کرام کا عقیدہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ عام انسانوں جیسے بشر نہیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: کان رسول اللہ ﷺ امرھم من الاعمال بمایطیقون قالوا انالسنا کھیأتک یارسول اللہ ﷺ "(بخاری ج ۱، ۷)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ ان اعمال کا ارشاد فرماتے ہیں جن کی لوگ طاقت رکھتے ہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہم آپ کی مثل نہیں ہیں۔ بقول مؤلف صحابہ کرام بشر اور نبی اکرم ﷺ بھی بشر ہیں صحابہ حضور ﷺ کے مماثل نہیں اور حضور ﷺ صحابہ کے نہیں کیوں؟

مؤلف نے فقہ حنفی سے طحاوی علی مراقی الفلاح (ص ۶۷۵) سے جو عبارت ذیل نقل کی:

"ویشترط لصحة الایمان بہ ﷺ معرفة اسمه، اذلاتتم المعرفة الابه وکونه بشرا من العرب "(ص ۱۹)

امام طحاوی کا یہ فرمان درست ہے کیونکہ تکمیل ایمان کے لیے مومن بہ یعنی رسول اللہ ﷺ کے نام ولدیت جائے پیدائش، بشریت اور عربی النسل وغیرہ امور کا علم ہونا ضروری ہے یہی ایمان کی تفصیلات میں سے ہیں، مؤلف غلط فہمی کا شکار ہین اہل سنت و جماعت اور تمام حنفی اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ آپ ﷺ بشر ہیں انسان ہیں لیکن اس معنی اور اس حیثیت میں بشر نہیں مانتے جس میں شیطان نے آدم علیہ السلام کو اور قوم نوح علیہ السلام نے نوح کو اور ان کے بعد آنے والے کافروں نے اپنے، اپنے زمانے کے نبی اور دور رسالت مآب کے کافروں نے

آپ ﷺ کو بشر کہا اور مانا ہے، اور نہ ہی اس طرح کا بشر مانتے ہیں۔ جس طرح مؤلف نے بار بار تحریر کیا اور تعارف کرایا ہے، اور ان کے اسلاف پیش کرتے رہے ہیں، فقہ حنفی کے ماننے والے آپ ﷺ کو اشرف الناس اکرم الخلق بشر مانتے ہیں، جیسا کہ آپ نے خود ارشاد فرمایا:

"انا اکرم الاولین والاخرین علی اللہ ولا فخر" (ترمذی) مامن بنی آدم فمن سواہ یومئذ الا تحت لوائی (ترمذی، ابن ماجہ ص ۱۹، ۲۰)

پر مؤلف نے تصریحات علماء کے عنوان کے تحت شفاء شریف، مطالع المسرات، بہار شریعت، جاء الحق سے، بشریت ورسالت پر کتب اہل سنت وجماعت سے اقتباسات نقل کیے ہیں۔ ان سب کو یہاں نقل کرنا ضروری نہیں البتہ شفاء شریف اور مطالع المسرات کی عبارات کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

فمحمد ﷺ وسائر الانبیاء والرسل من البشر'

'(شفاء شریف قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۶۵)

ترجمہ: حضرت محمد ﷺ اور بقیہ تمام انبیاء اور رسل علیہم السلام بشروں ہی میں سے تھے، (کوئی بھی نوری اور ناری نہ تھا)

یہی قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "فظواھرھم واجسادھم وبنیتھم متصفة باوصاف البشر طاری علیھم ما یطرء علی البشر من الاعراض والاسقام، والموت والفناء ولغوت الانسانیة، وارواحھم وبواطنھم متصفه یا علی من اوصاف الملائکة" پھر فرمایا: وجعلوا من جهة الاجسام والظواهر مع البشر ومن جهة الارواح والبواطن مع الملائكة" (شفاء ج دوم)

ترجمہ: انبیاء کرام اپنی ظاہری شکل وصورت، اجسام، اعضاء کے لحاظ سے بشری اوصاف سے متصف ہوتے ہیں، دیگر انسانوں کی طرح ان پر فناء، موت، بیماریاں، اور دیگر انسانی

صفات اور عوارضات طاری ہوتے ہیں، لیکن ان کی ارواح، اور ان کے باطن یعنی حقیقت ایسی صفات سے متصف ہوتے ہیں جو فرشتوں کی صفات سے ارفع اور اعلیٰ ہوتی ہیں۔ ظاہری شکل وصورت کے لحاظ سے ان کا تعلق انسانوں سے ہے یعنی وہ بشر اور انسان ہیں، روحوں، اور باطن (حقیقت) کے لحاظ سے وہ فرشتوں کے ساتھ ہیں یعنی نوری ہیں۔

روح المعانی اور حاشیہء بیضاوی میں ہے:

"والمناسبة شرط فی قبول الفیض علی ماجرت العادة الالهیة فلا بد من متوسط ذاجهتی التجرد والتعلق لیستفیض من جهة ویفیض باخری"

ترجمہ: فیض لینے اور دینے کے لیے ان کے درمیان مناسبت کا پایا جانا ایک بنیادی شرط ہے۔ اور قانون قدرت بھی یہی ہے لہذا اس قانون کے تحت اللہ تعالیٰ سے فیض بذریعہ وحی لینے، اور مخلوق خدا کو وہی فیض پہنچانے کے لیے ایک ایسے واسطے کی ضرورت تھی جو تجرد یعنی نورانیت کا حامل بھی ہو اور تعلق یعنی صفت بشری سے بھی متصف ہو تا کہ جہت تجرد یعنی صفت نورانیت رکھنے کی وجہ سے فیض حاصل کرے، اور صفت تعلق یعنی بحیثیت بشر انسانوں کو فیض دے۔

اگر مؤلف کی بات کو ہی تسلیم کیا جائے کہ وہ صرف بشری ہی ہیں وہ ارواح اور باطن کے لحاظ سے بھی بشر ہی ہیں تو فرشتہء وحی جو نور محض ہے سے فیض الٰہی کیسے حاصل کر پائے گا۔ اسی لیے صاحب روح المعانی اور قاضی عیاض نے تصریح کر دی کہ انبیائے کرام صرف بشر نہیں ہوتے، ظاہری طور پر بشر ہیں حقیقت اور باطنی لحاظ سے وہ نوری ہیں۔ اور نوری مخلوق جیسے فرشتے اوصاف اور کمالات میں ان سے بھی کہیں ارفع واعلیٰ ہیں۔ بالخصوص نبی کریم ﷺ جس طرح بشری مخلوق میں افضل اور اعلیٰ ہیں اسی طرح نوری مخلوق میں بھی کوئی آپ کا ہم پایہ نہیں، جبریل علیہ السلام کا سدرۃ المنتہیٰ پر رک جانا اور رسول اللہ ﷺ کا دنا فتدلی کی رفعتوں کو سمیٹنا اس کی واضح مثال ہے۔

مطالع المسرات کی عبارت "من قال انه لم یکن بشرا آدمیا فکل ذالک نص العلماء علی کفر قائله و مد علیه" (ص ۱۹)

ہمارے یعنی اہل سنت و جماعت کے مخالف نہیں کیونکہ جو شخص یہ عقیدہ رکھے، یا زبان سے کہتا پھرے کہ رسول اللہ ﷺ بشر یا آدمی نہیں تھے وہ کافر ہے، اس نے نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا انکار کیا اور ان کی مخالفت کی ہے، نصوص قطعیہ کا منکر کافر نہیں تو اور کیا ہے؟

بحمد اللہ اہل سنت و جماعت ایسا عقیدہ رکھتے ہیں نہ کہتے ہیں۔

مؤلف نے لمحہ فکریہ ۔۔۔۔ (ص ۲۰) پر عنوان قائم کر کے یہ نتیجہ نکالا کہ آپ ﷺ انسان اور بشر ہیں (۲) ذوی العقول کے لحاظ سے مخلوق کی دو قسمیں ہیں، (۳) سب سے افضل خاکی اور بشر ہے اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اشرف الکائنات، سرور کائنات، افضل الکائنات بشر ہی کی جنس میں سے ہو سکتے ہیں، اور کسی جنس سے نہیں ہو سکتے۔ (۴) آپ ﷺ کا نسب نامہ صحیح روایات کے مطابق اکیس پشتوں تک انسانوں اور بشروں میں ثابت ہے آگے تحریر کیا کہ آپ ﷺ انسانوں میں سے ایک انسان اور بشر ہیں، پھر لکھا کہ میں تو کہتا ہوں کہ آپ ﷺ نے انسانوں اور بشروں میں سے ہونے پر فخر فرمایا۔

پھر اس پر ایک حدیث بھی پیش کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ان الله اصطفیٰ کنانة من وُلد اسماعیل، واصطفیٰ قُریشاً من بنی کنانة واصطفیٰ من قریش بنی هاشم واصطفانی من بنی هاشم ، رواه مسلم مشکوٰة شریف" (کتابچه ص ۲۲)

اقول: مولف نے لمحہ فکریہ کے مندرجات میں کوئی نئی یا علمی بات تحریر نہیں کی بلکہ یہی تحریر کیا ہے وہ انسان اور بشر تھے۔ بشروں اور انسانوں میں سے ہونے پر آپ ﷺ نے فخر فرمایا ہے، مذکورہ بالا حدیث کا ترجمہ کرنا ضروری محسوس کرتا ہوں تاکہ مولف کا غلط نظریہ اور

فاسد عقیدہ کھل کر سامنے آئے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا۔ اولاد اسماعیل علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے بنی کنانہ کو چنا، اور اولاد کنانہ سے قریش کو چنا، اور اولاد قریش سے بنی ہاشم کو چنا، اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو منتخب فرمایا۔ یعنی اولاد اسماعیل میں بنی کنانہ افضل، اور بنی کنانہ سے قریش افضل، اور قریش سے بنی ہاشم افضل، اور بنو ہاشم میں، میری ذات سب سے افضل ہے" یعنی پوری اولاد اسماعیل جو عرب اور عربی النسل ہیں ان سب سے افضل میں ہوں اولاد اسماعیل کا کوئی فرد مجھ جیسا نہیں، یہ حدیث آپ کی بے مثل بشریت کی دلیل ہے؟ یا اس بات کی دلیل ہے کہ میرے لئے فخر کا باعث یہ خاندان ہیں اس کا نتیجہ تو یہ نکلتا ہے کہ میری فضیلت ان خاندانوں کی وجہ سے ہے۔ کیا افضل مفضول پر فخر کرتا ہے؟

مؤلف نے بھی کتابچہ کے ص ۸، سطر ۱۰، میں لکھا ہے کہ میں ذاتی صفات کیا عتبار سے بھی ان سب سے بہتر ہوں۔ ان ذاتی صفات کی تفصیل ملا علی قاری کے حوالے سے پہلے نقل ہو چکی ہیں۔ یہ خاندان رسول اللہ ﷺ کے لیے ہرگز باعث فخر نہیں بلکہ ان میں ذات رسول ﷺ کی بعثت اور آپ پر قرآن حکیم کا نازل ہونا ان عربوں اور ان خاندانوں کے لیے باعث افتخار ہے جیسا کہ

'لقد من الله علی المؤمنین اذ بعث فیهم رسولاً منهم"

کی تفسیر میں امام رازی کا قول پہلے گزر چکا ہے،

مؤلف کتابچہ کا یہ کہنا کہ آپ ﷺ انسانوں میں سے ایک انسان اور بشر ہیں۔ غلط ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث جو مؤلف نے کتابچہ کے ص ۷، پر نقل کی ہے اس کے آخری الفاظ یہ ہیں:

"فاناخیرهم نفسا وخیرهم بیتا"

ترجمہ: میں اپنی ذات اور صفات کے لحاظ کے علاوہ خاندان اور نسب کے اعتبار سے بھی سب سے افضل اور بہتر ہوں، جب ذات وصفات کے اعتبار سے بھی سب سے افضل اور بہتر ہیں تو بشروں میں بشر یعنی ایک عام انسان کیسے ہوئے؟ آپ کی بشریت اور دیگر انسانوں کی بشریت میں اتنی نسبت بھی نہیں جتنی ذرے اور آفتاب، قطرہ اور سمندر کے درمیان پائی جاتی ہے۔

مؤلف نے لمحہ فکریہ کی تفصیل کے آغاز میں لکھا کہ ذوی العقول مخلوق کی تین قسمیں ہیں۔ نوری، ناری اور خاکی، اور سب سے افضل اور اشرف خاکی اور بشر ہے، لیکن وجہ افضلیت بتانے سے قاصر رہے یہ بھی نہ بتا سکے کہ یہ تین قسم مخلوق مادہ اور ماہیت کے اعتبار سے ہے یا افراد ہونے کی بناء پر، واضح رہے کہ یہ تقسیم مادہ اور ماہیت کے اعتبار سے ہے ذوی العقول ہونے کی بناء پر نہیں جیسا کہ مشکوۃ کے باب بدء الخلق سے ظاہر اور عیاں ہے،

"خلقت الملائكة من نور، وخلق الجان من مارج من نار،
وخلق آدم مما وصف لكم" (رواه مسلم)

اس پر قرینہ لفظی موجود ہے۔نور، نار، تراب مادہ اور ماہیت من حیث ہی ہے۔ ملائکہ، شیطان اور آدم اس کے افراد مخصوصہ ہیں، یعنی افراد شخصیہ ہیں، آدم علیہ السلام ایک علم شخصی ہے، جزی حقیقی ہے اس کا اطلاق صرف ذات آدم پر ہوسکتا ہے۔ حضرت آدم کو اللہ تعالی نے نوری اور ناری مخلوق پر فضیلت بخشی کس وجہ اور کس بناء پر؟ ان کو اللہ تعالی نے علوم وفنون کا منبع بنایا، تاج خلافت سر پر رکھا، اور شان نبوت عطا کی، ان اوصاف اور فضائل کی وجہ سے اعتراف حقیقت، اظہار عظمت اور اقرار شرف کے طور پر آدم علیہ السلام کے سامنے ملائکہ کو سرنگوں کیا، آدم علیہ السلام اپنے مادی وجود کی وجہ سے بھی ملائکہ سے افضل ہیں، علوم وفنون کی برسات کا ہونا تو بعد کی بات ہے۔ جیسا کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے فرمایا:

"وقدتقررعند الاكابرمن الصوفيه ان ضوء الشمس كما يتحملها الارض لكثافتهادون غيرهامن عناصر التراب، اماغيرهامن العناصرفلنوع الكثافة التى فيهافيحمل التجليات الصفاتية دون الذاتية واماالطائف عالم لامرفلانصيب لهاالامن التجليات الظلية، والانسان لماكان مركبامن الطائف العنصرية التى هى اجزاء العالم الكبير ولم يجمع فى شىء من افرادهاالابعضهاكان هواهل للخلافة" (مظهرى جلد اول)

ترجمہ: اکابر صوفیاء کے نزدیک یہ امر مسلمہ ہے کہ سورج کی تپش کو صرف زمین ہی برداشت کرسکتی ہے کائنات کی اور کوئی چیز برداشت نہیں کرسکتی، کیونکہ زمین حد درجہ کثیف ہے، اسی طرح اللہ کی ذاتی تجلی کو مٹی کے عنصر کے علاوہ اور کوئی برداشت نہیں کرسکتا، زمین کے علاوہ باقی جو عناصر ہیں ان میں قدرے کثافت پائی جاتی ہے، اس لیے وہ تجلی صفاتی کے متحمل ہیں تجلی ذاتی کے متحمل نہیں، جہاں تک عالم امر کے لطائف یعنی نوری مخلوق کا تعلق ہے یہ صرف ظلی تجلی کے متحمل ہیں، اور انسان جو ان عناصر اربعہ کا مرکب ہے، اور وہ عناصر عالم کبیر کے اجزائے ترکیبیہ ہیں، اور پھر یہ اجزاء پوری طرح عالم کبیر کے کسی فرد میں نہیں پائے جاتے صرف انسان میں ہی پائے جاتے ہیں اسی لیے انسان (آدم علیہ السلام) کو منصب خلافت عطا کیا گیا۔

یہ ہے وہ وجہ جس کی بناء پر آدم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا:

"انی خالق بشرا من طین" یہی باعث تھا جس کی بدولت آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر عظمت ملی کہ آدم "بشرا من طین" ہونے کے باعث تجلی ذاتی کے متحمل ٹھہرے اور فرشتے تجلی ظلی کے متحمل ہیں۔ تجلی ظلی کے حامل افراد سے تجلی ذاتی کا حامل فرد افضل اور اشرف ہے۔

اور اسی وجہ سے مسجود (ملائکہ) منبع علوم وفنون، اور منصب خلافت کے اہل اور حقدار بھی قرار پائے، رہے باقی انبیائے کرام انہیں منصب نبوت کی وجہ سے فرشتوں پر فضیلت حاصل

ہے۔قاضی ثناءاللہ پانی پتی رقمطراز ہیں:

”وبالنبوۃ تفضلت الانبیاء علی الملائکۃ وبھا لیس خلعۃ الخلافۃ “(مظہری)

ترجمہ: نبوت کی وجہ سے انبیاء کرام کوفرشتوں پر فضیلت بخشی گئی، اور خلعت خلافت سے سرفراز فرمایا گیا۔ مؤلف کا یہ کہنا کہ انبیاء بالخصوص رسول اللہ ﷺ اشرف الکائنات کی جنس میں سے ہونے کی وجہ سے افضل ہیں غلط ہے اور یہ بھی غلط ہے کہ آدم علیہ السلام محض انسان ہونے کی وجہ سے نوری اور ناری مخلوق سے افضل ہیں، افضلیت کی وجوہات وہی ہیں جو بھی ہم اوپر ذکر کرآئے ہیں۔

مؤلف نے لکھا کہ اشرف الکائنات، سرورکائنات افضل الکائنات بشرہی کی جنس سے ہوسکتے ہیں۔ اگر بشرہی کی جنس سے ہوسکتے ہیں اس کے علاوہ آپ کی کوئی حقیقت یا وجود نہیں تو ان احادیث کا کیا جواب ہے؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

”قالوایارسول اللہ متی وجبت لک النبوۃ قال وآدم بین الروح والجسد “(رواہ الترمذی)

”کنت اول النبیین فی الخلق واخرھم فی البعث “

(تاریخ بخاری ، مسندامام احمد، حاکم، ابونعیم بحوالہ مرقات ص ۵۸)

نبی کیلئے بشر، اور مرد ہونا ضروری ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وما ارسلنا من قبلک الا رجالاً۔ الآیہ۔ اسوقت نبوت تھی مگر بشریت نہ تھی، ہم اسی لیے کہتے ہیں کہ ہر وہ شخص جس کے سر میں ذرا دماغ اور دماغ میں ذرہ برابر شعور ہو تو وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ رسول اللہ ﷺ انسانوں میں سے انسان اور بشروں میں سے بشریعنی عام قسم کے انسان اور بشر تھے“ اور وہ افضل اس لئے ہیں کہ اولاد آدم ہیں۔

مولف نے لطیفہ ص ۲۲ کے تحت تحریر کیا کہ اسلام سے قبل مشرکین کا نظریہ اور آج کے عاشق کے نظریہ میں صرف تقدم اور تاخر کا فرق ہے، مشرک بشر کو مقدم اور رسول کو موخر کر کے کہا

کرتے تھے کہ بشر رسول نہیں ہوسکتا ہے اور آج کا نام نہاد عاشق رسول کو مقدم اور بشر کو موخر رکھ کر کہتا ہے کہ رسول بشر نہیں ہوسکتا، دونوں کے قول میں صرف تقدم وتاخر کا فرق ہے، حقیقت اور حاصل دونوں کا ایک کہ بشریت اور رسالت کا تضاد ہے۔

مولف نے تقدم وتاخر کا ہیر پھیر کر کے نام نہاد عاشقوں کو مشرک کہا ہے، یہ کذب بیانی اور الزام تراشی ہے، اہل سُنت وجماعت کا کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ رسول تو ہیں مگر بشر نہیں ہیں، اہل سُنت وجماعت کے علماء کی تصریحات کتابچہ کے ص ۱۹، ۲۰ پر نقل کرنے کے باوجود یہ الزام تراشی کرنا کہ نام نہاد عاشق رسول اللہ ﷺ کو بشر نہیں مانتے غلط اور بے بنیاد ہے، جاہل سے جاہل بھی ایسا عقیدہ اور نظریہ نہیں رکھتا۔ وللہ الحمد

ظل الحبیب

مؤلف نے کتابچہ نے ظل الحبیب کے نام سے عنوان قائم کیا اور اس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بشر تھے نور نہ تھے، اور آپ کا سایہ تھا۔

اس پر یہ آیہ کریمہ: "وللّٰہ یسجد من فی السمٰوت والارض طوعا و کرھا وظللھم بالغدو والاصال" (الرعد: ۱۳ تا ۱۵) نقل کی۔

ترجمہ: زمین اور آسمان میں رہنے والی ہر مخلوق خوشی، ناخوشی اللہ ہی کے روبرو جھکتی ہے۔ نہ صرف وہ بلکہ ان کے سائے بھی صبح و شام اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں۔

اس آیہ کریمہ کی تفسیر بھی امام رازی کی تفسیر کبیر سے نقل فرمائی۔ ہم بھی وہی نقل کرتے ہیں:

"قال المفسرون کل شخس سواء کان مومنا او کافرا فان ظلہ یسجد للہ قال مجاھد ظل المومن یسجد للہ طوعا وھو طائع وظل الکافر یسجد للہ کرھا وھو کارہ"

ترجمہ: مفسرین حضرات نے فرمایا ہے کہ ہر شخص مومن ہو یا کافر اس کا سایہ اللہ کے لیے سجدہ کرتا ہے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے مومن کا سایہ اختیاری سجدہ کرتا ہے اور وہ مومن اس پر خوش ہوتا ہے۔ اور کافر کا سایہ جبری سجدہ کرتا ہے اور وہ کافر اس کو ناپسند کرتا ہے، ------

پھر فائدہ کے تحت تحریر کیا کہ ناظرین خود فیصلہ کریں کہ اس آیت میں جو ہر مخلوق کے سایہ کا ذکر ہے تو آپ ﷺ مخلوق میں داخل ہیں یا نہیں؟ اور مفسر کبیر نے جو مومن اور کافر ہر ایک کے سایہ کا ذکر کیا ہے کیا مومن میں آپ ﷺ داخل نہیں؟

اقول: امام رازی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: "ان الفظ ان کان عاما الا ان المراد بہ الخصوص وھم المومنون من فی السمٰوٰت والارض" میں لفظ "من" اگرچہ عام ہے، مومن اور کافر کو شامل ہے، لیکن اس سے مراد مومنین ہیں۔

"والثانی ان اللفظ عام والمراد منہ ایضا العام وعلی ھذا فی الایۃ اشکال لانہ لیس کل من فی السمٰوٰت والارض یسجد للہ بل الملائکۃ یسجدون للہ والمومنون من الجن والانس یسجدون للہ تعالی واما الکافرون فلا یسجدون"

ترجمہ: دوسرا قول یہ ہے کہ لفظ بھی عام ہو اور معنیٰ بھی عام ہو، لیکن اس سے آیہ کریمہ سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن اور انسان مومنین اور فرشتے اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ لیکن کافر سجدہ نہیں کرتے وہ اس میں شامل نہیں ہوں گے، لیکن امام موصوف آگے خود فرماتے ہیں! کہ "قال المفسرون کل شخص سواء کان مومنا او کافرا الخ"، جس سے انہی کے کلام میں تضاد آگیا۔ اتنے بڑے مفسر کی کلام تضاد پر مبنی نہیں ہوسکتی۔ ماننا پڑے گا کہ امام کے نزدیک راجح یہی ہے کہ من کا معنی مرادی خاص ہے اور وہ مومنین ہیں۔ اور یہ معنیٰ خاص ہے۔ امام رازی نے "کل شخص سواء کان مومنا او کافرا" دیگر مفسرین کی رائے نقل کی اس کے باوجود انہوں نے دو قسم کے اشخاص کو نامزد کیا (مومن اور کافر) مگر کمال کر دکھایا مؤلف کتابچہ نے جنہوں نے "کل شخص" کا ترجمہ ہر مخلوق کیا ہے۔ اور سوال کیا ہے کہ اس آیت میں ہر مخلوق کے سائے کا ذکر ہے تو آپ ﷺ مخلوق میں داخل ہیں یا نہیں؟

جواباً کہا جائیگا کہ مؤلف نے ہر مخلوق کس لفظ کا معنی کیا ہے؟ مفسر کبیر نے تو "کل شخص سواء کان مومنا او کافرا" کے الفاظ لکھے ہیں اور شخص کا معنی صرف انسان ہے ہر مخلوق نہیں ورنہ انسان کے علاوہ جتنی مخلوق ہے لازم آئیگا کہ وہ بھی مومن ہو اور کافر ہو، اور اگر کل شخص کا لفظ ہر مخلوق کا معنی دے اور ہر مخلوق کو شامل ہو تو "ان اللہ علی کل شیء قدیر" میں کل شیء سے مراد کیا ہوگی؟ کیونکہ شیء سے مراد مطلق وجود ہے جیسا کہ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں بحث شیء میں فرمایا ہے اور بطور دلیل یہ آیت "قل ای شیء اکبر شھادۃ قل اللہ شھید بینی وبینکم" سے استدلال بھی کیا ہے کیونکہ شیء بمعنی واجب الوجود اللہ

وحدہ لاشریک پر بھی بولا جاتا ہے تو کیا "ان الله علی کل شیء قدیر" میں "کل شیء" کا معنی عام یعنی مطلق الوجود لینے سے اللہ تعالیٰ اپنی ذات پر بھی قادر ہے؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "و کل انسان الزمنه طاهره فی عنقه" (بنی اسرائیل: ۱۳)

کیا کل انسان میں رسول اللہ ﷺ بھی داخل ہیں؟ باوجودیکہ وہ بھی انسان ہیں۔ کیا قیامت کے دن آپ ﷺ کی بھی وہی حالت اور کیفیت ہوگی جو دوسرے لوگوں کی ہوگی؟ کیا نامہ اعمال آپ ﷺ کے ہاتھوں میں بھی ہوگا جس طرح باقی انسان تھامے ہوئے آئیں گے؟ اگر ایسا ہی ہوا تو بخاری اور مسلم کی اس حدیث کا کیا جواب ہوگا؟ "انا الماحی الذی یمحو الله بی الکفر و انا الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمی"

۳: ارشاد باری تعالیٰ ہے: "یوم ندعوا کل اناس بامامهم" (بنی اسرائیل: ۷۱)

کیا کل اناس بامامهم میں حضور نبی اکرم ﷺ داخل ہیں یا نہیں؟

امام رازی نے فرمایا: فالنبی امام امته والخلیفة امام رعیته، والقرآن امام المسلمین و امام القوم هو الذی یقتدی به فی الصلوة" (کبیر جز ۲۱، ص ۱۷)

ترجمہ: ہر نبی اپنی امت کا امام ہے اور خلیفہ اپنی رعایا کا امام ہے۔ اور قرآن حکیم تمام مسلمانوں کا امام ہے اور قوم کا امام وہ ہے نماز میں جس کی اقتداء کی جاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ایک مرفوع حدیث بھی نقل فرمائی: انه ینادی یوم القیامة یا امة ابراهیم، یا امة موسی، یا امة عیسی، یا امة محمد فیقوم اهل الحق الذین اتبعوا الانبیاء فیأخذون کتبهم بایمانهم" (کبیر جز ۲۱ ص ۱۷)

ترجمہ: قیامت کے دن پکارا جائے گا اے ابراہیم علیہ السلام کی امت، اے موسیٰ کی امت، اے عیسیٰ علیہ السلام کی امت اور اے محمد ﷺ کی امت۔ پس وہ لوگ جو اہل حق ہوں گے جنہوں نے انبیاء کرام کی پیروی کی ہوگی وہ کھڑے ہو جائیں گے اور وہ اپنی اپنی کتب یعنی نامہ اعمال

اپنے داہنے ہاتھوں میں لیں گے۔ اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔

(1) کل انسان الزمنه طاهره فی عنقه" میں رسول اللہ ﷺ داخل نہیں، کیونکہ مفسر کبیر کی تصریح سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کے متبعین کے داہنے ہاتھوں میں نامہ اعمال ہوگا۔

(2) کل انسان کا لفظ گرچہ عام ہے مگر اس کا معنیٰ خاص ہے اور وہ متبعین ہے۔

4: ارشاد باری تعالیٰ ہے: "کل نفس بما کسبت رهینة الا اصحب الیمین" (مدثر، ۳۹)

کل نفس کا لفظ عام ہے کیا رسول اللہ ﷺ اس میں داخل ہیں؟

مندرجہ بالا آیات: کل شیء، کل اناس، کل نفس کے الفاظ عامہ ہیں مگر ان کا معنی خاص ہے اور رسول اللہ ﷺ ان میں داخل اور شامل نہیں ہیں، اسی طرح امام رازی کی نقل فرمودہ عبارت جو کسی اور مفسر کی ہے میں کل شخص اگرچہ عام لفظ ہے مگر اس میں رسول اللہ ﷺ داخل نہیں، اس پر مومنا کان او کافرا کی تخصیص بطور قرینہ لفظی موجود ہے، بالکل اسی طرح جس طرح مثل مشہور مثلاً ہر وقت دن ہو یا رات فرشتے اللہ کی حمد و ثناء بیان کرتے ہیں، میں ہر وقت کا لفظ سال اور مہینوں کو شامل نہیں کیونکہ ہر وقت کے بعد دن اور رات کے تعین سے وہ خارج ہو گئے ہیں۔ اسی طرح جب یہ کہا جائے کہ ہر شی مخلوق ہے تو اس شیء کے لفظ سے عام مراد ماسوی اللہ مخلوق ہوگی باوجودیکہ شیء کا لفظ ذات باری تعالیٰ پر بھی بولا جاتا ہے کیونکہ شیء کا معنی مطلق الوجود ہے مگر اللہ کا وجود واجب اور مخلوق کا وجود ممکن ہے۔ (شرح فقہ اکبر ملا علی قاری ص ۴۲)

خلاصہ یہ ہے کہ "ظللهم" سے مراد مومنین ہیں۔ جیسا کہ امام رازی کے حوالے سے پہلے گزر چکا ہے، اور "ظللهم" میں رسول اللہ ﷺ داخل نہیں، اس پر "سواء کان مومنا او کافرا" کی تخصیص اور تمیز موجود ہے۔

مؤلف کا یہ سوال کرنا کہ کیا مومن میں آپ ﷺ داخل نہیں؟ غلط ہے، اولاً اس لیے کہ آیت کا سیاق و سباق گواہ ہے کہ فرشتوں، مومنین کا سجدہ اختیاری، اور کافر کا سجدہ سائے کے حوالے

سے اضطراری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ذات اور سائے کے سجدہ کا تذکرہ کہیں نہیں کیا جا رہا اور احادیث اور آثار سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہ تھا۔

"قال عثمان ان الله ماوقع ظلک علی الارض لئلا یضع انسان قدمه علی ذالک الظل "(تفسیر مدارک ج ۳ ص ۱۱۳ بحواله مقیاس النور)

ترجمہ: حضرت عثمان نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کا سایہ زمین پر نہیں ڈالا تا کہ اس پر کوئی انسان قدم نہ رکھے۔ علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی نے فرمایا

"وكان اذامشى فى قمراوشمس لايظهر له ظل "(الجواهر البحار، ج ۱ ص ۴۵۲)

ترجمہ: جب آپ سورج یا چاند کی روشنی میں چلتے تو آپ کا سایہ نہ ہوتا۔

زرقانی میں ہے:"لم يكن له ﷺ ظل فى شمس ولا قمر لانه كان نورا كما قال ابن سبع" (زرقانی، ج ۴ ص ۲۲۰)

ترجمہ: سورج اور چاند کی روشنی میں آپ ﷺ کا سایہ نہ ہوتا تھا کیونکہ آپ ﷺ نور تھے۔

ابن سبع نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ امام جلال الدین سیوطی نے فرمایا:

"اخرج الحكيم الترمذى عن ذكوان، ان رسول الله ﷺ لم يكن يرى له ظل فى شمس ولا قمرقال ابن سبع من خصائصه ان ظله كان لايقع على الارض وانه كان نورا وكان اذامشى فى الشمس اوالقمر لاينظر له ظل ،وقال بعضهم ويشهد له قوله ﷺ فى دعائه واجعلنى نورا "(خصائص کبری، ج ۱ ،ص ۶۸)

ترجمہ: بے شک رسول اللہ ﷺ کا سایہ سورج اور چاند کی روشنی میں نہیں دیکھا جاتا تھا، اور ابن سبع نے کہا ہے کہ یہ رسول اللہ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا۔ اور بے شک آپ نور تھے، اور جب سورج اور چاند کی روشنی میں چلتے تو آپ کا سایہ دکھائی نہ دیتا تھا، بعض علماء نے کہا ہے کہ آپ کا فرمان شہادت دیتا ہے آپ ﷺ نے دعا میں یہ کہا ہے

کہ اے اللہ مجھے نور بنا دے، قاضی عیاض نے فرمایا:

"وما ذكر من انه كان لا ظل لشخصه فى شمس ولا قمر لانه كا نورا وان الذباب كان لايقع على جسده ولا ثيابه "(شفاء ج ۱، ص ۲۴۲)

ترجمہ: امام قاضی عیاض نے فرمایا: کہ آپ ﷺ کے دلائل نبوت و رسالت میں سے یہ بات بھی مذکور ہوئی ہے کہ آپ کے جسم انور کا سایہ نہ دھوپ میں تھا نہ چاندنی میں، اس لیے کہ آپ نور تھے، اور مکھی آپ ﷺ کے جسم اور لباس پر نہ بیٹھتی تھی۔ اسکی شرح میں ملا علی قاری فرماتے ہیں: "كان من خصائصه انه كان نورا وكان اذامشى فى الشمس اوالقمر لا يظهر له ظل "(ص ۵۰۵)

ترجمہ: مصطفیٰ ﷺ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ ﷺ نور تھے، اور جب سورج اور چاند کی روشنی میں چلتے تو آپ کا سایہ ظاہر نہ ہوتا۔ علامہ امام احمد بن محمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"لم يكن له ﷺ ظل فى شمس ولا قمر "(زرقانی علی المواهب ج ۴، ص ۲۲۰)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ جب سورج اور چاند کی روشنی میں چلتے تو آپ ﷺ کا سایہ نہ ہوتا۔

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"سایه ایشاں بر زمیں نمے افتد"(تفسیر عزیزی سوره والضحی)

ترجمہ: حضور ﷺ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا۔ شاہ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"ونہ بود مر آنحضرت ﷺ را سایہ نہ در آفتاب نہ در قمر" (مدارج النبوت ۲۶)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ کا سایہ نہ دھوپ میں تھا نہ چاندنی میں۔

ان کے علاوہ دیوبندی مکتب فکر کے جید علماء مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا اشرف علی تھانوی، بلکہ غیر مقلدین کے بڑے عالم حافظ محمد لکھوی بھی حضور ﷺ کا سایہ نہ ہونے کے قائل تھے۔

مولانا عبد الرحمٰن جامی اور مجدد الف ثانی بھی رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہ ہونے کے دعویدار

تھے، غیر مقلدین کے بڑے عالم اور مفسر حافظ محمد لکھوی رسول اللہ کا سایہ نہیں مانتے،

ان کا شعر ملاحظہ ہو: جاں گرمی سخت ہوندی تاں سر پر بدل سایہ کردا
تے اپر زمین نہ ہوندا سایہ حضرت پیغمبر دا

(تفسیر محمدی منزل ہفتم ص ۲۲۹، بحوالہ مقیاس النور ص ۱۲۱)

بحمد اللہ تعالی جلیل القدر مفسرین، محدثین، اور علمائے ربانی کی تصریحات سے یہ واضح اور ثابت ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کے جسم اقدس کا سایہ نہ تھا کیونکہ آپ نور تھے، مؤلف کا ''ظللھم'' اور 'کل شخص سواء کان مومنا' اور 'کافرا' سے آپ کا سایہ ہونے پر استدلال کرنا غلط ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اسماء گرامی توقیفیہ ہیں۔ قیاسی نہیں آپ مومن بہ ہیں اگر آپ کو لفظ مومن کے مدلول میں شمار اور داخل کر کے آپ کو مومن کہا جائے تو تین خرابیاں لازم آتی ہیں:

(۱) آپ خاتم النبیین نہ رہیں گے یہ نص قطعی کے خلاف ہے۔

(۲) دور لازم آئے گا۔

(۳) تسلسل لازم آئے گا یہ بھی باطل ہے،

☆ کما لا یخفی علی من لہ ادنی شغف فی المنطق و المعقول ☆

﴿و الحمد للہ رب العالمین و الصلوۃ و السلام علی رحمۃ للعالمین﴾

سایہ کا نہ ہونا رسول اللہ ﷺ کے خصائص میں سے ہے جس کے لیے وقت اور جگہ کا کوئی تعین نہیں ایسا ممکن نہیں کہ کبھی سورج کی روشنی میں آپ کا سایہ ہوا اور کبھی نہ ہو، اسی طرح حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ پر فرشتوں نے جو ان پر پروں سے سایہ کیے رکھا اس سے مراد ڈھانپنا ہے۔ سایہ کثیف شیء کا ہوتا ہے۔ فرشتے عالم امر سے ہیں لطیف اور ہوائی اجسام کے مالک ہیں لطیف اور ہوائی چیز کا سایہ نہیں ہوتا، ہر مومن کے اعمال کی تدوین اور حفاظت کے لیے کراماً

کاتبین مامور ہیں کیا ان کو کسی نے دیکھا ہے؟ کیا ان کا سایہ ہے؟ اگر ان کا سایہ ہے تو پھر لطیف، ہوائی اجسام کے مالک اور نوری نہیں، نوری ہیں اور یقیناً نوری ہیں تو پھر حضرت عبد اللہ پر اپنے پر بچھانے والے فرشتوں کا سایہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اور اگر ان کا سایہ ہے جو حضرت عبد اللہ پر، اپنے پر بچھائے ہوئے تھے تو لازم آئے گی ترجیح بلا مرجح یہ بھی باطل ہے۔

سایہ کثیف اور نظر آنے والی شیء ہے اگر حقیقتاً سایہ ہوتا تو سب کو نظر آتا مگر کسی صحابی نے نہ دیکھا صرف رسول اللہ ﷺ نے دیکھا ظل کیا ہے؟ ظل مصدر ہے، اس کا اطلاق جوہری چیز کے خیال اور تخیل پر ہوتا ہے، صاحب روح المعانی نے نقل فرمایا:

''قال الغرا مصدر ثم اطلق علی الخیال الذی یظہر للجرم'' (جز ۱۴، ۲۶)

حدیث حضرت زینب رضی اللہ تعالی عنہا میں ہے کہ ''انا بظل رسول اللہ ﷺ مقبلا'' میں ظل سے مراد ذات رسول ﷺ کے خیال اور تخیل کا آنا ہے، اگر واقعی یہ سایہ تھا تو حضرت زینب رضی اللہ تعالی عنہا نے سایہ تو دیکھ لیا مگر رسول اللہ ﷺ کو کیوں نہیں دیکھا؟ سایہ جسم سے الگ تو ہو نہیں سکتا، پھر مقبلا کا لفظ واضح بتا رہا ہے کہ وہ آ رہا تھا اکیلا سایہ کیسے آ رہا تھا سایہ جسم کثیف کا لازم ماہیت ہے دھوپ سورج کو تپش آگ کو لازم ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ دھوپ ہو اور سورج نہ ہو، تپش ہو مگر آگ نہ ہو۔ بقول حضرت زینب اگر سایہ آ رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ آ رہے تھے سایہ جسم سے الگ نہیں ہو سکتا۔ اس سے متصل اور اسی کے تابع حرکت ہوتا ہے، بہر حال حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ آ رہے ہیں۔ (وھو المراد)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بحث نور

مولف نے فائدہ۔۔ص ۲۷ کے ضمنی نمبر ۳ میں لکھا ہے

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرشتہ اور نور نہیں ہیں بلکہ بشر اور انسان ہیں، اس کا جواب ولا اقول لکم انی ملک کے جواب میں امام رازی کی بیان فرمودہ تشریح اور تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ جملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں فرمایا اور اس جملہ میں صفت ملکی کی نفی کا اعلان اللہ تعالیٰ نے کیوں کرایا؟۔ امام رازی نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات، اور فرشتوں کی صفات میں اختلاف تو ہے مگر تفاوت، تبائن اور تضاد نہیں ہم قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ کا قول پہلے نقل کر آئے ہیں کہ انبیاء کرام کا باطن ایسی بلند پایہ صفات سے متصف ہوتا ہے جہاں فرشتوں کی نورانیت کا گزر تک نہیں ہو سکتا

مولف کا آئیہ مقدسہ "ولا اقول لکم انی ملک" سے آپ کے نور نہ ہونے پر استدلال کرنا غلط ہے اس لئے کہ مفسرین نے فرمایا کہ" قد جاکم من اللہ نور و کتاب مبین" میں نور سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ہم دیگر مفسرین کو چھوڑ کر صرف امام رازی کی تفسیر پیش کرتے ہیں، امام نے فرمایا۔ ان المراد بالنور محمد و بالکتاب القرآن ،ترجمہ آئیہ کریمہ میں نور سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور کتاب سے مراد قرآن حکیم ہے، امام رازی نے فرمایا نور اور کتاب مبین کے درمیان واو حرف عطف ہے لیکن یہ عطف تفسیری نہیں کیونکہ نور معطوف علیہ اور کتاب مبین معطوف ہے معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مغائرت کا پایا جانا ایک اصول اور ضابطہ ہے۔

قرآن حکیم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اسلام اور قرآن کو نور فرمایا ہے ان کا نور ہونا

ظاہر ہے امام نے فرمایا" لان النور الظاهر هو الذی یتقوی به البصر علی ادراک الا شیاء الظاهرة والنور الباطن هو الذی تتقوی به البصیرة علی ادراک الحقائق و المعقولات (کبیر ج 11-190)

ترجمہ امام موصوف نے فرمایا نور دو قسم کا ہے

۱: نور ظاہر جو ظاہری اشیاء کے علم، تعارف اور شناخت میں آنکھ کو تقویت دیتا ہے

۲: نور باطن جو اشیاء کے حقائق، خواص اور تعارف میں بصیرت انسانی اور فراست ایمانی کو تقویت دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف ان انوار سے نوازا بلکہ پوری عالم نورانیت کے لئے مرکز منبع اور مبداء بنایا انوار ارضیہ ہوں یا سماویہ یہ سب آپ کے نور مقدس کی کرنیں اور شعاعیں ہیں۔ گویا ہر نوری چیز کا وجود آپ کے ہی نور سے ہے اور ہر نوری مخلوق میں آپ کی ہی چمک دمک ہے۔ یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ فرشتے عالم امر سے ہیں عالم علوی کے مکین عظیم اجسام کے حامل اور بے پناہ قوت کے مالک ہیں مگر یہ سب کچھ فیضان محمدی کا ہی کرشمہ ہے اور ان تمام امور کی تہہ میں نور محمدی ہی کار فرما ہے مولانا اشرف علی تھانوی رقمطراز ہیں کہ عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے روائت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں مجھ کو خبر دیجئے کے سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کونسی چیز پیدا کی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے جابر اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا کیا (نہ بایں معنیٰ کہ نور الہیٰ اس کا مادہ تھا بلکہ اپنے نور کے فیض سے پیدا کیا۔ پھر وہ نور قدرت الہیٰ سے جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا سیر کرتا رہا۔ اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم تھا، نہ بہشت تھی اور نہ دوزخ تھا، نہ فرشتہ تھا نہ آسمان تھا اور نہ زمین تھی نہ سورج تھا اور نہ چاند تھا اور نہ جن تھا اور نہ آسمان تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جب اور مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے کئے، ایک حصہ سے قلم پیدا کیا اور دوسرے حصے سے

لوح اور تیسرے حصے سے عرش اور چوتھے حصے سے فرشتے۔
(نشر الطیب پہلی فصل نور محمدی ﷺ کے بیان میں)
علامہ محمود احمد آلوسی نے فرمایا: "ولذا کان نوره ﷺ اول المخلوقات ففی الخبر اول ما خلق الله تعالىٰ نور نبيك يا جابر" (روح المعانی جلد ۹ جزء ۱۷، ص ۱۰۵)
ترجمہ: کہ ساری مخلوق کو فیض دینے کی خاطر رسول اللہ ﷺ کا نور ساری مخلوق سے پہلے پیدا کیا گیا، حدیث میں ہے کہ اے جابر ساری مخلوق سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کے نور کو پیدا فرمایا۔ آپ کا فرمان ہے کہ "کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد" میرا نور اس وقت بھی وصف نبوّت سے متصف تھا جب آدم علیہ السلام روح اور جسم کی درمیانی حالت میں تھے، اور منازل طے کر رہے تھے۔ اس وقت بشریت تو تھی نہیں نوری مخلوق موجود تھی۔ یعنی فرشتے، حور و غلماں ان کو فیض دینے کیلئے نوری وجود کی ضرورت تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے نوری وجود کو تخلیق کیا اور منصب نبوّت سے سرفراز فرما کر نوری مخلوق کو مستفیض فرمایا۔ امام رازی کے فرمان کے مطابق نور دو قسم ہے نور ظاہر جو اشیاء کو دیکھنے، معلوم کرنے اور شناخت کرنے میں معاون ہوتا ہے۔ لیکن اس نور ظاہر کا سارا عمل اور تاثیر صرف سامنے اور آگے دیکھنے کی حد تک محصور ہے دائیں، بائیں اور پیچھے دیکھنے میں غیر مؤثر ہے ہاں اگر دیکھنے والا سامنے کی بجائے دائیں بائیں یا پیچھے مڑ کر دیکھے تو مؤثر اور کارگر ہو سکتا ہے۔ آیئے دیکھیں نبی کریم ﷺ اس ظاہری نور کے اجالے میں کس قدر دیکھتے تھے؟ کیا ایک وقت میں صرف سامنے اور آگے دیکھتے تھے یا اسی آن اور اسی حالت اور اسی کیفیت میں پیچھے بھی دیکھتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز ظہر پڑھائی آخری صف میں ایک شخص نماز اچھے طریقہ سے نہیں پڑھ رہا تھا جب اس نے سلام پھیرا تو
نبی کریم ﷺ نے فرمایا:"

ناداه رسول الله ﷺ یافلان الا تتقی الله الا تری کیف تصلی انکم ترون انه یخفی علی شیء مما تصنعون والله انی لاری من خلفی کما اری من بین یدی" (رواه احمد، مشکوة باب صفة الصلوة)
ترجمہ: اس کو آواز دی کہ اے فلاں کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ تمہیں معلوم نہیں کہ تم کس طرح نماز پڑھ رہے ہو؟ تم یہ سمجھتے ہو کہ جو کچھ تم کرتے ہو، وہ مجھ پر پوشیدہ ہے، خدا کی قسم بے شک میں البتہ پیچھے کی طرف سے بھی ایسے ہی دیکھتا ہوں جس طرح سامنے سے دیکھتا ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نماز کیلئے اقامت کہی گئی، تو آپ ﷺ نے ہماری طرف التفات فرما کر ارشاد فرمایا: اپنی صفوں کو سیدھا کرو اور کندھے سے کندھا ملاؤ، "فانی اراكم من وراء ظهری، رواه البخاری، وفی المتفق علیه قال اتمو االصفوف فانی اراكم من وراء ظهری" (مشکوة باب تسوية الصف)
ترجمہ: پس بے شک میں اپنی پشت کی طرف سے ایسے ہی دیکھتا ہوں جس طرح سامنے سے دیکھتا ہوں۔ مندرجہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ حالت نماز میں پشت کی طرف سے بھی ایسے ہی دیکھتے تھے، جس طرح سامنے سے دیکھتے تھے۔
ابوداؤد کی حدیث میں "فو الذی نفسی بیده انی لاراكم من خلفی كما اراكم من بین یدی" (مشکوة باب مذکور)
ترجمہ: مجھے قسم ہے اس ذات وحدہ لاشریک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے بے شک میں پشت اور سامنے کی جانب سے یکساں دیکھتا ہوں،
یہ دیکھنا دل کے ساتھ ہو یا آنکھ سے، یا کشف سے، مگر یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ دن کا اجالا ہو یا رات کی تاریکی آپ کی چشم ہائے مبارکہ سے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھنے والا، اور اس کی

ہر ہر حرکت آپ ﷺ کے پیش نظر تھی، ظاہری نور تو انسانی آنکھ کی رویت کی حدنگاہ تک لے جاتا ہے اور صرف ان چیزوں کے ادراک پر قوت عطا کرتا ہے جو زیر نظر ہوں اوجھل، پوشیدہ، اور کثیف اجسام کی دوسری جانب دیکھنے کی صلاحیت دیتا ہے نہ پیدا کرتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کون سا نور ہے جو نبی کریم ﷺ کو اجالے اور تاریکی میں کثیف اجسام کے ظاہر اور باطن کو یکساں دیکھنے کی قدرت عطا کرتا ہے۔ ماننا پڑیگا کہ یہ ظاہری نور کا کرشمہ نہیں کیونکہ حدنگاہ تک اس نور کی حد مقرر ہے بلکہ یہ نور ذات ہے، جس کیلئے حد مقرر ہے نہ فقط سامنے سے دیکھنے کی پابندی، ذات نبوی ﷺ کے نور کی حد رویئت عالم ممکنات سے بھی پار ہے اور کائنات کے ذرے ذرے کو شامل اور محیط ہے۔ حضرت ثوبان روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا

:ان الله ذوى لى الارض ، فرائيت مشارقها ومغاربها الحديث" (رواه مسلم

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے پوری روئے زمین کو میرے قریب کردیا، اور میں نے زمین کے مشارق ومغارب کو دیکھا۔ اس حدیث کی شرح میں ملائی قاری نے فرمایا: قال التور بشتی ذويت الشی جمعته وقبضته يريد به تقريب البعيدمنها وحاصله انه طوى له الارض وجعلهامجموعة كهيئة كف فی مرأة نظره" (مرقات جلد ١١ ص ٥٠)

ترجمہ: تورپشتی نے فرمایا "ذوى ذويت الشیء" سے مأخوذ ہے جس کا معنی جمع کرنا، مٹھی میں لینا، اور اس کا معنی مرادی یہ ہے زمین کے دور دراز حصوں کو میرے قریب کیا اور میں نے پوری روئے زمین کو بچشم سر ملاحظہ فرمایا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پوری روئے زمین کو ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح مجھے دکھایا۔ کیا یہ دیکھنا ایک عام انسان کی طرح دیکھنا تھا، کیا یہ نور ظاہری کا کمال تھا، ہرگز نہیں، کیونکہ زمین کی ہر ہر سمت کو دیکھنا، اور کائنات ارضی کی ہر ہر شیء کو دیکھنا پھر ساتوں زمینوں اور ان میں موجود مخلوقات کو دیکھنا نور ظاہر اور عام انسان اور بشر کے بس میں نہیں، ثابت ہوا کہ تمام زمینوں کی ہر ہر سمت کا دیکھنا اور جملہ کائنات ارضیہ کا ملاحظہ

کرنا اس نور ذات کا ہی خاصہ ہے جو پشت اور سامنے سے، اجالے اور اندھیرے میں یکساں دیکھتی ہے" اس نور ظاہر کا دائرۂ کمال، اور نکتہء اثر حدنگاہ تک محدود ہے۔ مگر ذات نبوی کی نور فشاں نگاہوں اور چشم نور کی قوت رویئت دیکھیئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"قال نعى النبى ﷺ زيد اوجعفرا وابن رواحة للناس قبل ان ياتيهم خيرهم فقال اخذاالرأية زيد فاصيب ثم اخذ جعفرناصيب ثم اخذابن رواحه فاصيب وعيناه تذرفان حتى اخذالرأية سيف من سيوف الله يعنى خالدبن الوليدحتى فتح الله عليهم " (رواه البخاری، مشكوة ٥٣٣)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید، حضرت جعفر، حضرت ابن رواحہ کی شہادت کی خبر، ان کی خبر شہادت کے آنے سے پہلے دی، پھر پورا نقشہ اور جنگ کے مناظر بھی بیان فرمائے، فرمایا اس وقت لشکر صحابہ کا علامتی جھنڈا زید کے ہاتھ میں ہے وہ شہید ہوگئے ہیں۔ اب جھنڈا جعفر کے ہاتھ میں ہے وہ بھی شہید ہوگئے ہیں ان کی شہادت کے بعد اب جھنڈا ابن رواحہ کے ہاتھ میں ہے اس منظر کشی کے وقت آپ ﷺ کی مبارک آنکھوں سے آنسوں بہہ رہے تھے، ابن رواحہ بھی شہید ہوگئے ہیں، ان کے بعد اب جھنڈا سیف من سیوف اللہ خالد بن ولید کے ہاتھ میں ہے، اب اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح سے ہمکنار فرمایا ہے۔ غور کرنے اور سمجھنے کی بات ہے کہ میدان جنگ جو مدینہ منورہ سے بہت دور ہے، مگر رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوکر سارا منظر ملاحظہ فرما کر صحابہ کرام کو تفصیل بتارہے ہیں، یہ نور عادی یعنی نور ظاہر کا اثر اور کمال نہیں بلکہ اس نوری حقیقت کا کمال اور اس نوری جسم کا کمال ہے جس کی رگ رگ میں نور نبوّت جلوہ فرما ہے، جس کے سامنے موتہ سے لیکر مدینہ منورہ تک کی دوری اور بعد مسافت کے باوجود کوئی پہاڑ، یا صحراء حجاب اور پردہ نہ بن سکا، ان نوری نگاہوں اور نور برساتی نظروں کے سامنے طبقات سماوی بھی حجاب نہ بن سکے۔

حضرت عقبہ بن عامر روایت کرتے ہیں مرض وفات کے دنوں میں رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا: "انی بین ایدیکم فرط، وانا علیکم شهید وان موعدکم الحوض وانی لانظر الیه وانا فی مقامی هذا الحدیث" (متفق علیه)

ترجمہ: کہ بے شک میں تمہارے آگے کیلئے سامان نجات ہوں، اور میں تم پر گواہ ہوں، بے شک تمہارا اور میرا وعدہ ملاقات حوض کوثر کا مقام ہے اور بے شک میں البتہ حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں حالانکہ میں مسجد نبوی کے منبر پر جلوہ آراء ہوں۔

واضح رہے کہ زمین سے پہلے آسمان تک کا فاصلہ پانچ سو برس کا اسی طرح پہلے آسمان سے دوسرے آسمان کا فاصلہ پانچ سو سال کا اسی طرح دوسرے سے تیسرے کا، تیسرے سے چوتھے کا، چوتھے سے پانچویں، چھٹے، اور ساتویں کی مسافت بھی پانچ پانچ سو سال کی ہے اور ساتوں آسمانوں سے اتنی ہی دوری پر واقع جنت ہے جس میں یہ حوض کوثر ہے ہزاروں سال کی دوری پر واقع حوض کوثر کو ملاحظہ فرمانا نور عادی یعنی نور ظاہر کا کمال ہے؟ نہیں نہیں ہرگز نہیں اس نور نبوت اور نور ذات کا کمال ہے جس کے سامنے کثیف تر چیز بھی حجاب نہیں بن سکتی۔ بلکہ اس نور ذات اور نور نبوت کی تاثیر یہ ہے کہ وہ جس چیز پر پڑتا ہے نہ صرف اس کو روشن و منور کرتا ہے بلکہ اس کے بعد والی ہر چیز اس سے اکتساب نور کرتی روشن اور ظاہر ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری نے فرمایا:

"والنور هو الظاهر بنفسه المظهر لغیره" (مرقاۃ جلد ۱۱، ص ۴۰)

ترجمہ: نور وہ چیز ہے جو خود ظاہر ہو اور جس پر پڑے اسکو بھی روشن کر دے، یعنی خود روشن اور منور ہو دوسری چیز کو بھی روشن اور منور کر دے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا کہ ایک تاریک اندھیری رات میں قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی تو آپ ﷺ نے ایک شاخ دی اور فرمایا لے

جاؤ یہ تمہیں تمہارے دس گز آگے اور دس گز پیچھے روشنی دے گی، اور جب تم گھر میں داخل ہو گے تو اس کو سیاہ دیکھو گے، تو اس کو مارنا یہاں تک کہ وہ سیاہی نکل جائے کیونکہ وہ شیطان ہے پس پہلے تو اس ٹہنی نے روشنی دی پھر جب گھر میں داخل ہوئے تو اس میں سیاہی پائی تو انہوں نے اس کو مارا یہاں تک وہ سیاہی دور ہو گئی (مسند امام احمد، شفاء شریف)

اسی طرح آپ ﷺ نے قتادہ بن ملحان رضی اللہ عنہ کے چہرے کو مس فرمایا تو ان کا چہرہ چمکنے لگا یہاں تک کہ لوگ ان کے چہرے میں ایسے دیکھتے تھے جیسے آئینہ میں دیکھتے ہیں۔

(شفاء شریف باب المعجزات فصل ۲۲)

کھجور کی شاخ آپ کے دست اقدس سے مس ہوئی وہ مینارۂ نور بن گئی اس کی حقیقت بدل گئی قتادہ بن ملحان رضی اللہ عنہ کے چہرے کو مس کیا وہ نور کا آئینہ بن گیا۔ ایسا کیونکر ممکن ہے؟ وہ صرف اس لئے کہ آپ کی ذات مقدسہ نور ہے جو چیز آپ ﷺ سے مس ہوتی جائے گی وہ نور ہی بنتی جائے گی۔ کیونکہ نور کا خاصہ ہے خود روشن اور دوسری چیز کو روشن کرنے والا۔ حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ:

"مارئیت یوما قط کان احسن ولا اضوء من یوم دخل علینا فیه رسول الله ﷺ"

ترجمہ: اس دن جیسا حسین اور روشن تر دن میں نے اپنی پوری زندگی میں کبھی نہیں دیکھا، جس دن رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے۔ مزید فرمایا:

"وفی روایة الترمذی لما کان الیوم الذی دخل فیه رسول الله المدینة اضاء منها کل شی الحدیث" (ترمذی، مشکوٰۃ ص ۵۴۷)

ترجمہ: حضرت انس کی رویت جو ترمذی میں ہے اس کے الفاظ یوں ہیں۔ کہ جب وہ دن آیا جس دن رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے اس دن مدینہ کی ہر شیء روشن ہو گئی، یعنی مدینہ کے مکانات، بازار، اشجار و احجار، محلے، گاؤں، گلی کوچے، بلکہ مدینہ طیبہ کا ہر ذرہ چمک

اٹھا، روشن اور منوّر ہو گیا۔ یعنی آپ کا نور ظاہری ہر ذرے پر پڑا اور ہر ذرہ آپ ﷺ کے نور پاک سے جگمگانے لگا۔ یہ نور حسی تھا۔ آپ کے جسم پاک سے نکلنے والا نور تھا۔ جس نے مدینہ منورہ کی تمام اشیائے ظاہرہ اور اشیائے باطنہ کو نور بخشا، اور مدینہ کی جملہ کائنات کو نور میں نہلا دیا اور اہل مدینہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے: "طلع البدر علینا من ثنیة الوداع"
یعنی آپ ﷺ کا مدینہ کی سرزمین پر قدم رکھنا گویا ایک منبع نور کا داخلہ تھا جو نور برساتا ہوا آیا، وہ ایک نوری چاند کا طلوع ہوتا تھا جس کی ضیاء بار کرنوں سے مدینہ کی ہر گلی بلکہ ہر کلی خوشبوئے رسالت سے چمک اور نور رخ مصطفیٰ سے دمک اٹھی اسی کی تائید اور توثیق حضرت عباس بن عبد المطلب کے مشہور قصیدہ سے بھی ہوتی ہے۔ جو آپ نے غزوۂ تبوک سے واپسی کے موقعہ پر آپ کے سامنے پڑھا۔ جس کے دو اشعار نقل کیے جاتے ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "وانت لما ولدت اشرقت الارض وضائت بنورک الافق فنحن فی ذالک الضیاء وفی النور، سبل الرشاد ترق" (البدایہ والنہایہ جز ۲، ص ۲۴۱)
ترجمہ: اے اللہ کے رسول جب آپ پیدا ہوئے پوری روئے زمین چمک اٹھی اور آپ کے نور سے آسمان کے افق جگمگا اٹھے، ہم روشنی اور نور کے اجالے میں رشد و ہدایت کی منازل طے کرتے ہیں، حضرت عرباض بن ساریہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"و رویا امی التی رأت حین وضعتنی وقد خرج لها نور اضاءت لها منه قصور الشام رواه فی شرح السنة ورواه احمد مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین)
ترجمہ: میں اپنی ماں کا وہ خواب ہوں، میری ماں نے میری ولادت کے وقت دیکھا کہ ایک ایسا نور نکلا جس نے میری والدہ کے لئے شام کے محلات روشن کر دیئے۔ حجرۂ آمنہ رضی اللہ عنہا چاروں طرف سے بند تھا، مگر اس کے باوجود انہوں نے اپنے حجرۂ مبارکہ میں تشریف رکھتے

ہوئے ملک شام جیسے دور ملک کے محلات دیکھ لئے، جس سے ثابت ہوا کہ یہ نور ذات مصطفیٰ ﷺ سے پھوٹنے والا نور تھا جس نے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی آنکھوں کے سامنے سے تمام حجابات اٹھا دیئے۔ اور یہ نور حسی تھا۔ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا:
"وقد جاءت الاخبار انها کانت فی الیقظة، فینبغی ان یحمل الرنو یا علی الرؤیة بالعین (لمعات)
شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا۔ اس مضمون میں دوسری احادیث بھی وارد ہوئی ہیں کہ یہ واقعہ، یہ دیکھنا عالم بیداری کا ہے، یعنی حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے یہ نور حالت بیداری میں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے یہ نور وجود مصطفیٰ ﷺ کا نور تھا: ان تمام مندرجات کا خلاصہ یہ ہے:۔
۱۔ اللہ نے فرمایا میرا رسول نور ہے۔ جیسا کہ فرمایا:
"قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین"
۲۔ رسول اللہ ﷺ نے خود فرمایا۔ میں نور ہوں۔ حدیث جابر پہلے گزر چکی ہے۔
۳۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے فرمایا خرج منی نور، میرا بیٹا نور ہے۔ اس نے مجھے شام کے محلات دکھائے،
۴۔ آپ ﷺ کے چچا فرماتے ہیں آپ نور ہیں۔ (قصیدہ حضرت عباس)
۵۔ اہل مدینہ نے کہا کہ آپ ﷺ نور ہیں۔ (اضاء منها کل شی، الحدیث)
۶۔ امام رازی، دیگر مفسرین، ابن جریر، بیضاوی، جلالین، معالم التنزیل، خازن، صاوی نے کہا رسول اللہ ﷺ نور ہیں۔
۷۔ جمہور محدثین نے بھی آپ ﷺ کو نور کہا، آپ کیوں نور نہ ہوئے؟ اور کیوں نور نہیں جبکہ آپ نے خود اپنی ذات مقدسہ اور جسم مبارک کے نوری ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے۔ جو دعائے نور کے نام سے مشہور ہے ملاحظہ ہو وہ دعائے نور۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ ایک رات میں اپنی خالہ میمونہ کے گھر گیا، رسول اللہ ﷺ تھوڑی دیر اہل خانہ کے ساتھ گفتگو فرمانے کے بعد سو گئے، جب رات کا آخری تیسرا حصہ ہوا تو یا اس کا کچھ حصہ ہوا ہوگا آپ اُٹھے اور نگاہ مبارک آسمان کی طرف اٹھائی پھر آپ نے آئیہ کریمہ " ان فی خلق السمٰوٰت والارض واختلاف الیل والنھار لاٰیات لاولی الالباب" ساری سورۃ ختم فرمائی، پھر آپ نے مشکیزہ کے پاس جا کر اس کا منہ کھولا اپنی آنکھوں پر پانی ڈالا اور پھر وضوء کیا لیکن بہت ہی عمدہ، پھر کھڑے ہو کر نماز شروع فرمائی، میں بھی اُٹھا وضو کیا اور آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا، محبت سے میرا کان پکڑا اور کھینچ کر اپنے دائیں پہلو کھڑا کیا، آپ نے تیرہ رکعت نماز مکمل فرمائی، پھر لیٹ گئے، اور سو گئے، اور آپ کے سانس کی آواز آنے لگی، آپ کی عادت مبارکہ تھی جب آپ سوتے تو خراٹوں کی آواز آیا کرتی تھی۔ حضرت بلال نے نماز کیلئے اذان دی، پھر آپ نے وضوء کئے بغیر نماز پڑھی اور آپ یہ دُعا کرنے لگے،

"اللھم اجعل فی قلبی نورًا و فی بصری نورا و فی سمعی نورا وعن یمینی نورا وعن یساری نورا و فوقی نورا وتحتی نورا واما می نورا و خلفی نورا واجعل لی نوراوزاد بعضھم وفی لسانی نورا وذکر،وعصبی ولحمی ودمی وشعری و یشری،متفق علیہ،وفی روایۃ لھماواجعل فی نفسی نورا واعظم لی نورا وفی اخری لمسلم اللھم اعطنی نورا:(مشکواۃ باب صلوۃ اللیل).

ترجمہ:. اے اللہ میرے دل میں نور کردے، میری آنکھوں میں نور کردے، میرے کانوں میں نُور کردے، میرے دائیں نُور کردے، میرے بائیں نُور کردے، میرے اوپر نُور کر دے، اور میرے نیچے نُور کردے میرے آگے نُور کردے، اور میرے پیچھے نُور کر دے، اور میرے لئے نُور بنادے، بعض راویوں نے ان الفاظ کی ایزادگی کی ہے:۔ میری زبان میں نُور

کردے، میرے اعصاب میں نُور کر دے، میرے گوشت، میرے خون، اور میرے بالوں، میری صورت ظاہری میں نُور کردے، (بخاری، مسلم) صحیحین کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں، میری جان یعنی ذات میں نور کردے، اے اللہ میرے لئے نُور کی زیادتی فرما۔ مسلم شریف کی ایک دوسری روائیت کے الفاظ یہ بھی ہیں۔ اے اللہ مجھے نُور عطا فرما:۔ اس دُعا کے ملاحظہ کرنے سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے جسم مقدس کے ہر ہر عضو کیلئے نُور کی التجاء اور دُعا کی ہے۔ ہر ہر سمت اور ہر ہر جہت کیلئے نُور کی درخواست کی ہے:

"واجعل فی نفسی نورا واعظم لی نُورا واعطنی نورا" کے دُعائیہ کلمات تو بالکل واضح ہیں کہ اے اللہ میری ذات کو نُور بنادے، اور میری نورانیت میں اضافہ اور زیادتی فرما: آپ ﷺ کی اس دعا کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔ اور آپ ﷺ کے ہر ہر عضو کو نور اور آپ ﷺ کی ذات مقدسہ کو نور الانوار بنایا۔۔ مسجد نبوی کے منبر سے حوض کوثر کو دیکھنا، موتہ کی جنگ کا لمحہ بہ لمحہ نقشہ پیش فرمانا۔ قتادہ بن نعمان کی شاخ کا نور اگلنا، قتادہ بن ملحان کے چہرے کا آئینہ نور بننا، حضرت بلال مکہ میں چل رہے تھے ان کے چلنے کی آواز آپ نے جنت میں سنی (مشکوۃ)، حضرت اسید بن حضر، اور عباد بن بشر کی لاٹھیوں اور سوٹیوں سے نور کا نکلنا اور راستہ دکھانا، اندھیرا دور کرنا اسی دعائے نور کے اثرات اور ثمرات ہیں، مافوق الفطرت چیزوں کا دیکھنا، اور مافوق الفطرت آوازوں کا سننا اسی دعائے نور کا کرشمہ ہے۔ حضرت ابی ذر سے مروی ہے: کہ آپ ﷺ نے فرمایا!"انی اری مالاترون واسمع مالاتسمعون" (مشکوۃ باب البکاء والخوف ،۴۵۷)

میں وہ کچھ سنتا ہوں جو تم نہیں سن سکتے، اور وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے۔ یہ تمام شواہد اس بات کا ثبوت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نور بنایا۔ اور تمام اعضائے مبارکہ کو نوری بنایا، جبریل کی نورانیت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے مگر آخری منزل اور آخری آماجگاہ سدرۃ

المنتہی ہے، مگر دعائے نور کے مانگنے والے لامکان میں "دنی فتدلی ،فکان قاب قوسین او ادنـــی" کی حالت میں اس نور سے ملاقی ہوئے جو سب نوروں کا خالق و مالک ہے، اب فیصلہ ناظرین کے ہاتھ میں ہے کہ جو کچھ بیان ہوا یہ درست ہے یا مؤلف کا صرف یہ لکھ دنا کہ "آپ ﷺ فرشتہ اور نور نہیں بلکہ بشر ار انسان ہیں" (ص ۲۷)

مؤلف کے فہم و ادراک پر تعجب ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کی نورانیت کو فرشتہ ہونے پر موقوف اور معلق رکھا ہے، نور اور بشر کو ایک دوسرے کی ضد، اور ان کے درمیان تغائر اور تضاد کی نسبت قائم کی ہے، ہم مؤلف کی معلومات میں اضافہ، اور ظاہر حق کے لئے یہ تحریر کرتے ہیں کہ، نور اور لانور، بشر اور لا بشر، حجر اور لا حجر میں تضاد ہے، تضاد اور مغائرت اس وقت ہوگی جب ایک کا اطلاق اور حمل دوسرے پر نہ ہو سکے، مثلاً روشنی اور اندھیرا، دن اور رات، زمین اور آسمان، عالم اور جاہل، ذرہ اور خورشید، قطرہ اور سمندر، انسان اور چار پائے، انسان اور پتھر، پستی اور بلندی، نابینا اور بینا وغیرہ یہ باہم متضاد ہیں، ان کے درمیان مغائرت پائی جاتی ہے، انسان اور فرشتے کے درمیان اختلاف ماہیت اور مادہ کے باوجود کوئی مغائرت نہیں، اس لئے فرشتہ زمین پر جب بھی آیا شکل انسانی میں آیا، اگر انسانیت اور ملکیت میں تضاد ہوتا تو ان کا یک جا اجتماع نہ ہوتا قرآن حکیم میں متعدد بار فرشتوں کا شکل انسانی میں آنا موجود ہے، ہاروت اور ماروت فرشتے تھے مگر شکل انسانی میں رہے اور انسانوں جیسے کام بھی کئے دیکھئے تفسیر ابن کثیر، سورۂ مریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "وارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشرا سویا" جبریل آمین روح یعنی نوری فرشتہ بھی ہیں اور عین اسی وقت بشر اسویا بھی ہیں، سورۂ ھود میں ہے کہ: جب فرشتے خوشخبری لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس صورتِ انسانی میں آئے ان کو مہمان سمجھ کے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے گائے کے بھونے ہوئے گوشت سے ان کی تواضع کرنا چاہی تو انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا اور بتایا کہ ہم فرشتے ہیں (پورا واقعہ

سور ذاریات میں ہے) فرعونیوں کو غرق کرنے کے لئے جبریل علیہ السلام صورت انسانی میں ایک گھوڑی پر سوار ہو کر آئے جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اکثر دحیہ کلبی کی صورت میں آتے تھے علامہ محمود الوسی نے نقل فرمایا:

"ان جبریل علیہ السلام فی وقت ظھورہ فی صورۃ دحیۃ الکلبی بین یدی المصطفی ﷺ لم یغارق سدرۃ المنتھی" (روح المعانی جلد اوّل، ص ۲۱۹)

ترجمہ: بے شک جبریل علیہ السلام دحیہ کلبی کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو پھر بھی سدرۃ المنتھی پر موجود ہوتے۔

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ: میں نے غزوہ احد کے دن رسول اللہ ﷺ کے دائیں بائیں دو مرد دیکھے "علیھما ثیاب بیض یقاتلان کاشد القتال ما رائیتھما قبل ولا بعد یعنی جبریل و میکائیل" (متفق علیہ)

ترجمہ: جو سفید کپڑوں میں ملبوس تھے اور بہت ہی سخت قتال کر رہے تھے انہیں اس دن سے پہلے اور اس دن کے بعد کبھی نہیں دیکھا وہ جبریل اور میکائیل تھے۔

غزوۂ خندق کے موقعہ پر حضرت جبریل علیہ السلام ہتھیار پہن کر آئے اور اپنے سر کو میدان جنگ کے گرد و غبار سے صاف کر رہے تھے جبکہ حضور ﷺ اوزار جنگ اتار چکے تھے۔ جبریل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی آئیں نبی قریظہ کی طرف چلیں، آپ حضور ﷺ جبریل علیہ السلام کے ہمراہ نبی قریظہ کے پاس تشریف لے گئے، بخاری کی روایت ہے:

"قال انس کانی انظر الی الغبار ساطعافی سقاق نبی غنم مرکب جبریل علیہ السلام حین سار رسول اللہ ﷺ الی نبی قریظہ" (مشکوۃ ص، ۵۳۲)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کی معیت میں بنی قریظہ کے لشکریوں کا تعاقب کیا اور انہوں نے بھاگنا شروع کیا تو مجھے ان کے

قدموں سے اڑنے والی غبار اس وقت بھی نظر آرہی ہے۔ یہ واقعہ بخاری ومسلم میں موجود ہے۔

مندرجہ بالا آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے ثابت ہوا کہ فرشتے نوری ہونیکے باوجود صورت بشری میں ہی آتے رہے؟ فرشتوں کا صورت بشری میں آنا اور انسانی افعال کرنا یہ ثابت کرتا ہے کہ بشریت اور نوارنیت کا یکجا اجتماع ممکن اور امور واقعیہ سے ہے۔ بشریت اور نورانیت کو ایک دوسرے کے مقابل لانا، اور باہم اجتماع کو محال جاننا قرآن وحدیث سے لاعلمی کی دلیل ہے، مثلاً دن اور رات باہم مغائر اور مناقض ہیں کیا کسی آن اور کسی مقام پر ان کا اجتماع ممکن ہے؟ ذرہ خورشید کی مثال لے لیجئے، ذرہ ذرہ ہے خورشید نہیں، قطرہ قطرہ ہے سمندر نہیں، سیاہی سیاہی ہے سفیدی نہیں۔ علی ہذا القیاس۔

مؤلف کا یہ کہنا کہ، آپ چونکہ فرشتہ نہیں اس لئے نور نہیں، بلکہ آپ بشر اور انسان ہیں، غلط اور فرشتہ نہ ہونے سے نور ہونے کا انکار کرنا ایک باطل استدلال ہے۔ اسی طرح مؤلف کا یہ کہنا کہ میں اللہ تعالیٰ کے تمام خزانوں کا مالک اور خود مختار نہیں، بھی غلط ہے،

کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے: "وانی قد اعطیت نفاتیح خزائن الارض" (متفق علیه)

ترجمہ: آپ نے فرمایا! بے شک مجھے روئے زمین بلکہ تمام زمینوں کے پیٹ میں جو خزانے مدفون ہیں ان کی چابیاں دی گئی ہیں۔ مفاتیح جمع منتہی الجموع ہے، یہ خزائن کی طرف مضاف ہے، خزائن خود منتہی الجموع ہے اور الارض کی طرف مضاف ہے۔ مفاتیح کی اضافت نے معنی جمعیت سلب کر لئے اور جنسیت کا معنی پیدا کیا، جس سے مفتاح کے عدد کا تعین جاتا رہا اسی طرح خزائن جب الارض کی طرف مضاف ہوا تو بوجہ اضافت اس سے جمعیت کا معنی سلب ہوگیا اور جنس کا معنی تحقق ہوا۔ عدد کا تعین ممکن نہ رہا، پھر جمع کے دو صیغے، بالمقابل آگئے، جنہوں نے تقسیم احاد بطرف احاد کا فائدہ دیا، ان قواعد نحویہ کو سامنے رکھنے کے بعد حدیث کا مفہوم یہ ہوا کہ زمین میں جس قدر، جس نوع اور جس جنس کے خزانے ہیں ان میں سے ہر ہر خزانہ کی

چابی مجھے دی گئی ہے یعنی مجھے ان کا مالک بنادیا گیا ہے، اور جو خزانے عالم بالا میں ہیں مثلاً جنت، حور وغلماں، حوض کوثر، قیامت کے دن لوائے حمد، یعنی حمد کا خزانہ، اذن شفاعت مقام محمود، مقام وسیلہ، وغیرہ اللہ تعالیٰ نے سب کا مجھے مالک بنادیا ہے مختار کل کی بحث میں امام ابن حجر، ابن داؤد، اور ملا علی قاری کے فرمودات ہم نقل کر آئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: انا اعطینک الکوثر، اس کی تفسیر میں امام رازی نے فرمایا:

"ان المراد من الکوثر جمیع نعم الله علی محمد علیه السلام هو المنقول عن ابن عباس قال له بعضهم ان ناسا یزعمون انه نهر فی الجنة، فقال سعید النهر الذی من الخیر الکوثیر الذی اعطاء الله ایاه" (کبیر ۳۲، ص ۱۲۸)

ترجمہ: کوثر سے مراد وہ تمام انعامات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے آپ کو عطا فرمائے ہیں یہ قول حضرت عبد اللہ ابن عباس کا ہے۔ ایک شخص نے آپ سے پوچھا اے ابن عباس لوگ کہتے ہیں کوثر اس نہر کا نام ہے جو جنت میں ہے تو حضرت سعید نے جواب دیا کہ جو خیرات کثیرہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہیں، نہر کوثر ان خیرات کثیرہ میں سے ایک ہے، امام رازی کی اس تفسیر اور حضرت سعید بن جبیر کے قول سے معلوم ہوا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے آپ کو بے انتہا انعامات سے نوازا ہے جن کا تعلق عالم سفلی اور عالم علوی سے ہے، اور ان انعامات سے ایک انعام حوض کوثر، اور نہر کوثر بھی ہے، اندریں حالات مؤلف کا یہ کہنا کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے خزانوں کے مالک نہیں غلط ہے، حضرت ربیعہ بن کو جنت عطا فرمائی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو خزانہ، حفظ جو عالم غیب میں تھا عطا فرمایا۔ کسی چیز کے دینے اور دوسرے کو مالک بنانے سے پہلے خود اس کا مالک ہونا ضروری ہے۔

بسم الله الرحمن الرحیم

مسئلہ علم غیب

مؤلف نے کتابچہ کے ص ۲۶، پر تحریر کیا ہے کہ قرآن کریم کی متعدد آیات اس پر صراحۃً دال ہیں کہ آپ ﷺ کو کلی غیب نہ ذاتی طور پر دیا گیا ہے اور نہ عطائی طور پر، اور اس مختصر رسالہ میں قرآن مجید کی آیات میں سے صرف ایک آیت اور اس کی مستند تفسیر پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ جو سمجھ دار مصنف مزاج کی راہنمائی کے لئے کافی ہے اور وہ آیت یہ ہے: ’’قل لا اقول لکم عندی خزائن الله ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملک ‘‘

(انعام ، ۵۰، ۶۰)

ترجمہ: اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ میں تمام غیبوں کو جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں فائدہ کے تحت لکھا کہ:۔

۱۔آپ ﷺ مختار کل نہیں

۲۔کلی علم غیب آپ کو نہیں دیا گیا

۳۔آپ ﷺ فرشتہ اور نور نہیں، بلکہ بشر اور انسان ہیں،

اس کے بعد اس آیت کا شان نزول ذکر کیا، کہ مشرکین نے آپ ﷺ سے کہا تھا کہ اگر آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو آپ ہمیں آئندہ کے حالات کی خبر دیں، تو اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ مؤلف نے تفسیر کبیر ص ۲۳۰ جلد ۱۲، سے عربی عبارت بھی نقل کی ہے

اقول: مؤلف نے آیہ کریمہ کا صرف ترجمہ کیا اور من پسند نتیجہ اخذ کیا سیاق دیکھا نہ سباق

’’امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ:

’’اعلم ان هذا من بقیة الکلام علی قوله (لولا انزل علیه آیة من ربه)فقال الله تعالی قل لهؤلاء الا قوام انما بعثت مبشرا ومنذرا ولیس لی ان اتحکم علی الله تعالی ،وامره الله تعالی ان ینفی عن نفسه امررا ثلاثة اولها قوله لا اقول لکم عند ی خزائن الله ،فاعلم ان القوم کانوا یقولون ان کنت رسولا من عندالله فاطلب من الله حتی یوسع علینا منافع الدنیا وخیراتها ویفتح علینا ابواب سعادتها فقال تعالی قل لهم انی لا اقول لکم عندی خزائن الله فهو تعالیٰ یؤتی الملک من یشاء ویعز من یشاء ویذل من یشاء بیده الخیر لا بیدی ،وثانیها قوله (ولا اعلم الغیب)ومعنا ه ان القوم کانوا یقولون ان کنت رسولا من عندالله فلا یدوان تخبرنا عما یقع فی المستقبل من المصالح والمضار ، حتی نستعد لتحصیل تلک المصالح ولدفع تلک المضار،فقال تعالیٰ قل انی لا اعلم الغیب فکیف تطلبون منی هذه المطالب ﴾

آگے امام ان دونوں امور کا خلاصہ بیان فرماتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ:

والحاصل انهم کانوا فی المقام الاول یطلبون منه الاموال الکثیرة والخیرات الواسعة وفی المقام الثانی کانوا یطلبون منه الاخبار عن الغیوب لیتوسلوا بمعرفة تلک الغیوب الی الفوز بالمنافع والاجتناب عن المضار والمفاسد وثالثها قوله (ولا اقول لکم انی ملک)ومعناه ان القوم کانوا یقولون (مالهذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق و یتزوج ویخالط الناس فقال تعالیٰ قل لهم انی لست من الملائکة ‘‘ (کبیر ج ۱۲ ص ۲۳۰)

ترجمہ: تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ ’’قل لا اقول لکم عندی خزائن الله الایة ‘‘ آیہ کریمہ ’’لولا انزل علیه آیة من ربهٖ کا بقیہ حصہ یعنی تتمہ کلام ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے

رسول ﷺ سے فرمایا: کہ ان مشرکین سے یہ کہہ دیں کہ بے شک میں جنت کی خوشخبری سنانے والا اور دوزخ سے ڈرانے والا ہوں۔ یعنی میں رسول ہوں، میری مجال ہی نہیں کہ کہ میں اللہ تعالیٰ پر حکم چلاؤں، اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم فرمایا! کہ آپ اپنی ذات سے مندرجہ ذیل ان تین امور کی نفی کا اعلان کر دیں۔ پہلا امر یہ کہ میرے پاس اللہ کے خزانے نہیں، یعنی میں اللہ تعالیٰ کے خزانوں کا مالک نہیں، یہ اس لئے فرمایا کہ مشرکین کہتے تھے کہ اگر تو واقعی اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا رسول ہے تو اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے دنیا کی ہر قسم کی بھلائی اور بہتری مانگ، اللہ تعالیٰ ہم پر سعادتوں کے دروازے کھول دے، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ حکم دیا کہ آپ ان مشرکین سے کہہ دیں کہ (میں مبشر اور نذیر ہوں) میں اللہ تعالیٰ کے خزانوں کا مالک نہیں ہوں، اللہ تعالیٰ مالک اور مختار ہے وہ اپنی مرضی سے جس کو چاہے بادشاہت عطا فرماتا ہے، اور جس کو چاہے ذلت دیتا ہے، اچھائی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ میرے ہاتھ میں نہیں، اور دوسرا امر (و لا اعلم الغیب) یہ اس لیے فرمایا کہ اگر تو اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا رسول ہے تو مستقبل میں آنے والے فوائد اور نقصانات سے بچنے کے لئے تیاری کریں کوئی لائحہ عمل مرتب کریں، اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ حکم دیا کہ آپ کہہ دیں کہ میں غیب نہیں جانتا، تم مجھ سے یہ مطالبات کیوں کرتے ہو؟ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مشرکین رسول اللہ ﷺ سے اموال کثیرہ ”یعنی بے شمار دنیاوی مال و اسباب“ اور وسیع البیا و اچھائیوں کا مطالبہ کرتے تھے تو اس کے جواب میں فرمایا میں اللہ کے خزانوں کا مالک نہیں ہوں۔

اور دوسرے مقام ”لا اعلم الغیب“ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ:۔ مشرکین آپ ﷺ سے مطالبہ کرتے کہ اگر آپ واقعی اللہ کے فرستادہ رسول ہیں تو آئندہ آنے والے فوائد اور نقصانات ہمیں بتائیے تا کہ ان غیوبات کے توسل سے فوائد حاصل کریں اور نقصانات سے بچیں۔

اور تیسرا امر، یعنی و لا اقول لکم انی ملک، اس لئے فرمایا کہ مشرکین کہتے تھے کہ یہ کیسا

رسول ہے جو کھاتا پیتا، بازاروں میں خرید و فروخت کرتا، لوگوں سے میل جول رکھتا، اور شادیاں کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ، بلکہ کہہ دیں کہ میں فرشتہ نہیں کہ کھاؤں نہ پیوں، لوگوں سے میل ملاپ رکھوں نہ بیاہ شادی کروں، یہ امور فرشتہ کے لئے ممنوع ہیں، اور میں فرشتوں میں سے نہیں ہوں تا کہ ان کا کرنا میرے لئے ممنوع ہو۔ مندرجہ بالا امام موصوف کی تفسیر اور بیان فرمودہ وجوہات سے معلوم ہوا کہ کفار اور مشرکین کا یہ نظریہ تھا کہ رسول فرشتہ ہی ہو سکتا ہے جو نہ کھائے پیئے، میل ملاپ رکھے نہ کاروبار حیات کرے، شادی بیاہ بھی نہ کرے، تو اس کا رد فرمایا رسول فرشتہ نہیں ہوتا انسان ہوتا ہے، اخبار مستقبلہ کا مطالبہ کیا گیا فرمایا میں غیوب نہیں جانتا کہ تمہیں آنے والے خطرات اور نقصانات کی تفصیل بتاؤں اور ان سے بچنے کی تدابیر سے بھی آگاہ فرماؤں، ذاتی طور پر امور غیبیہ اللہ ہی جانتا ہے، تم مجھ سے بے پناہ مال و دولت کا مطالبہ کرتے، اور مال و متاع کی فراوانی چاہتے ہو، یہ اللہ ہی کے دست قدرت میں ہے، وہ جس کو چاہے ملک و دولت اور عزت سے نوازتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے ذلت اور خواری سے ہمکنار فرماتا ہے۔ یہی وہ نچوڑ ہے جو امام موصوف نے مندرجہ بالا عبارات میں تحریر فرمایا ہے، آیات قرآنیہ کی تفسیر ان الفاظ سے کرنا کہ آپ ﷺ مختار کل نہیں فرشتہ اور نور نہیں بشر ہیں، اللہ کے خزانوں کے مالک و مختار نہیں، تمام غیبوں کو نہیں جانتے،، غلط ہے اور امام موصوف کی تفسیر کے برعکس اور متناقض ہے۔ امام موصوف فرماتے ہیں:۔

”واعلم ان الناس اختلفوا فی انه ما الفائدة فی ذکر نفی هذه الا مور الثلاثة“

ترجمہ:۔ معلوم ہونا چاہیے کہ مفسرین نے اس بات میں باہم اختلاف کیا ہے کہ ان امور ثلثہ کی نفی کا کیا فائدہ اور کیا مقصد ہے؟ فرماتے ہیں:۔

(القول الاول) ان المراد منه ان یظهر الرسول من نفسه التواضع لله، الخضوع له والاعتراف بعبودیته حتی لا یعتقد فیه مثل اعتقاد النصاری فی

المسیح علیہ السلام ﴾

ترجمہ: پہلا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ امور ثلثہ کہلوا کر رسول اللہ ﷺ سے عاجزی، انکساری، تواضع اور عبدیت کا اظہار کروایا ہے تا کہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا نہ سمجھ لیں، یعنی تینوں امور کی نفی کا مقصد، تواضع، عاجزی، اور عبدیت کا اظہار اور اعتراف ہے۔

﴿القول الثانی: ان القوم کانوا یقرحون منه اظهار المعجزات القاهرة القویه، کقولهم لن نؤمن لک حتی تفجرلنا من الارض ینبوعا الی آخر الایة فقال تعالی فی اخر الایه(قل سبحان ربی هل کنت الا بشرا رسولا ؟لاادعی الاالرسالة والنبوة واما هذه الامور التی طلبتموهافلا یمکن تحصیلهاالابقدرة الله، وکان المقصورة من هذا الکلام اظهار العجز، والضعف وانه لایستقل بتحصیل هذه المعجزات التی طلبوها﴾

ترجمہ:۔ مشرکین رسول اللہ ﷺ سے ایسے معجزات طلب کرتے تھے جن کا ظہور وصدور بہت بڑی قوت اور طاقت کا مرہون منت تھا، مثلاً ان کا یہ مطالبہ کہ ہم آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ زمین سے پانی کا چشمہ نہ جاری کر دیں، اور دیگر مطالبات جن کا اسی آیت میں ذکر موجود ہے، اسی آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قل سبحان ربی هل کنت الا بشرا رسولا ﴾

یعنی میرا دعویٰ صرف اتنا ہے کہ میں اللہ کا نبی اور رسول ہوں یہ امور یعنی یہ بڑے بڑے کام اللہ کی قدرت سے ہی ان کا حصول اور صدور ممکن ہے، گویا رسول اللہ ﷺ نے یہ کلام، (تین امور کی نفی) عاجزی، انکساری، کے طور پر فرمائی ہے۔ کیونکہ یہ بڑے بڑے معجزات جو مشرکین نے طلب کیے تھے ان کے اظہار میں آپ مستقل بالذات نہ تھے،

والقول الثالث: ان المرادمن قوله لا اقول لکم عندی خزائن الله معناه انی لا ادعی کونی موصونا بالقدرة الائقة بالله تعالی وبمجموع هذین الکلامین جعل انه لایدعی الاالوهیة ﴾

ترجمہ: ان امور ثلثہ کی نفی میں مفسرین کا تیسرا قول یہ ہے کہ لا اقول لکم عندی خزائن اللہ سے مراد یہ ہے کہ میں اس قدرت کے رکھنے کا دعویدار نہیں جو اللہ تعالیٰ کی شایان شان ہے۔ اور نہ ہی میرا یہ دعویٰ ہے کہ میں اس علم سے موصوف (مالک ہوں) ہوں جو علم خاصہ باری تعالیٰ ہے، ہر دو کلام کے مجموعے کا ماحصل یہ ہے کہ میں الوہیت یعنی اللہ ہونے کا مدعی نہیں۔

امام فرماتے ہیں: ثم قال "ولا اقول لکم انی ملک" وذالک لانه لیس بعدالالهیة درجة اعلی حالامن الملئکة ولکنی ادعی الرسالة، وهذامنصب لا یمتنع حصوله للبشر، فکیف اطبقتم علی استنکارقولی ودفع دعوی

(کبیر جلد ۲ ص ۲۳۱)

ترجمہ: پھر آپ نے فرمایا میں نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں اور یہ اس لئے فرمایا کہ الوہیت یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے بعد فرشتوں کا درجہ بلند ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ میں الہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں نہ فرشتہ ہونے کا، میرا دعویٰ رسالت ہے اور یہ ایک ایسا منصب ہے جس کا حصول بشر کے لیے ممنوع نہیں، تو پھر تم اے مشرکین اس بشریت کو میرے دعویٰ رسالت اور اعلان توحید پر منطبق کرتے ہوئے انکار کیوں کرتے ہو؟

یہی امام رازی اسی آیت کے تحت نقل فرماتے ہیں:

"ولقائل ان یقول یتحمل ان یکون المرادولااقول لکم انی ملک وفی کثرة العلوم وشدة القدرة، والذین یدل علی صحة هذاالاحتمال وجوه،الاول هو ان

الکفار طالبوہ بالامور العظیمۃ نحو صعود السماء ونقل الجبال واحضار الاموال العظیمۃ وھذہ الامور لایمکن تحصیلھا الابالعلوم الکثیرہ والقدرۃ الشدیدۃ ﴾

ترجمہ: کہنے والا یوں بھی کہہ سکتا ہے کہ "ولا اقول لکم انی ملک" سے مراد یہ ہے کہ میں فرشتے کی طرح کثرت علوم کا جامع اور اس جیسی قوت شدیدہ کا مالک نہیں ہوں۔ درج ذیل وجوہات کی روشنی میں یہ احتمال صحیح ہے۔

(الاول) کفار آپ ﷺ سے بڑے بڑے امور کا مطالبہ کرتے تھے، جیسے آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور وہاں سے کتاب لائیں ہم خود اس کو پڑھیں، مکہ کے پہاڑوں کو یہیں اور منتقل کردیں، بڑے بڑے خزانے لا حاضر کریں یہ وہ کام تھے۔ علوم کثیرہ، اور قدرت شدیدہ کے بغیر جن کا حصول اور وقوع ناممکن تھا۔ اس لیے آپ نے فرمایا: میں یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتے کی طرح علوم کثیرہ اور قوت شدیدہ کا مالک ہوں۔

(الثانی) ان قولہ ولا اعلم الغیب یدل علی اعترافہ بانہ
غیر عالم بکل المعلومات ﴾

ترجمہ: "ولا اعلم الغیب" آپ کا فرمان دلالت کرتا ہے کہ یہ جملہ کہہ کر آپ نے یہ اعتراف کیا ہے کہ میں تمام معلومات کا عالم نہیں ہوں۔ "قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ، ھذا یدل علی اعترافہ بانہ غیر قادر علی کل المقدورات، اور 'قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ" یہ کلام دلالت کرتا ہے کہ آپ نے یہ اعتراف کیا ہے کہ میں تمام مقدروات پر قادر نہیں ہوں۔

ترجمہ: یعنی میں ہر ہر معلوم کا عالم نہیں ہوں۔ یہ اللہ ہی کی شان ہے۔ موجود بھی معلوم اور اللہ کے نزدیک معدوم بھی معلوم وجود وعدم اللہ کے نزدیک علم میں یکساں ہیں۔ اسی طرح اللہ ہر ہر چیز پر قادر ہے۔ موجود ہو یا معدوم "ولا اقول لکم انی ملک" کے تحت امام نے

فرمایا: "کما لا ادعی قدرۃ مثل قدرۃ الملک ولا علما مثل علومھم"

ترجمہ: جس طرح میں یہ دعوی نہیں کرتا کہ میں تمام مقدورات پر قادر ہوں، اور تمام معلومات کا علم رکھتا ہوں، اسی طرح میں یہ دعوی بھی نہیں کرتا کہ مجھ میں فرشتہ ہونے کی نفی اور اعتراف بشریت نہیں فرمایا بلکہ فرمایا میں فرشتہ اور حسی قوت شدیدہ اور فرشتوں جیسے علوم کثیرہ نہیں رکھتا۔ مؤلف کا یہ ثابت کرنا کہ میں بشر ہوں فرشتہ نہیں، غلط ہے اسی طرح آپ نے فرمایا میں کل المعلومات اور کل مقدورات کا عالم نہیں، کیونکہ یہ خاصہ باری تعالی ہے میں خدا ہونے کا مدعی نہیں، کہ تم مجھ سے یہ مطالبات کرو، امام موصوف آگے فرماتے ہیں کہ آپ کا مقصد ولا اقول لکم انی " سے یہ نہیں کہ میری اور فرشتوں کی صفات میں کوئی قدرے مشترک نہیں اور وہ الگ الگ ہیں۔ "ولا دلالہ فیہ علی وقوع التفاوت فی کل الصفات فان عدم الاستواء فی الکل غیر وحصول الاختلاف فی الکل غیر" (کبیر جز ۲، ص ۲۲۳)

مفسر کبیر کی توضیح صاف بتا رہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صفات علیا، اور فرشتوں کی صفات میں من کل الوجوہ تفاوت تضاد نہیں ہے، کیونکہ تمام صفات میں مساوات کا نہ پایا جانا اور ہے اور تمام صفات میں اختلاف کا پایا جانا اور ہے، بہر حال مذکورہ بالا بحث اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صفات مبارکہ اور فرشتوں کی صفات میں اختلاف ہے تضاد نہیں، اگر آپ کی جمیع صفات صفات ملائکہ کے متضاد ہوتیں تو یہ کہنا درست ہوتا کہ میں فرشتہ نہیں، نوری نہیں، بلکہ بشر ہوں" اسی طرح ولا اعلم الغیب سے یہ ثابت کرنا کہ میں تمام غیبوں کو نہیں جانتا غلط ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی کی جمیع معلومات یعنی علوم کو نہیں جانتا، مفسر کبیر نے کل المقدورات، اور کل المعلومات کے الفاظ تحریر کیے ہیں، مقدورات، اور معلومات جمع مؤنث سالم ہیں ان پر الف ولام داخل ہیں قاعدہ کے مطابق جمع پر الف لام داخل ہو کر اس کی جمعیت کے معنی کو ساقط کر کے جنس کا مفہوم پیدا کرتے ہیں، معنی جنسی پیدا ہونے پر بعض وکل کا

سوال جاتا رہتا ہے۔ ہر جنس معلوم اور ہر جنس مقدور کو جاننا خاصہ باری تعالیٰ ہے اس لیے بامر رب تعالیٰ آپ نے ان دونوں کی اپنی ذات سے نفی فرما دی۔ اور واضح فرمایا کہ میں الہ ہونے کا دعویٰ تو نہیں کرتا کہ تمہارے ان مطالبات کو پورا کروں اور تمہارے ان سوالات کا جواب دوں؟ اسی طرح اس آیہ کریمہ سے یہ ثابت کرنا کہ آپ مختار کل نہیں غلط ہے، آیت کا شان نزول وہی اور آیت کا مدلول وہی مصداق وہی ہے جو مفسر کبیر نے بیان کیا اور ہمیں اس کے نقل کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ آیہ مقدسہ "قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ و لا اعلم الغیب ، و لا اقول لکم انی ملک" تین امور پر مشتمل ہے، اللہ تعالیٰ نے ان امور کی نفی کا حکم دے کر ارشاد فرمایا۔ اے نبی آپ بطور عاجزی، انکساری، اور ضعف قوت کا اعلان کر دیں اور یہ بتا دیں کہ میں خدا نہیں اس کا بھیجا ہوں رسول ہوں۔ تا کہ لوگ آپ کو بھی عیسائیوں کی طرح خدا کا بیٹا ہونا تصور نہ کر لیں۔

آیئے دیکھیں کہ غیب کیا ہے؟ کیا نبی کریم ﷺ غیب جانتے ہیں یا نہیں؟

غیب مصدر ہے اس کے لغوی معنی پوشیدہ اور چھپنے کے ہیں، علامہ بیضاوی نے غیب کا اصطلاحی معنی نقل کرتے ہوئے فرمایا: "الخفی الذی لا یدرکہ الحس و لا یقتضیہ بداھۃ العقل"

ترجمہ: غیب وہ امر خفی (پوشیدہ) ہے حواس خمسہ جس کا ادراک نہ کر سکیں، اور عقلی پرواز کو بھی اس تک رسائی نہ ہو۔ امام رازی نے فرمایا:

"فان قیل افتقولون العبد یعلم الغیب ام لا، قلنا قد بینا ان الغیب فینقسم الی ما علیہ دلیل والی ما لا دلیل علیہ اما الذی لا دلیل علیہ فھو سبحانہ و تعالیٰ العالم بہ لا غیرہ و اما الذی علیہ دلیل فلا یمتنع ان تقول تعلم من الغیب ما لنا علیہ دلیل" (کبیر جز ۲، ص ۲۸)۔

ترجمہ: اگر یہ سوال کیا جائے کہ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ بندہ بھی غیب جانتا ہے یا نہیں؟ تو ہم کہیں

گے ہم بیان کر چکے ہیں کہ غیب دو قسم ہے، (۱) جس پر کوئی دلیل قائم ہو (۲) جس پر کوئی دلیل قائم نہ ہو۔ جس غیب پر کوئی دلیل قائم نہیں یعنی جس غیب پر کوئی دلیل شرعی قائم نہیں اللہ سبحانہ ہی اس کا عالم ہے ۔ امام رازی کے فرمان کے مطابق غیب کی دو قسمیں ہوئیں۔ جس پر دلیل سمعی، شرعی قائم ہو جیسے اللہ کی ذات، صفات، فرشتے جنت، دوزخ، حساب کتاب، قیامت، ثواب و عقاب وغیرہ کا علم غیب ہے ہر کلمہ گو مسلمان جانتا اور ان پر ایمان رکھتا ہے، سوال یہ ہے کہ یہ امور، اشیاء غائبہ ہیں، یہ بعض غیب کے زمرہ میں آتے ہیں یا کل کے؟ ابتداء آفرینش سے لے کر قیام قیامت تک کے امور ممکنہ اور اشیاء کا علم اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو دیا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وعلم آدم الاسماء کلھا"

امام رازی نے اس کی تفسیر کرتے فرمایا: ان المراد اسماء کل ماخلق اللہ من اجناس المحدثات من جمیع اللغات المختلفۃ التی یتکلم بھا ولد آدم الیوم"

ترجمہ: اس سے مراد تمام مخلوقات کی ہر ہر جنس کے نام اور مختلف قسم کی لغات ہیں، اولاد آدم آج تک جن جن زبانوں میں کلام کرتی ہے، امام موصوف نے اسماء کل ماخلق اللہ من اجناس المحدثات من جمیع اللغات المختلیفۃ" کے خصوصی الفاظ تحریر فرما کر مسئلہ ہی حل کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کل مخلوقات کے کل اسماء اور کل لغات کا علم حضرت آدم علیہ السلام کو دیا۔ کیا یہ علم کلی نہیں؟ بلکہ فرشتے بھی علم کلی، یعنی علم ما کان و ما یکون جانتے ہیں، امام رازی نے فرمایا: "لما کتب القلم فی اللوح ما ھو کائن الی یوم القیامۃ فلعلھم طالعوا اللوح فعرفوا ذالک" (کبیر جز ۲، ۱۷۰)

ترجمہ: جب قلم نے لوح محفوظ میں قیامت تک ہونے والے تمام حالات، واقعات اور امور لکھے اور فرشتوں نے لوح محفوظ کا مطالعہ کیا تو کہا کہ یہ انسان تو پیدا ہو رہا ہے مگر اس کی اولاد زمین کو فتنہ و فساد، خون ریزی اور دیگر اخلاقی برائیوں سے بھر دے گی۔ معلوم ہوا کہ

"ماکان ومایکون "لوح محفوظ میں درج ہے، ملائکہ نے اس کو پڑھا اور پھر معترض ہوئے ۔مؤلف کا یہ کہنا کہ کلی علم غیب آپ کو نہیں دیا گیا، غلط ہے، اگر کل المخلوقات، کل المحدثات کا علم حضرت آدم علیہ السلام کو دیا گیا ہے اور علم "ماکان ومایکون" کا علم فرشتوں کو حاصل ہے۔

جیسا کہ امام رازی نے نقل فرمایا ہے:"انه تعالیٰ انما کتب هذه الامور فی اللوح المحفوظ لتقف الملائکة علی نفاذ علم الله تعالیٰ فی المعلومات "

ترجمہ: قیامت تک ہونے والے تمام امور، لوح محفوظ میں اللہ تعالیٰ نے لکھ دیئے ہیں تاکہ لوح محفوظ پر مأمور فرشتوں کو علم ہو کہ اللہ تعالیٰ کا علم معلومات پر محیط ہے۔(کبیر جز ۱۳۰، ۱۱)

تو نبی کریم ﷺ کو علم کلی بمعنی جمیع المغیبات، اور جمیع الکائنات کیوں نہیں دیا گیا؟ اور یہ کیوں ممنوع اور شرک ہے؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:۔"قام فینا رسول الله ﷺ مقاما فاخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اهل الجنة منازلهم واهل النار مناذ لهم حفظ ذالک من حفظه ونسیه من نسیه"(رواه البخاری، مشکوٰة، باب بدء الخلق)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ہم میں ایک جگہ قیام فرمایا: ہمیں ابتداء پیدائش خلق کی خبر دی یہاں تک کہ جنتی لوگ اپنی منزلوں میں پہنچ گئے اور جہنمی اپنی منزلوں میں، جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا، جو بھول گیا وہ بھول گیا۔

یہ خبر دو قسم کی تھی:(۱) ابتدائے افرینش کی (۲) دخول جنت تک کے حالات وواقعات کی، پہلی خبر ماکان اور دوسری خبر مایکون کی ہے۔ یہ دو قسم کی خبر مستلزم ہے علم ماکان ومایکون کو پس رسول اللہ ﷺ کو ماکان ومایکون کا علم تھا اسی لیے خبر دی اگر نہ ہوتا تو آپ کیسے خبر دیتے یہی علم کلی ہے۔ دوسری حدیث:"عن عمرو بن اخطب الانصاری قال صلی بنا رسول الله ﷺ یوما الفجر وصعد علی المنبر فخطبنا حتی حضرت الظهر

فنزل فصلی ثم صعد المنبر فخطبنا حتی حضرت العصر ثم نزل فصلی بهم ثم صعد المنبر حتی غربت الشمس فاخبرنا بما هو کائن الی یوم القیامة، قال فاعلمنا احفظنا "(رواه مسلم، مشکوٰة، باب المعجزات)

ترجمہ: حضرت عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فجر کی نماز پڑھائی، پھر منبر پر تشریف فرما ہو کر ہم سے خطاب فرمایا، اور یہ خطاب نماز ظہر تک جاری رہا، پھر آپ نے ہمیں نماز ظہر پڑھائی، پھر منبر پر جلوہ فرما ہوئے پھر خطاب فرمایا، یہاں تک کہ نماز عصر کا وقت آ گیا آپ نے نماز عصر پڑھائی پھر آپ رونق افزائے منبر ہوئے خطاب فرمایا، جو غروب آفتاب تک جاری رہا، پس آپ نے ہمیں قیامت تک ہونے والے حالات واقعات کی خبر دی راوی نے کہا ہم میں سب سے بڑا عالم وہ ہے جس نے زیادہ محفوظ کرلیا۔

حضرت عبد الرحمٰن بن عائش سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے رب عزوجل کو اسکی شان کے مطابق بہت ہی اچھی صورت میں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا !بتاؤ آسمانی فرشتے کس بات مین مباحثہ کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا اے اللہ! تو سب سے زیادہ اور بہتر جانتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا جسکی ٹھنڈک (یعنی فیض ربانی) میں نے اپنے سینے میں محسوس کی، فعلمت مافی السموت والارض الحدیث، (ترمذی، دارمی، مشکوٰة) پھر مجھے زمین وآسمان کی ہر چیز کا علم ہوگیا۔ اس پر امام ابن حجرؒ نے فرمایا۔

ای جمیع الکائنات التی فی السموت بل وما فوقها کما یستفاد من قصة المراج ای جمیع ما فی الارضین السبع بل وما تحتها کما افاده اخباره علیه السلام عن الثور والحوت الذین علیهم الارضون کلها.(مرقاة، جلد ۲، ۲۱۰)

ترجمہ: فعلمت ما فی السموات والارض کی تفسیر میں امام ابن حجر رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کو ساری کائنات جو آسمانوں میں ہے بلکہ اُن سے بھی جو اُوپر ہے اس کا علم ہو گیا جیسا کہ واقعہ معراج سے مستفاد ہے، اور آپ کو ساتوں زمینوں بلکہ اُن سے بھی جو نیچے مخلوق ہے مثلاً بیل اور مچھلی جن پر ساتوں زمینوں کا قیام ہے ان کا بھی علم ہو گیا، کیا یہ علم کُلی نہیں؟ خود قرآن نے اپنی شان میں فرمایا تبیانا لکل شی، کل شی سے کیا مراد ہے؟ کلی یا جزی یا دونوں میں سے ایک بھی نہیں؟ لفظ کُلی کو مولف برداشت نہیں کر سکے، واضح ہو کہ لفظ کُلی اور جُزی امور اعتباریہ ہیں، منطق اور معقول والوں کی خود تراشیدہ اصطلاحات اور عنوانات ہیں ان کے نزدیک کلی کی پانچ قسمیں ہیں۔ نوع، فصل، خاصہ، عرض عام، اور جنس، اور ان میں سے کوئی ایک بھی بدوں وجود افراد خارج میں موجود ہوتی ہے اور نہ پایا جانا ممکن ہے، لیکن علم باری تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کی صفت ذاتی ہے۔ باری تعالیٰ کی صفات ذاتیہ سات ہیں: (۱) علم (۲) قدرت (۳) سمع (۴) بصر (۵) ارادہ (۶) حیات (۷) کلام، یہ صفات سبعہ اللہ تعالیٰ کی ازلیہ، ابدیہ، اور سرمدیہ ہیں۔

یہ صفات مخلوقات کی خلقت اور ایجاد کے وقت پیدا نہیں ہوتیں بلکہ ان کا اظہار ہوتا ہے، لیکن کلی اور جزی کا تعلق مخلوقات، اور عوارضات کی موجودگی سے ہے اگر کلی کا کوئی بھی فرد خارج میں موجود نہ ہو، نہ پایا جائے تو کلی کا وجود متحقق نہ ہوگا، خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم جزی کلی کے تصور اور اعتبارات سے پاک ہے کلی ایک متناہی محدود ہے، مخلوقات کا علم حادث اور متناہی ہے، عطائی ہے، اللہ کی عطا پر موقوف ہے، وہ جس کو چاہے دے، اور جتنا چاہے اتنا ہی دے، رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بے حساب علوم غیبیہ عطا فرمائے لیکن وہ سب متناہی اور عطائی ہیں، چنانچہ ملا علی فرماتے ہیں:

"اخبارہ علیہ السلام بمغیبات لا تحصیٰ"

رسول اللہ ﷺ نے لاتعداد امور غیبیہ کی خبریں دی ہیں، جب آپ کی اونٹنی گم ہوئی تو منافقین نے طعن کیا کہ محمد آسمان کی خبریں دیتے ہیں لیکن وہ نہیں بتا سکتے اس کی اونٹنی کہاں ہے؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا! میں وہی جانتا ہوں جو اللہ مجھے بتاتا ہے میرے رب نے مجھے بتا دیا ہے کہ "وھی فی موضع کذا و کذا حبسھا شجرۃ بحظامھا، فذھبوا فوجدوھا کما اخبر ﷺ" (مرقات جلد ۲، ص ۲۷۰)

ترجمہ: میری اونٹنی فلاں مقام پر ہے اس کی نکیل ایک درخت کے ساتھ اٹکی ہوئی ہے۔ صحابہ گئے، اونٹنی کو اس طرح پایا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی۔

اسرافیل علیہ السلام کا علم کلی ہے، امام رازی نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک مقام پر رسول اللہ ﷺ جبریل علیہ السلام کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ آسمان کا ایک اُفق کھلا کہ ایک فرشتہ نکلا جو زمین پر اترا اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے، فرماتا ہے آپ کو یہ اختیار دیتا ہے کہ آپ بادشاہ بننا پسند کرتے ہیں یا نبیء عبد؟ جبریل کی مشاورت سے آپ نے تواضع کے طور پر فرمایا کہ میں نبیء عبد بننا پسند کرتا ہوں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کون سا فرشتہ ہے تو جبریل نے عرض کیا یہ اسرافیل ہیں۔ وقت پیدائش سے لے کر اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہیں اور آنکھ تک نہ جھپکی اور نہ ہی آنکھ اٹھا کر اوپر دیکھا ہے:

"بین الرب وبینہ سبعون نورا ما منھا نور یدنو منہ الا احترق وبین یدیہ اللوح المحفوظ فاذا اذن اللہ لہ فی شیء من السماء او من الارض ارتفع ذالک اللوح بقرب جبینہ فینظر فیہ فان کان من عملی امرنی بہ وان کان من عمل میکائیل امر بہ وان کان من عمل ملک الموت امر بہ الحدیث"

(کبیر جز ۲، ص ۱۶۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اور اس کے درمیان نور کے ستر (۷۰) پردے حائل ہیں اور اگر آگے بڑھے تو جل جائے جب اللہ تعالیٰ اس کو کسی آسمان یا ارضی امر کے متعلق حکم فرماتا ہے اپنے سامنے رکھی ہوئی لوح محفوظ کو اپنی پیشانی کے قریب کر کے دیکھتا ہے اور اگر وہ امر میرے متعلق ہو تو اس کا مجھے حکم دیتا ہے۔ اور اگر وہ کام میکائیل کا ہو تو اس کو حکم دیتا ہے۔ اور اگر ملک الموت سے تعلق رکھتا ہو تو اس کو حکم دیتا ہے۔ لوح محفوظ میں ما کان و ما یکون کے علوم ہیں۔ اور وہ لوح محفوظ ہر لحہ اسرافیل کے زیر نظر ہے۔ لوح محفوظ میں علوم کائنات اور احوال موجودات اور اوصاف حادثات ہیں۔ یہ متناہی علوم اور معلومات کا سلسلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم محدود، معدود، اس کائنات کے وجود تک محصور نہیں بلکہ علوم باری تعالیٰ کی کوئی انتہا نہیں، علوم باری تعالیٰ کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کو نہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

"ولا یحیطون بشیء من علمه"، عالم الغیب والشھادة"

خلاصہ یہ ہے کہ علم کا کلی ہونا اور اللہ کے لیے ثابت کرنا شان خداوندی کے خلاف ہے۔ یہ مخلوق کی صفت ہے۔ مخلوق کا علم ممکنات، موجودات کا علم ہے ذات باری تعالیٰ کا علم اس سے وراء الوریٰ ہے۔ مخلوق کا علم اللہ تعالیٰ کی عطاء اور رضا ہے اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی، ازلی، ابدی، اور سرمدی ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ کے ضمن میں ذکر کر چکے ہیں۔ اگر بقول مؤلف یہ کہا جائے کہ کلی علم غیب آپ کو نہیں دیا گیا تو جن احادیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے ابتدائے آفرینش سے لے کر لوگوں کے جنت اور دوزخ کی منازل تک پہنچنے کی تفصیل بیان فرمائی ہے ان کا کیا جواب ہوگا؟ پھر اللہ کے فرمان "تفصیل الکتب لاریب فیه"، یعنی لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا ہے یہ اس کی تفصیل ہے، اور پھر یہ تفصیل اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو سکھائی اور بتائی۔ "الرحمن ☆ علم القرآن ☆ خلق الانسان ☆ علمه البیان ☆ ان آیات کا معنی کیا ہوگا؟ "تبیانا لکل شیء" کی کس طرح تاویل کی جائے گی؟ امام

رازی کے اس قول "ان المراد کل ماخلق الله من اجناس المحدثات من جمیع اللغاتالمختلفة" (کبیر جز ۲، ص ۱۷۶)

ترجمہ: علم آدم الاسماء کلھا کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کل مخلوق کی ہر ہر جنس کا نام جو مختلف زبانوں میں لیا جائیگا وہ بھی آدم کو سکھایا' کی تردید کون کرے گا؟ وعلمک مالم تکن تعلم " کے مقابل کون سی آیت ہے؟ جو دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی اور رسول تو بنایا، ابتدائے خلق سے لے کر دخول جنت تک کی رسائی مخلوق کی سیادت اور قیامت کا تاج تو سر پر رکھا مگر کسی چیز کا علم دیا اور نہ تعارف کرایا کم از کم کوئی حدیث تو ہونی چاہیے۔

مولف اگر نبی کی تعریف اور لغوی معنی جان لیتے، یا پڑھ لیتے تو کم از کم رسول اللہ ﷺ سے کلی جزی کا چکر چلا کر علم غیب کی نفی نہ کرتے، "نبی نباء سے ماخوذ ہے بناء کا معنی یہ ہوگا کہ جن چیزوں پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مطلع فرمایا ہے آپ ﷺ ان کی خبر دینے والے ہیں، اور نبوت کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو اپنے غیوب، پر مطلع فرمایا۔ اور ان کو بتا دیا اور آپ ﷺ اس کے نبی ہیں (شفاء شریف قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ)

مزید نبوت کیا ہے؟ خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام پا کر غیب کی بات بتانا، پیشگوئی کرنا، النبی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کی بناء پر غیب کی باتیں بتانے والا، خدا کے متعلق خبریں دینے والا۔ (المنجد)

مندرجہ بالا ان لغوی تحقیقات سے ثابت ہوا کہ نبی وہی ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے غیوب پر مطلع فرمائے اور وہ غیب کی خبریں بتائے، نبی ماننا اور ان کے لیے علم غیب تسلیم نہ کرنا انکار نبوت کو مستلزم ہے، شفاء شریف اور المنجد کی توضیح اس بات پر دال ہے کہ غیوب کا علم رکھنا اور غیب کی خبریں دینا نبوت کے لیے اجزائے ماہیت ہیں جس طرح ماہیت انسان کے لیے حیوان ناطق اجزائے حقیقیہ ہیں، جس طرح وجود انسان کے لیے حیوان ناطق کا ہونا ضروری

ہے ان دونوں جزؤں کے بغیر وجود انسان کا تحقق ناممکن ہے یا مثلاً مکان ہے اس کے اجزائے ترکیبیہ، لکڑی، اینٹ، گارا یا سمنٹ وغیرہ ہیں اور ان کے بغیر مکان کا کوئی وجود نہیں، اسی طرح نبی وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے غیوب پر مطلع فرماتا ہے اور وہ لوگوں کو غیب کی خبریں بتاتا ہے۔ اگر نبی سے علوم غیبیہ جاننے کی نفی کردی جائے تو پھر باقی انسان ہی رہ جائے گا، صرف انسان بدوں علم غیب اور اخبار غیب نبی ہی نہیں ہوسکتا، "فتفکر و تدبر" اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو کس قدر علوم غیبیہ عطا فرمائے یہ اللہ ہی جانتا ہے کیونکہ الہام وحی کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر علوم غیبیہ کی برسات فرمائی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "فاوحی الی عبدہ ما اوحی" اور آپ ﷺ نے کس قدر علوم غیبیہ کی خبریں دیں اعداد و شمار سے بالاتر ہے، جیسا کہ ملا علی قاری نے فرمایا:

"واخبارہ علیہ السلام بمغیبات لاتحصی" (مرقات جلد ۲ ص ۲۷۰)

خوف طوالت دامن گیر ہے ورنہ بحمد اللہ و بفضل اللہ اس موضوع پر مبسوط کتاب لکھی جاسکتی ہے

"آپ ﷺ مختار کل نہیں۔ فائدہ ضمن (۱) ص ۲۷)"

اقول مؤلف کتابچہ کا یہ کہنا غلط اور خلاف واقعات ہے، امام رازی نقل فرماتے ہیں: کہ اسرافیل رسول اللہ ﷺ کے سامنے متمثل ہوئے اور عرض کیا: "یا محمد ان ربک یقرئک السلام ویخیرک بین ان تکون نبیا ملکا، وبین ان تکون نبیا عبدا"

ترجمہ: اے محمد ﷺ آپ کا رب آپ کو سلام فرماتا ہے اور آپ کو اختیار دیتا ہے کہ اگر آپ نبوت کے ساتھ بادشاہت چاہتے ہیں تو آپ کو روئے زمین کی بادشاہت بھی دی جاتی ہے اور اگر آپ نبوت کے ساتھ منصب عبدیت کو پسند کرتے ہیں تو وہ دے دیا جاتا ہے۔

حافظ ابن کثیر نے نقل فرمایا: "وفی الصحیح انہ علیہ افضل الصلوٰة والسلام خیر بین ان یکون نبیا ملکا او عبدا رسولا فاختار ان یکون عبدا رسولا"

(ابن کثیر جلد ۳)

ترجمہ: صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اختیار دیا گیا ہے اگر چاہیں تو نبوت کے ساتھ بادشاہ بھی ہوں اور اگر چاہیں منصب رسالت کے ہمراہ مقام عبدیت پر بھی فائز ہوں ۔ یہ اختیار آپ ﷺ کی ذات تک محدود، اور آپ کی ذات کے حوالے سے ہے، آپ کی چاہت ہو تو روئے زمین کے بادشاہ بنا دیئے جائیں، اور اگر رسالت کے ہمراہ شرف عبدیت کو پسند فرمائیں تو آپ کی مرضی، مگر آپ نے اپنا اختیار بروئے کار لاتے ہوئے رسالت معہا عبدیت کو پسند کیا اور اختیار فرمایا۔ ابو سعید الخدری روایت کرتے ہیں کہ:

"ان النبی ﷺ جلس علی المنبر فقال ان عبدا خیرہ اللہ بین ان یوتیہ من زھرة الدنیا وبین ما عندہ فاختار ما عندہ" (بخاری، مسلم)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا ہے چاہے رووہ دنیا کی نعمتوں سے بہرہ ور ہو اور چاہے تو اللہ کے ہاں رحمت جزیلہ اور فضل بیکراں سے ہمکنار ہو، تو اس نے اللہ کے ہاں جانا اختیار کیا ہے۔ یہ اختیار بھی فقط رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے باقی انسانوں کے لیے

"اذاجاء اجلھم لایساخرون ساعة ولا یستقدمون" کا حکم اٹل ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "لا اقسم بھذا البلد وانت حل بھذا البلد" (البلد)

اس کی تفسیر میں امام رازی نے فرمایا: "قال قتادہ وانت حل ای لست باثم وحلال لک ان تقتل بمکة من شئت وذالک ان اللہ تعالیٰ فتح علیہ مکة واحلھالہ، وما فتحت علی احد قبلہ فاحل ماشاء وحرم ماشاء فقتل عبد اللہ ابن خطل، وھو متعلق باستار الکعبة ومقیس بن صبابة وغیرھما، وحرم دار ابی سفیان ثم قال ان اللہ حرم مکة یوم خلق السموت والارض فھی حرام الی ان تقوم

الساعة لم تحل لاحدقبلی ولم تحل لاحدبعدی "(کبیر جز ۳۱،ص ۱۸۱)

ترجمہ: حضرت قتادہ وانت حل کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے نبی (ﷺ) آپ کے لیے یہ حلال ہے، اگر آپ کسی کو قتل کردیں اور اس کے قتل کرنے پر آپ گنہگار بھی نہ ہوں گے، مکۃ المکرمہ میں آپ جسے چاہیں قتل کردیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ آپ کو عطا فرمائی اور اسی نے آپ کے لیے یہ حلال کردیا ہے آپ جس کو چاہیں قتل کردیں، آپ سے پہلے فتح مکہ کسی کے ہاتھ پر رونما نہیں ہوئی۔ اس لیے آپ کو اختیار ہے جس چیز کو چاہیں حلال کریں اور جس کو چاہیں حرام قرار دیں، پس آپ ﷺ نے عبداللہ بن اخطل جو کعبۃ اللہ کے پردوں میں چھپا ہوا تھا قتل کردیا، مقیس بن صبابہ کو قتل کیا اور ابوسفیان کی حویلی میں داخلے کو حرام قرار دیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: جس دن سے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا گیا ہے اسی دن سے مکۃ المکرمہ کو حرمت بخشی گئی ھے .اور یہ حرمت قیام قیامت تک باقی رہے گی۔ مجھ سے قبل یہ حلت کسی کو نہ ملی ہے اور نہ بعد ملے گی،۔

مفسر کبیر کی تفسیر سے روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اشیاء کے حلال وحرام کرنے کا مکمل اختیار دے رکھا تھا جبکہ یہ خالصتاً اللہ کا اختیار ہے، پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس انعام کو فتح مکہ کے موقعہ پر بھرپور انداز میں استعمال کیا۔

بخاری میں ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ آپ سے احادیث مبارکہ سنتا ہوں اور بسا اوقات بھول جاتا ہوں، آپ نے فرمایا! اپنی چادر بچھاؤ، میں نے اپنی چادر بچھائی، آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے کچھ اشارہ فرمایا جیسے کہ کوئی دولپ بھر کر ڈالتا ہو، اور پھر فرمایا! اب اس چادر کو اپنے سینے سے لگالو، میں نے اس چادر کو اپنے سینے سے لگالیا، اس کے بعد میں آپ ﷺ کی کسی حدیث کو نہیں بھولا، شارح بخاری امام ابن حجر نے فرمایا: کہ آپ ﷺ نے ابو ہریرہ کی چادر مین دولپ بھر کر کیا ڈالا؟ کسی حدیث

میں اس کی تصریح نہیں، مگر مولانا محمد ادریس کاندھلوی دیوبندی فرماتے ہیں کہ عالم غیب میں جو خزانہء حفظ ہے آپ ﷺ نے اس سے دولپ بھر کر ابو ہریرہ کی چادر میں ڈالیں پھر وہ حفظ چادر کے ذریعے ابو ہریرہ کے سینے میں پہنچا، مزید فرمایا حفظ اگرچہ عالم شہادت والوں کے نزدیک غیر محسوس ہے مگر محرمان عالم غیب کی دوربین نگاہوں سے پوشیدہ نہیں اور نہ ہی مخفی، (سیرۃ المصطفیٰ) ابو ہریرہ سے مروی دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے تمام صحابہ کے لیے یہ اعلان فرمایا کہ

"لن یبسط احدمنکم ثوبہ حتی اقضی مقالتی ھذہ ثم یجمعہ الی

صدرہ فینسی من مقالتی، شیئا ابدا" (بخاری، مسلم، مشکوۃ ص ۵۳۵)

ترجمہ: آج تم میں سے جو کوئی بھی میری گفتگو کے ختم ہونے تک اپنی چادر بچھائے رکھے گا وہ کبھی بھی میری حدیث کو بھول نہیں پائے گا، اس حدیث اور پہلی حدیث سے ثابت ہوا کہ عالم غیب میں بھی خزانے موجود ہیں، مگر رسول اللہ ﷺ کے تصرف اور اختیار میں ہیں اسی لیے آپ نے دولپ بھر کر ابو ہریرہ کی چادر میں ڈالے، ابو ہریرہ نے رسول اللہ ﷺ کے اس اختیار، اور عالم غیب میں موجود خزانوں میں تصرف کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا:

ثم جمعتھاالی صدری فوالذی بعثہ بالحق مانسیت من مقالتہ

ذالک الی یومی ھذا" (متفق علیہ، مشکوۃ ۵۳۵)

ترجمہ: میں نے وہ چادر اپنے سینے سے لگائی پھر قسم ہے اس ذات وحدہ لاشریک کی جس نے آپ ﷺ کو رسول برحق بنا کر بھیجا ہے میں آج تک آپ ﷺ کی کوئی بات نہیں بھولا،

"وعن المسوران علی بن ابی طالب خطب بنت ابی جھل وعندہ فاطمۃ بنت النبی ﷺ فلما سمعت بذالک فاطمۃ اتت النبی ﷺ فقالت لہ ان قومک یتحدثون انک لا تغضب لبناتک وھذاعلی ناکح ابنۃ ابی جھل الحدیث"

مسور روایت کرتے ہیں کہ علی بن ابی طالب نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہا، حالانکہ حضرت فاطمہ ان کے عقد زوجیت میں تھیں، جب حضرت فاطمہ نے سنا تو نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں، اور کہنے لگیں کہ آپ کی قوم باتیں کر رہی ہے کہ آپ اپنی بیٹیوں کے بارے میں سخت رویہ نہیں رکھتے اور یہ علی ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنے والے ہیں اس کے بعد آپ جلوہ آرائے منبر ہوئے اور ارشاد فرمایا:

وانی لست اُحرم حلالاً ولا احل حراماً ولکن واللہ لا تجتمع بنت رسول اللہ وبنت عدو اللہ مکاناً واحداً ابداً. (مرقاة. جلد. ۱۱. ۳۷۵)

ترجمہ: ۔ بے شک میں حلال کو حرام اور نہ حرام کو حلال قرار دیتا ہوں، لیکن قسم بخدا۔ اللہ کے رسول کی بیٹی، اور اللہ کے دشمن کی بیٹی کبھی بھی ایک مکان میں جمع نہیں ہو سکتیں،:

قال ابن داود حرم اللہ علیٰ علی ان ینکح علی فاطمة حیانها، بقوله عزوجل وما اتاکم الرسول فخذوه ومانهاکم عنه فانتهوا فلما قال النبی ﷺ لا اذنُ لم یکن یحل لعلی ان ینکح علی فاطمه الا ان یاذن رسول اللہ ﷺ (مرقاة. جلد. ۱۱. ۳۷۵)

ترجمہ: ابن داؤد نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے حضرت فاطمہ کی زندگی میں حضرت علی کے لیے دوسرا نکاح کرنا حرام کر دیا تھا اس لیے کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے جو چیز یعنی جو حکم، اللہ کے رسول ﷺ آپ کو دیں اس کو پکڑ لو، یعنی اس پر عمل پیرا ہو جاؤ اس حدیث بلکہ پورے واقعہ سے ثابت ہوا کہ حلال وحرام کا اختیار اللہ تعالیٰ نے آپ کو دے رکھا ہے ورنہ حضرت علی کے لیے دوسرا نکاح پھر سیدہ فاطمہ کی زندگی تک کیوں حرام فرمایا، جبکہ ہر کس وناکس کے لیے چار شادیاں کرنا جائز اور حلال ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے اختیار کلی پر "اتاکم الرسول فخذوه ومانهاکم

عنه فانتهو" نص قطعی موجود ہے، حضرت ربیعہ بن کعب کہتے ہیں کہ: "کنت ابیت مع رسول اللہ ﷺ فاتیته بوضوئه وحاجته فقال لی سل فقلت اسئلک مرافقتک فی الجنة قال او غیر ذلک قلت هو ذاک قال فاعنی علی نفسک بکثرة السجود" (رواہ مسلم، مشکوۃ)

ترجمہ: میں رات کو رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا وضوء کے لیے پانی، لوٹا، مسواک اور مصلی پیش کرتا ایک رات آپ نے فرمایا کہ اے ربیعہ تم میری خدمت کرتے ہو مانگو، ربیعہ کہتے ہیں میں نے آپ سے جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت مانگی، پھر فرمایا اور کچھ؟ میں نے عرض کیا یہی رفاقت چاہیے اور کچھ نہیں۔ تب آپ نے فرمایا کثرت سجود سے میری اعانت کرتے رہنا۔ امام ابن حجر نے فرمایا:

"یؤخذ من اطلاقه علیه السلام لامر بالسوال ان اللہ تعالی مکنه من اعطاء کل ما اراد من خزائن الحق ومن ثم عد ائمتنا من خصائصه علیه السلام انه یختص من شاء بما شاء کجعله شهادة خزیمة بن ثابت بشهادتین رواه البخاری وکترخیصه فی النیاحة لام عطیة فی آل فلان خاصة رواه مسلم للشارع ان یخص من العموم ماشاء وبالتضحیة بالعناق لابی برده بن نیار وغیره، وذکر ابن سبع فی خصائصه وغیره ان اللہ تعالیٰ اقطعه ارض الجنة یعطی منها ماشاء لمن یشاء" (مرقات جلد ۲، ص ۳۲۳)

ترجمہ: ابن حجر نے فرمایا کہ آپ کا مطلقاً "سل" (مانگ) فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے کل خزانوں کے مالک اور مختار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان خزانوں میں سے ہر اس چیز کے عطا کرنے کی طاقت بخشی ہوئی ہے جو آپ چاہیں، اسی بناء پر ہمارے آئمہ کرام نے آپ کے خصائص میں سے اس امر کو شمار کیا ہے کہ آپ جس کو چاہیں اور جو چاہیں

دے سکتے ہیں ۔ جیسا کہ خزیمہ بن ثابت اکیلے کی شہادت دو گواہوں کے مساوی قرار دی، ام عطیہ کو نوحہ کرنے کی اجازت فرمائی، آپ کو عام سے خاص کرنے کی اجازت اور اختیار حاصل ہے ۔ ابی بردہ بن دینار کو کم عمر قربانی کی اجازت دی، ابن سبع اور دیگر آئمہ نے آپ کے خصائص میں ذکر کیا ہے کہ جنت آپ کی مملوکہ ہے آپ ﷺ جس کو چاہیں اسے عطا فرمائیں ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

"قال رسو الله ﷺ یا عائشه لو شئت لسارت معی جبال الذهب الحدیث"

(مشکوہ، ص ۲۵۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چلتے، یعنی اگر آپ ﷺ چاہتے تو سونا پہاڑوں کی شکل میں آپ ﷺ کے زیر قدم ہوتا، دنیا کے ہر قسم کے مال و اسباب آپ کے زیر قبضہ، زیر تصرف اور زیر استعمال ہوتے لیکن آپ نے شہنشاہیت اور ملوکیت پر عبدیت کو ترجیح دی جس پر نبوت اور رسالت کی چھاپ ہو،

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ:

"ان النبی ﷺ اخذ حریرا فجعله فی یمینه، فاخذ ذهبا فجعله فی شماله ثم قال ان هذین حرام علی ذکورا امتی . (رواه احمد، ابو داؤد، والنسائی)

ترجمہ: بے شک نبی کریم ﷺ نے ریشم لیا اور اس کو اپنے دائیں ہاتھ میں رکھا، پھر آپ نے سونا لیا اور اس کو اپنے بائیں ہاتھ میں رکھا پھر ارشاد فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ نے میری امت کے مردوں پر حرام کر دی ہیں، معلوم ہوا سونا حرام ہے، ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا! سونے کی انگوٹھی پہننا ایسے ہی ہے جیسا آگ کا انگارہ ہاتھ میں رکھنا،

(مسلم، مشکوۃ ص ۳۷۸)

لیکن سفر ہجرت کے موقعہ پر جب سراقہ بن مالک نے آپ ﷺ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

کو پالیا تو آپ نے سراقہ بن مالک سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا "کیف بک اذا لبست سوار کسری" "اے سراقہ اس وقت تیرا کیا حال ہوگا؟ جب تو شہنشاہ عجم کسریٰ کے سونے کے کنگن پہنے گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں عجم فتح ہوا شہنشاہ عجم کسریٰ کے سونے کے کنگن، تاج اور زیورات مال غنیمت کے طور پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے مسجد نبوی میں پیش ہوئے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سراقہ بن مالک کو بلوا کر وہ کنگن اپنے ہاتھوں سے پہنائے ۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آپ کو اپنی زندگی اور انتقال میں اختیار کا دیا جانا یہ اختیار فی القدر ہے، کیونکہ موت و حیات تابع تقدیر باری تعالیٰ ہیں، رسالت کے ہمراہ بادشاہت اور عبدیت کا اختیار دیا جانا یہ اختیار فی المعاملات ہے، خانہ کعبہ میں کفار کے قتل کی اجازت اور حلت، حلت و حرمت میں اختیار ہے، جو اوامر و نواہی ہیں، اور احکام شریعہ منزل من اللہ ہیں، صحابہ کے سامنے یہ اعلان فرمانا جو چادر بچھائے گا وہ پوری عمر نسیان سے محفوظ اور اس کی قوت حافظہ زوال پذیر نہ ہوگی، ابو ہریرہ کی چادر میں دو لپ بھر کر غیر محسوس شیء کا ڈالنا علم بالغیب ملک بالغیب، اور خزانہ ہائے غیب میں تصرف کا اختیار ہے، اور فوق الفطرت تصرف ہے ربیعہ بن کعب کو جنت عطا فرمانا عالم علوی میں تصرف ہے جو ملکیت کو بھی ظاہر کرتا ہے ۔

حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کی شخصیت کو دو مومن مردوں کے مساوی بطور گواہ قرار دینا امور شرعیہ میں اختیار ہے، قرآن نے نصاب شہادت میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کو لازمی قرار دے رکھا ہے، ہر مومن مرد صاحب استطاعت کے لیے قرآن نے چار عورتوں سے بیک وقت نکاح کرنے کی اجازت دے رکھی ہے، مگر حضرت علی کے لیے حضرت فاطمہ کی حین حیات تک دوسرا نکاح کرنا حرام قرار دیا تھا، ام عطیہ کو نوحہ کرنے کی اجازت دی جبکہ نوحہ کرنا ممنوع تھا، یہ امور شرعیہ میں اختیار ہے، سونے کے پہاڑ چلنے کا فرما کر اشارہ

کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تصرف فی الکائنات دیا ہے، سراقہ بن مالک کو کنگن پہنانا کی خوشخبری دینا اور فاروق اعظم کا بلوا کر سونے کے کنگن سر اجلاس مسجد نبوی میں پہنانا شریعت مطہرہ کی تعبیر وتشریح اور اس میں تبدیلی آپ کے مکمل اختیار کو ظاہر کرتی ہے، جبکہ آپ نے ریشم اور سونے کو اپنی امت کے مردوں پر حرام قرار دے رکھا تھا، حضرت عکاشہ کی تلوار بدر کے دن ٹوٹ گئی تھی۔ لکڑی کی ایک جڑ دی اور فرمایا اس سے مارو، وہ تلوار بن گئی، کاٹتی تھی، لمبی، سفید اور تیز دھار تھی، غزوہ احد کے موقع پر عبداللہ بن جحش کی تلوار ٹوٹ گئی، آپ نے ان کو کھجور کی ٹہنی دی، وہ ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی۔ (شفاء شریف) یہ اختیار فی الماہیت ہے، آپ نے ہاتھ میں لی اور اس کی حالت بدل گئی، یعنی لکڑی کی ماہیت تبدیل ہو کر لوہا بن گئی، اگر اس تبدیلی کا آپ کو علم اور اختیار نہ ہوتا حالت جنگ میں لکڑی دے کر یہ نہ فرماتے کہ اس سے مارو، غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر قسم کا اختیار دے رکھا تھا جیسا کہ امام ابن حجر، اور ملا علی قاری کے فرامین پہلے نقل ہو چکے ہیں، اور ابن داؤد رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی پہلے گزر چکا ہے کہ اس آیت سے آپ کا مختار کل ہونا ثابت ہے۔

"ماآتکم الرسول فخذوہ ومانھا کم عنہ فانتھوا عنہ"

﴿وَلِلّٰهِ الْحَمْد﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ حاضر وناظر

حاضر، حضر، حضورًا، سے ماخود ہے۔ جس کا معنی موجود ہونا اور حاضر ہونا ہے،، حاضر جو موجود ہو اور حاضر ہو۔ (المنجد)

ناظر، نظر، نظرًا، سے ماخوذ ہے اس کا معنی دیکھنا اور غور کرنا ہے۔ (المنجد)

یعنی موجود ہونے والا حاضر، اور دیکھنے والا ناظر ہے،، معنوی طور پر ان کے درمیان فرق یہ ہے کہ جہاں تک انسان کی آنکھ دیکھ سکتی ہے وہاں تک انسان ناظر ہے، اور جہاں موجود ہو وہاں وہ حاضر ہے، یا جہاں تک اس کی پہنچ ممکن ہو وہاں تک وہ حاضر ہے،، جہاں موجود ہے وہاں حاضر بالفعل ہے اور جہاں تک اس کا حاضر ہونا اس کے بس اور اس کی قدرت میں ہے وہاں تک حاضر بالقوۃ ہے، اللہ تعالیٰ کے حاضر وناظر ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ہر شیء کے دیکھنے ہر ہر آواز کے سننے، اور ہر ہر چیز پر قدرت رکھتے اور ہر ہر شیء خواہ موجود ہو یا نہ ہو کا اپنی شان کے مطابق علم رکھنے والا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "لا یعزبُ عنہ مثقال ذرۃ،" مخلوق کا ذرہ ذرہ اسکے علم اور اسکی نظر میں ہے اور ہر شیء پر قادر اور اس میں متصرف ہے۔ " واللہ علی کل شیء شہید، ان اللہ علی کل شی قدیر" اسی کی شان ہے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو بھی یہ صفت عطا فرماتا ہے کہ وہ پوری کائنات کو دیکھتے ہیں، مشرق ومغرب تک پھیلی روئے زمین ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح اُن کے سامنے ہوتی ہے وہ جہاں چاہیں جائیں، اور جس جگہ چاہیں وہاں تصرف بھی کر سکتے ہیں، ان کے لئے کوئی ممانعت اور رکاوٹ نہیں۔ یہ عقیدہ اہل سنت وجماعت کا ہے اور یہ قرآن وحدیث اور اقوال علمائے اُمت سے ثابت ہے، جہاں تک ہمارے رسول ﷺ کے حاضر وناظر ہونے کا تعلق ہے تو

اس کے متعلق اتنی وضاحت ہے کہ کائنات کی ہرشیء نگاہ نبوت کے سامنے ہے، ابتدائے کائنات سے لیکر قیام قیامت تک کے تمام احوال اور جملہ واقعات آپ کے زیر مشاہدہ ہیں، اور جہاں آپ کی مرضی ہو وہاں جاسکتے ہیں، جسم اصلی کے ساتھ خواہ جسم مثالی کے ساتھ "یہ عقیدہ شرک نہیں بلکہ جزو ایمان اور عین اسلام ہے۔ اب ہم اس مؤقف کو قرآن وحدیث، اقوال علماء سے ثابت کرینگے۔ ﴿وباللہ التوفیق﴾

چنانچہ قرآن مجید نے فرمایا: "یاایھا النبی انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا الایہ"

ترجمہ: اے غیب کی خبریں دینے والے ہم نے آپ کو حاضر، ناظر، خوشخبری دینے والا، اور ڈر بتانے والا بھیجا ہے۔

اس آیہء مقدسہ کی تفسیر میں علامہ محمود آلوسی نے فرمایا

:"علی من بعث الیھم تراقب احوالھم وتشاھد اعمالھم وتتحمل الشھادۃ بماصدرعنھم من التصدیق والتکذیب وسائر ماھم علیہ من الھدیٰ والضلال وتؤدیھا یوم القیامۃ اداءً مقبولا فیما لھم وما علیھم "(روح المعانی جلد ۱۱، ص ۴۵)

ترجمہ: جن کی طرف آپ ﷺ کو مبعوث کیا گیا ہے آپ ان کے احوال کے دیکھنے والے، اور ان کے اعمال کے مشاہدہ کرنے والے، انہوں نے جو آپ کے پیغام کی تصدیق کی یا تکذیب کی اس کی شہادت دینے والے ان کی گمراہی اور ہدایت کی گواہی دینے والے، قیامت کے دن ان کے نفع اور نقصان پر مبنی بیان دینے والے، آپ کا بیان ہی مقبول ہوگا ان صفات کا حامل بنا کر آپ کو بے شک ہم نے بھیجا ہے اس سے ثابت ہوا کہ جن اقوام، اور جن جن ادوار، اور جس جس مخلوق کیلئے آپ کو مبعوث فرمایا گیا اس کے احوال واعمال کے آپ ناظر ہیں۔ آپ کی بعثت تمام افراد انسانیت کیلئے ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وما ارسلنک الا کافۃ للناس"

خود آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "بعثت الی الخلق کافۃ"

لہذا ثابت ہوا کہ قیامت تک آنے والی انسانیت کے اعمال اور احوال پر آپ ﷺ نظر رکھتے ہیں۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے خود فرمایا:

"فانی لاعرف اسمائھم واسماء آبائھم وَلوان خیولھم ،ھم خیر فوارس اومن خیر فوارس علی ظھر الارض یومئذٍ" (رواہ مسلم، مشکوۃ باب الملاحم فصل اول ص ۴۶۷)

ترجمہ: دجال سے جہاد کرنے والے مجاہدین کے نام، ان کے باپ دادوں کے نام، ان کے گھوڑوں کے رنگ میں جانتا اور پہچانتا ہوں، وہ اس وقت پوری روئے زمین پر موجود اور پائے جانے والے سواروں میں بہترین سوار ہوں گے۔

اگر دجال کے خروج، اور اس کے ساتھ لڑنے والے مجاہدین کا علم، شناخت نہ ہوتی اور پورا منظر، بلکہ جہاد میں شریک گھوڑوں کے رنگ اور تعداد زیر نظر نہ ہوتے تو کیسے فرماتے: "انی لاعرف" کہ البتہ بے شک میں انہیں اور ان کی پشتوں کو جانتا پہچانتا ہوں، بلکہ ان کے نام تک میرے علم، اور خاندانوں کے خاندان میری نظر میں ہیں۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "نعم قد یقال انہ علیہ الصلوۃ والسلام یعلم بطاعات ومعاص تقع بعدہ من امتہ"

ترجمہ: یوں بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد، آپ کی امت جو گناہ اور نیکیاں کرتی ہے یا کرے گی آپ انہیں جانتے ہیں۔

مزید فرمایا: "واشار بعض اسادۃ الصوفیۃ الی ان اللہ تعالیٰ قد اطلعہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی اعمال العباد فنظر الیھا ولذالک اطلق علیہ علیہ الصلوۃ والسلام شاھد ،وقال مولانا جلال الدین الرومی قدسرہ العزیز فی مثنویہ' درنظر بودش مقامات العباد: زاں سبب نامش خدا شاہد نہاد" (روح المعانی، ایضا)

ترجمہ: اکابر صوفیائے کرام نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنے بندوں کے اعمال پر

مطلع فرمایا ہے اور آپ بندوں کے اعمال کو دیکھتے ہیں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام شاہد رکھا ہے۔ عارف رومی نے فرمایا! بندوں کے مقامات آپ کی نظر میں ہیں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا نام شاہد رکھا ہے۔

معلوم ہوا علمائے محققین اور اولیائے کاملین کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اعمال اُمت اور مقامات اُمت پر ناظر ہیں، اور ساری اُمت آپ کے مشاہدہ اور نظر میں ہے۔

علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ تعالی نے نقل فرمایا کہ امام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا: ''فمحصل من مجموع هذاالكلام والنقول والاحاديث ان النبی ﷺ حی بجسده وروحه وانه يتصرف ويسير حيث شاء فی اقطار الارض وفی الملكوت وهوبهيئته التی كان عليهاقبل وفاته لم يتبدل منه شیء وانه مغيب عن الابصار كماغيب الملائكة مع كونهم احياء باجسادهم فاذااراد الله تعالیٰ رفع الحجاب عمن ارادا كرامه برؤيته راه علی هيئته التی هو عليه الصلوة والسلام عليها لا مانع عن ذالک'' (روح المعانی جلد ۱۲، ص ۳۶)

ترجمہ: تمام اقوال، احادیث اور نقول کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے جسم اور روح کے ساتھ زندہ ہیں اور بے شک روئے زمین کے جس کونے میں یا آسمانوں میں جہاں چاہیں تشریف فرما ہوتے ہیں اور تصرف بھی فرماتے ہیں، آپ کی حالت وہی اور اسی طرح ہے جس طرح وفات سے پہلے تھی۔ آپ کی کسی بھی چیز یعنی وصف میں تبدیلی واقع نہیں ہوئی، صرف آپ کو نظروں سے غائب کر دیا گیا ہے۔ جسطرح فرشتے اجسام کے مالک اور زندہ ہیں مگر ہم سے غائب کر دیئے گئے ہیں، جس شخص کو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی زیارت کا شرف بخشنا چاہتا ہے۔ اس کیلئے حجاب اٹھا دیتا ہے۔ اور وہ آپ ﷺ کو اصلی حالت میں دیکھ لیتا ہے۔ اور اس میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

معلوم ہوا رسول اللہ ﷺ اپنی ظاہری زندگی کے ساتھ روضہ انور میں رونق افروز ہیں اور وہ تمام صفات نبوّت، اور خواص رسالت آپ کو حاصل ہیں جو قبل از وفات حاصل تھے جسطرح آپ کو قبل از وفات کائنات میں اختیار تصرف حاصل تھا اسی طرح اب بھی ہے اور جس طرح آپ سیر فی الارض کے مجاز تھے اسیطرح اب بھی روئے زمین پر جہاں چاہیں سیر فرما سکتے ہیں۔ حاضر و ناظر کا مفہوم اس کے سوا کچھ نہیں۔

قیامت کے دن ہر نبی کی اُمت سے ان کے نبی کے متعلق پوچھا جائے گا کہ اس نے میرے احکام تم کا پہنچائے تھے یا نہیں؟ ہر نبی کی اُمت انکار کرے گی کہ تیرے نبی نے تیرے احکام ہم تک نہیں پہنچائے، انبیائے کرام عرض کریں گے کہ پہنچائے تھے۔ وہ انبیاء کرام اپنی صفائی اور سچائی میں اُمت مصطفیٰ ﷺ کو پیش کرینگے۔ یہ اُمت انبیائے کرام کے حق میں گواہی دے گی، اس پر اعتراض اٹھایا جائے گا کہ تم نے ان پیغمبروں کا زمانہ نہیں پایا، بغیر دیکھے کیسے گواہی دے رہے ہو۔ یہ اُمت کہے گی ہم سے ہمارے نبی محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا، اُمت مصطفیٰ ﷺ کی، تکذیب اور تصدیق معلوم کرنے کیلئے نبی کریم ﷺ سے گواہی لی جائے گی آپ ﷺ اپنی گواہی میں فرمائیں گے میری اُمت سچی شہادت دے رہی ہے انبیائے کرام کے حق میں فیصلہ ہو جائے گا۔ سوال یہ ہے کہ کیا رسول اللہ ﷺ کی ساری اُمت گواہی دے گی یا چند مخصوص افراد؟ اس کی کوئی تعیین نہیں ہاں صرف اُمت کا آیا ہے کہ وہ گواہی دے گی اُمت کا اطلاق آپ کے زمانہ پاک سے لے کر قیامت تک ہونے والے مسلمانوں کو شامل ہے۔

جب آپ اپنی ساری اُمت کے سچا ہونے کی تصدیق فرمائیں گے اور ساری اُمت کا تزکیہ فرمائیں گے تو اس کا واضح مقصد اور مفہوم یہ ہے کہ آپ اپنی قیامت تک ہونے والی اُمت کے کردار کو جانتے، اور اُمت کے ہر فرد کو پہچانتے ہیں۔ علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"والمراد بهؤلاء أمته ﷺ عند اكثر المفسرين ولم يستبعد ان يكون المراد بهم مايشمل الحاضرين وقت النزول وغيرهم الى يوم القيامة" (روح المعانی ج ۸ ص ۲۱۳)

ترجمہ: آیہ مقدسہ میں ہؤلاء سے مراد رسول اللہ ﷺ کی اُمت ہے۔ اور آیہ کریمہ کے وقت سے لے کر قیامت تک ہونے والی ساری اُمت کا مراد لینا بھی بعید نہیں،،

کیونکہ "فان اعمال أمته تعرض عليه بعد موته" آپ کی وفات کے بعد آپ کی اُمت کے اعمال آپ پر پیش کئے جاتے ہیں:

"وقد روی عنه ﷺ انه قال حياتي خير لكم تحدثون ويحدث لكم ومماتي خير لكم تعرض علي اعمالكم فما رايت من خير حمدت الله تعالى عليه وما رايت من شر استغفرت الله تعالى لكم" (روح المعانی، ج،۸ ص ۲۱۳)

ترجمہ:۔ آپ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا میری حیات تمہارے لئے بہتر ہے تم کوئی واقعہ کرو گے تو اس کا جواب تمہیں مل جائے گا، میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر ہے تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جائیں گے، جو اعمال ان میں نیک ہونگے میں ان کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرونگا، اور جو بُرے اعمال ہونگے ان کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے تمہاری مغفرت طلب کرونگا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا ہر اُمتی اور اس کا عمل نیک ہو یا بد آپ کی نظر میں ہے، اور آپ اپنی اُمت کے گناہوں کو دیکھ کر ان کیلئے بخشش طلب فرماتے ہیں، یہ حضور علمی اور نظری ہے، یعنی آپ اپنے علم کے لحاظ سے اعمال اُمت پر حاضر و ناظر ہیں۔

مؤلف نے کتابچہ کے ص ۵۴ پر لکھا: اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے کے دلائل'

دلیل نمبر ۱: وهو بكل شيء محيط' اور وہی ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، درست ہے اس پر ایمان لانا واجب ہے اس کا انکار کفر ہے۔ مگر مؤلف اس کا مدلول اور مفہوم نہیں سمجھ پائے

اس لئے کہ شیء کا معنی الشیء المطلق ہے یا مطلق الشیء، اگر الشیء سے مراد الشیء المطلق ہو تو وہ ہر وجود خواہ واجب ہو، یا ممکن موجود ہو یا معدوم پر بولی جائیگی یہ مفہوم اشیائے غیر متناہیہ بالفعل ہے یہ خاصہ باری تعالیٰ ہے مخلوق ملک مقرب ہو یا نبی مرسل ان کا عالم، ناظر نہیں، اگر مطلق الشیء ہو تو یہ شیء ممکن الوجود فی الخارج ہے، اس کا علم اور اس کا ناظر ہونا مخلوق کیلئے ممکن بلکہ ثابت ہے۔ رہا محیط تو احاطہ سے ہے جو استغراق کا معنی دیتا ہے، یعنی کسی شیء کے مأخذ حقیقت، مادہ، اس کے جمیع لوازمات، عوارضات کو کامل اکمل طور پر جاننے کا نام استغراق اور احاطہ کرتا ہے، یہ بھی اللہ ہی کی شان ہے کیونکہ کوئی مخلوق کسی چیز کے مادہ، حقیقت، ماہیت، عوارضات اور لوازمات کا من کل الوجود احاطہ نہیں کرسکتی، کسی چیز کو دیکھنے، معلوم کرنے کا نام احاطہ نہیں، دیکھنے والا دیکھ کر ناظر بنتا اور اس کا علم حاصل کرتا ہے یہ علم حصولی حادث اور ممکن ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے دیکھنے اور اس شیء کا عالم ہونا اور معنی میں ہے، وہ یہ کہ جمیع اشیاء موجودہ اور معدومہ، جمیع عوارضات، لوازمات اپنی اپنی ماہیات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر اور قائم ہیں، یہ علم حضوری دائمی ابدی اور سرمدی ہے، جب کائنات معرض وجود میں نہ آئی تھی تو اس سے قبل بھی ساری کائنات کے نقوش و امثال اللہ کے حضور، حاضر اور قائم تھے، یہ علم حضوری قدیم ہے اور یہ صفت باری تعالیٰ ہے۔۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر شیء اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی کیفیات اور حیثیات کے ساتھ حاضر ہے اور اللہ کا علم اور قدرت، اسکی سمع، اور رؤیت ہر شیء پر محیط ہے۔ کوئی بھی چیز اپنی کسی حیثیت اور کسی جہت میں اللہ تعالیٰ کی ان صفات ذاتیہ ازلیہ، ابدیہ سرمدیہ سے خارج نہیں۔ مخلوق کا علم ظاہری اور محدود درجے تک ہے شیء سے پہلے تھا نہ شیء کے معدوم ہونے پر ہوگا اتنا فرق اور اتنی تمیز ہونے کے باوجود اگر یہ کہا جائے کہ یہ شرک ہے تو یہ اس کی کم عقلی اور علمی کمزوری ہی تصور ہوگی۔

مؤلف نے لکھا ہے کہ حاضر و ناظر ہونے کیلئے محیط ہونا ضروری ہے

غلط ہے۔ جو صفت اللہ کا خاصہ ہو اس کا مخلوق کیلئے صفت ہونا محال شرعی ہے۔ حاضر کیلئے محیط ہونا محال عادی اور محال عرفی ہے۔ مثلاً ایک شخص گاڑی میں بیٹھا ہے وہ گاڑی کے عنوان میں حاضر و ناظر ہے، کیا اس کے لئے لازمی ہے کہ وہ گاڑی کے ہر ہر پرزے۔ اس کے عمل، اس کی ساخت، اس کی جنس رفتار، خرابی، اور درستگی، رنگ و روغن وغیرہ ہر شیء پر محیط ہو، وہ ڈرائیور ہے نہ مکینک، نہ سانچہ ساز، ایک شخص کسی بازار یا مارکیٹ میں جاتا ہے پوری مارکیٹ کو دیکھتا ہے جہاں لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں مختلف اجناس، مختلف رنگ و صورت کی اشیاء موجود ہیں کیا اس کا اس مارکیٹ یا بازار کا حاضر و ناظر ہونا اس وقت قابل تسلیم ہوگا جب ہر ہر چیز پر بشمول قیمت وہ محیط ہوگا۔

محال شرعی اس طرح ہے کہ "وَلَا یُحیطون بشیء من علمه "نص قطعی موجود ہے۔

مؤلف نے کتابچہ کے ص ۵۴ پر دلیل دوم یہ آیہء کریمہ نقل کی

"الم تری ان الله یعلم مافی السموت و ما فی الاوض و ما یکون من نجوی ثلثة الاهو رابعهم و لا خمسة الا هو سادسهم و لاادنی من ذالک ولا اکثر الاهو معهم این ما کانوا ثم ینبئهم بما عملوا یوم القیامة ان الله بکل شیء علیم "(المجادلة)

ترجمہ: کیا تو نے نہیں دیکھا بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، نہیں ہوتے تین سرگوشیاں کرنے والے مگر اللہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہیں سرگوشیاں کرتے پانچ مگر چھٹا ان کا اللہ ہوتا ہے اور نہیں ہوتے اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ مگر اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہوتے ہیں، جہاں وہ ہوتے ہیں، اس کے بعد قیامت کے دن ان

کو ان کے عملوں کی خبر دے گا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب چیزوں کا جاننے والا ہے۔

مؤلف: نے طرز استدلال میں لکھا کہ:

تین افراد سرگوشیاں کرنے والوں میں چوتھا اللہ کا موجود ہونا اور پانچ افراد میں چھٹا رب قدوس کا ہونا نیز اس کی معیت لازمہ (ساتھ ہونا) اس کے حاضر ہونے پر اور قیامت کے دن مخلوق کے ہر عمل کی خبر دینا اس کے ناظر ہونے پر صراحۃً دال ہے۔

"سبحان الله عما یشرکون"

اقول: مؤلف کو تلاش بسیار کے بعد سورۂ مجادلہ کی یہ آیت معلوم ہوئی حالانکہ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر ہر ذرّے پر قادر، علیم اور خبیر ہے اور وہ بندوں کے ساتھ ہے وہ جہاں بھی ہوں، اس میں کوئی شک اور کوئی کلام نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ یہ قربت علم، قدرت کے اعتبار سے ہے اللہ کی رحمت، اعانت اور دید و شنید کے اعتبار سے ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بندے کو خود خبر نہیں دے گا بلکہ صحیفہ اعمال خبر دے گا، بندے کے اعضاء اور جلد خبر دے گی۔ بہر حال بندے کو خبر ہو جائے گی کہ وہ دنیا میں کیا کیا اعمال کرتا رہا ہے۔ آیہء کریمہ میں نجویٰ اور اعداد کا ذکر ایک خاص مفہوم مقصد کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "ان هذا اشارة الی کمال الرحمة و ذالک لان الثلاثة اذا اجتمعوا فاذا اخذ اثنان فی التناجی والمشاورة بقی الواحد صنائعا وحیدا فیضیق قلبه فیقول الله تعالیٰ انا جلیسک وانیسک وکذا الخمسة اذا اجتمعوا بقی الخامس وحیدا فریدا، اما اذا کانوا اربعة لم یبق واحدمنهم فریدا، فهذا اشارة الی ان کل من انقطع عن الخلق مایترکه الله تعالیٰ ضائعا" (کبیر ج ۲۹)

ترجمہ: اس آیۂ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے پر رحمت کاملہ کا اشارہ ہے، وہ یوں ہے کہ جب تین آدمی جمع ہوں تو وہ سرگوشی کرنے لگیں گے ایک بیکار ہو جائیگا۔ اور ایک بچ جائے گا وہ ایسی صورت میں اکیلا رہ جائے گا اس کا دل تنگ ہوگا تو اللہ ارشاد فرماتا ہے اے میرے بندے گھبرامت میں تیرا ساتھی، اور تیرا دوست ہوں، اسطرح جب پانچ ہوں وہ دو، دو ہوکر سرگوشی کریں گے اور پانچواں پھر بچ جائے گا وہ اکیلا رہ جائے گا اسکو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں تیرا ساتھی، اور میں تیرا غم خوار ہوں، اگر چار ہوں تو پھر کوئی بھی نہیں بچ پائے گا، پس اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو بندۂ مومن خلق سے خالق کی طرف منہ موڑتا اور متوجہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسکو ضائع کرتا ہے اور نہ بیکار چھوڑتا ہے۔

امام آگے فرماتے ہیں کہ یہ آیۂ مقدسہ منافقین کے ایک ٹولے کے بارے میں نازل ہوئی ہے

"ان الایة نزلت فی قوم المنافقین اجتمعوا علی التناجی مغایظة المومنین و کانوا علی هذین العددین ، قال ابن عباس نزلت هذه الایة فی ربیعه، وحبیب ابنی عمرو وصفوان بن امیه کانوا ایامایتحدثون فقال احدهم ،هل یعلم الله مانقول وقال الثانی یعلم البعض دون البعض ، وقال الثالث ان کان یعلم البعض فیعلم الکل "(کبیر جز ۲۹، ۲۶۵)

ترجمہ: یہ آیت منافقین کے ٹولے کے متعلق نازل ہوئی ہے جو مؤمنین کے ساتھ غیظ و غضب میں سرگوشیاں کرنے جمع ہوئے تھے، اور ان کی تعداد اتنی تھی جتنی آیۂ کریمہ میں بیان ہوئی۔ ہے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا! یہ آیۂ کریمہ ربیعہ، حبیب جو عمرو کے بیٹے تھے، اور صفوان بن اُمیہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے یہ ایک دن بیٹھے آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے کہ کیا اللہ ان باتوں کو جانتا ہے جو باتیں ہم اس وقت کر رہے ہیں، دوسرے نے جواب دیا کہ بعض باتوں کو جانتا ہے اور بعض کو نہیں، تیسرے نے کہا کہ اگر بعض کو جانتا ہے تو

پھر سب باتوں کو جانتا ہے۔

مؤلف نے طرز استدلال کے آخر میں لکھا کہ:

" فسبحان الله عما یشرکون "یعنی اشارہ کیا کہ جولوگ رسول اللہ ﷺ کو حاضر ناظر مانتے ہیں وہ مشرک ہیں اور اللہ تعالیٰ شرک سے پاک ہے۔

اقول: آیۂ کریمہ کا شان نزول خاص ہے اور وہ منافقین جن کے حق میں نازل ہوئی ان کی تعداد صرف تین ہے، آیۂ کریمہ میں فرمایا عدد تین، پانچ، کا فرد ہے یعنی تقسیم ہونے والا نہیں وحدانیت کو ظاہر کرتا ہے اور یہ عدد اللہ کو بہت پسند ہے، امام موصوف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں

"ان العدد الفرد اشرف من الزوج لان الله وتر یحب الوتر"

ترجمہ: مفرد عدد یعنی جو اکائی کو ظاہر کرے اور تقسیم نہ ہو وہ اس عدد سے اشرف ہے جو تقسیم ہوتا ہو، اس لئے اللہ تعالیٰ ایک اکائی یعنی ایک ہے اور اکائی پر دلالت کرنے والے عدد کو پسند فرماتا ہے۔ امام موصوف نے اس آیۂ کریمہ سے ثابت کیا کہ اللہ رب العزت اپنے بندوں پر کمال مہربانی کرتا ہے، اور جو شخص خلق کو چھوڑ کر خالق کی طرف متوجہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا انیس اور جلیس ہوتا ہے اس کو ضائع ہونے سے محفوظ اور مأمون رکھتا ہے لیکن مؤلف نے طرز استدلال کا چکر دے کہ اہل سنت و جماعت کو نعوذ باللہ مشرک کہا ہے جو سراسر غلط، اور عقل ونقل کے خلاف ہے، نومولود بچہ دایہ کے ہاتھوں میں ہے یا آغوش مادر میں ہے موجود ہے یا معدوم؟ بالکل موجود ہے اور موجود ہونے کو مؤلف نے طرز استدلال میں حاضر کہا ہے، کیا وہ موجود نومولود ماں یا دایہ کو دیکھ رہا ہے یا نہیں دیکھ رہا ہے اور اس کا دیکھنا اس کا ناظر ہونا ہے، اسکا حاضر و ناظر ہونا کسی استدلال کا محتاج نہیں کیونکہ یہ بدیہی ہے۔ اگر اس نومولود بچے کو حاضر ناظر نہیں مانو گے تو کیوں؟ اور اگر حاضر و ناظر مانو گے تو کس معنی میں

؟تسلیم کرنا پڑے گا کہ مخلوق کا حاضر اور ناظر ہونا اور معنی میں ہے اور خالق یکتاء کا حاضر وناظر ہونا اور معنی میں ہے، اللہ تعالیٰ کا حاضر اور ناظر ہونا بغیر واسطہ، ذات اُلوہیت کے اعتبار سے ہے اور یہ حضور ونظور ازلی ابدی، دائمی اور سرمدی ہے، جبکہ بچہ یا دیگر مخلوق کا حاضر وناظر ہونا، امر حادث، عارضی، اور اسباب کے تابع ہے، وجو مخلوق کیلئے مکان اور زمان کا ہونا ضروری ہے، اور دیکھنے کیلئے بصر اور بصارت کا ہونا ضروری ہے، پھر جب تک بصر اور بصارت رہے گی ناظر ہوگا بصر یا بصارت کے زائل ہونے پر یہ ناظر نہیں، اس توضیح کا کوئی بھی شخص جو عقل وشعور کا مالک ہے انکار نہیں کرسکتا، مؤلف کے علم میں اضافہ کیلئے یہ بتانا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو بھی ہر جگہ موجود ہونے اور ہر شیءکو ایک ہی وقت دیکھنے اور تصرف کرنے کی قوت عطا فرما رکھی ہے، ملاعلی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا:

''مثل ابلیس ای فی طی الارض له حتی یوسوس من فی الشرق الغرب وفی جربه حجری الدم للبنی آدم ''(شرح فقه اکبر ص ۹۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمن شیطان کو بھی یہ طاقت دے رکھی ہے کہ پوری زمین کا چکر لگاتا ہے یہاں تک مشرق میں ہوکر مغرب میں لوگوں کو دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے، ہر انسان کی رگوں میں خون کی طرح گردش کرتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ روئے زمین میں جہاں چاہے موجود ہوسکتا ہے اور جس انسان کو چاہے اس کے دل میں وسوسہ بھی ڈال سکتا بلکہ ڈالتا ہے، اور ہر انسان کی رگ رگ میں خون کی طرح موجود اور رواں دواں ہے، قرآن حکیم کی تصریح کے مطابق اس لعین نے اللہ تعالیٰ کے حضور، اللہ تعالیٰ کی عزت اور جلال کی قسم کھا کر کہا تھا کہ ہر آن، ہر مکان میں ہر انسان کو گمراہ کرونگا، اور یہ سہولت شیطان نے قیامت تک کیلئے لے رکھی ہے، پوچھنا چاہوں گا کہ پوری روئے زمین شیطان کے زیر نظر اور زیر تصرف نہیں؟ مشرق میں رہ کر اہل مغرب کے دلوں میں وسوسے پیدا کرنیکی طاقت رکھتا ہے یا

نہیں، کیا ہر انسان کی رگوں میں موجود اور متصرف ہے یا نہیں؟ یہ طاقت اسکی ذاتی نہیں بلکہ اللہ کی عطا کردہ ہے، کیا یہ شرک ہے یا نہیں اگر یہ شرک ہے تو اللہ تعالیٰ نے شیطان کو شرک کرنے کی اجازت، صلاحیت کیوں دی؟ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ ان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم. بخاری اور مسلم کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شیطان انسان کو ورغلانے، پھسلانے کی مکمل طاقت رکھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔

''ما من بنی آدم مولود الا یمسه الشیطان حین یو لد فیستهل صارخا من مس الشیطان غیر مریم وابنها'' (متفق علیه. مشکوة ص ۱۸)

ترجمہ: اولاد آدم کے ہاں جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے شیطان اس کو اپنے ہاتھ سے چھوتا ہے اور اس کے چھونے کی وجہ سے بچہ بلند آواز سے رونے لگتا ہے، سوائے مریم علیہا السلام اور اُن کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کے''

غور کیجئے اولاد آدم پوری روئے زمین پر پھیلی ہوئی ہے مشارق و مغارب کی پہنائیاں انسانی بستیوں سے آباد اور شاد ہیں، پورے کرۂ ارض پر لاکھوں بچے پیدا ہوتے ہیں، حدیث کے مطابق ہر بچے کو شیطان مَس کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک ہی وقت میں شیطان لاکھوں جگہ حاضر، ناظر اور تصرف کرسکتا ہے کیونکہ بغیر علم حضور ممکن ہے نہ مَس کرنا، کیا اس حضور اور نظور سے اللہ تعالیٰ کے حاضر وناظر ہونے میں کوئی اثر ہوتا ہے اگر اثر پڑتا ہے تو اتنی وسیع نظر، اتنا وسیع تصرف اور اتنی جگہوں پر حاضری کی قوت دشمن خدا کو کیوں دی گئی؟ اگر نہیں پڑتا تو مؤلف کا یہ حصر اور قصر کہ اللہ ہی حاضر وناظر ہے کہاں گیا اور یہ کیسے صحیح ہے؟

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے نقل فرمایا:

"واعلم ان ما فی الارض بیت مدر ولا شعر فی برولا بحر الا وانا اتصفحهم فی کل یوم خمس مرات حتی انی اعرف بصغیرهم

وکبیرھم منھم با نفسھم"(ابن کثیر جلد۳،ص۴۵۸)

ترجمہ: اے اللہ کے رسول ﷺ آپ کو معلوم ہونا چاہیے، کہ روئے زمین پر کوئی گھر، کوئی خیمہ خواہ جنگل یعنی خشکی میں ہو یا دریا اور سمندر میں ہر روز میں پانچ مرتبہ اس کا معائنہ کرتا اور شناخت کرتا ہوں، اور ان گھروں اور خیموں میں مقیم ہر چھوٹے بڑے کو اسطرح اور اتنا جانتا ہوں جتنا وہ خود اپنے آپ کو بھی نہیں جانتے: حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ:

"ما علی ظھم الارض من بیت شعرومدرالا وملک الموت
یطوف بہ کل یوم مرتین"

ترجمہ: روئے زمین پر کوئی مکان، خیمہ ایسا نہیں جس کا عزرائیل ؑ دن میں دو مرتبہ چکر نہ لگائیں۔ حضرت کعب اخبار ؓ نے فرمایا

:"واللہ مامن بیت فیہ احدمن اھل الدنیاالاملک الموت یقوم علی
بابہ کل یوم سبع مرات ینظرھل فیہ احدامران یتوفاہ رواہ ابن
ابی خاتم "(ابن کثیر، جلد۳، ص۴۵۸)

ترجمہ: خدا کی قسم روئے زمین پر کوئی گھر جس میں دُنیا والوں میں سے کوئی ایک شخص بھی رہتا ہو عزرائیل ؑ ہر روز سات مرتبہ اس گھر کا چکر لگاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کیا اس میں کوئی ایسا آدمی تو نہیں جس کی جان نکالنے کا حکم دیا گیا ہو حضرت مجاہد نے فرمایا:"حویت لہ الارض فجعلت مثل الطست یتناول منھامنی یشآء" (ابن کثیر. ایضاً)

ترجمہ: پوری زمین عزرائیل ؑ کے سامنے تھالی کی طرح ہے جسطرح کھانے والا جب چاہے جہاں سے چاہے تناول کرسکتا ہے اسی طرح عزرائیل جہاں سے چاہیں لے لیتے ہیں، ان احادیث اور آثار سے واضح اور معلوم ہوا کہ روئے زمین پر موجود ہر گھر اور ہر خیمہ عزرائیل ؑ کی نظر میں ہے، اور پوری روئے زمین پر آباد تمام انسانوں کو خواہ کوئی چھوٹا ہو یا

بڑا جانتے اور شناخت کرتے ہیں، اور ہر گھر اور ہر خیمہ جس میں کوئی انسان رہتا ہو دو، پانچ یا سات مرتبہ اس کا چکر لگاتے ہیں، انسان اتنا بہتر اپنے آپ کو نہیں جانتا جتنا عزرائیل ؑ جانتے ہیں، ایک ہی وقت میں روئے زمین پر رہنے والے ہوں یا دریا اور سمندر میں ہزاروں انسانوں کی جان نکالتے ہیں، ایک ہی وقت میں ہزاروں جگہ موجود ہو کر حاضر ہوئے، مرنے والوں اور دیگر زندہ انسانوں کو دیکھنے کی وجہ سے ناظر بھی ہوئے، یہ وہ اُمور ہیں جو احادیث اور آثار سے ثابت ہیں، یہ اُمور شرک نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، ورنہ عزرائیل ؑ تو اپنی مرضی اور اپنی طاقت سے ایک مچھر کی جان نہیں نکال سکتے" خود عزرائیل ؑ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا ہے:

"واللہ یا محمد لو انی اردت ان اقبض روح بعوضۃما قدرت
علی ذالک حتی یکون اللہ ھو الا مرلقبضھا"

ترجمہ: اے محمد ﷺ قسم ہے خدائے وحدہ لاشریک کی اگر میں مچھر کی جان نکالنا چاہوں تو اس وقت تک نہیں نکال سکتا جب تک اللہ تعالیٰ اس کی جان نکالنے کا مجھے حکم نہ دے۔

ملاعلی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"وروءیتہ علی المنبر باالمد نیۃ جیشہ بنھا وند حتی قال لا میرالجیش یا سـاریۃ الجبل الجبل محذرُالہ من وراء الجبل لکمن العد و ھنا لک وسماع ساریۃ کلا مہ ذالک مع بُعد المسافۃ"(شرح فقہ اکبر ص ۹۴)

ترجمہ: حضرت عمر ؓ کا مسجد نبوی کے منبر سے ہناوند کے مقام پر اپنی فوج کو دیکھنا اور پھر امیر لشکر کو یہ ہدایت دینا کہ پہاڑ سے تم پر حملہ ہونے والا ہے، بچو اور تدبیر اختیار کرو، کیونکہ دشمن کا مورچہ اس پہاڑ کے پیچھے تھا، اور حضرت ساریہ کا امیر المومنین ؓ کی آواز کا سننا باوجود یہ کہ دونوں کے درمیان بہت بڑا فاصلہ حائل تھا" حضرت عمر ؓ نے مسجد نبوی کے منبر پر دوران

خطبہ ہناوند جیسے دور دراز علاقہ کو دیکھا، پہاڑ کے پیچھے مورچہ زن دشمن اسلام کو دیکھا اور ان کے حملہ کے منصوبہ کو ملاحظہ فرمایا، امیر لشکر حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو ہدایت دی، امیر لشکر حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی آواز سنی، بلکہ لشکر کے ہر ہر سپاہی نے آپ کی آواز کو سنا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر حاضر اور میدان جنگ کیلئے ناظر ہوئے، حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ سامع ہوئے' یہی ملا علی قاری علیہ الرحمہ نقل فرماتے ہیں:

"وذالک اذا تنور الروح القدسیه وازداد نوریتها واشراقها بالاعراض عن ظلمة والم الحس و تحلیة مرائة القلب عن صداء الطبیعة والمواظبة علی العلم والعمل و فیضان الانوار الالهیة حتی یقوی النور و ینبسط فی فضاء قلبه فتنعکس فیه النقوش المرتسمة فی اللوح المحفوظ و یطلع علی المغیبات و یتصرف فی اجسام العالم السفلی بل یتجلی حینئذ الفیاض الاقدس بمعرفته التی هی اشرف العطایا فکیف بغیرها" (مرقات۔جلد۔ا۔ص۶۲)

ترجمہ: اور اسکی وجہ یہ ہے کہ جب روح انسانی صفات قدسیہ سے متصف ہو، عالم محسوسات کی ظلمت سے اعراض کرے تو روح کی نورانیت اور روشنی میں اضافہ اور زیادتی ہونے لگتی ہے، اور طبیعت کی کثافتوں سے شیشہ دل چمکیلا اور ضیاء بار ہونے لگتا ہے۔ پھر وہ آدمی اپنے علم اور عمل پر پابندی سے کاربند ہو جاتا ہے، اور اس پر اللہ تعالیٰ کے انوار کا فیضان ہونے لگتا ہے۔ یہاں تک یہ انوار اس کے دل پر چھا جاتے ہیں اور دل کے نُور کو اتنی تقویت ملتی ہے کہ لوح محفوظ کے علوم ونقوش اس کے دل میں اتر جاتے ہیں اور وہ اشیائے غائبہ پر مطلع ہوتا ہے اور زمینی کائنات میں تصرف بھی کرتا ہے، بلکہ اس وقت اس کے دل پر انوار باری تعالیٰ کی تجلی ہونے لگتی ہے، کائنات تو رہی درکنار وہ ذات اقدس کا مشاہدہ کرتا ہے۔ ملا علی قاری علیہ الرحمہ کی اس تشریح سے ثابت ہوا کہ:

(۱)۔ نور قدسی کا حامل شخص غیب جانتا ہے (۲) اس نور کا حامل شخص لوح محفوظ کو دیکھتا ہے (۳) اس نور قدسی کا حامل ساری کائنات بلکہ ذات وحدہ لاشریک کا مشاہدہ کرتا ہے (۴) جب انوار خداوندی کی تجلی ہونے لگتی ہے تو زمین کے کونے کونے میں اسکی آمدورفت امر واقعی ہو جاتی ہے (۵) وہ اپنے جسم اصلی یا جسم مثالی کے ساتھ جہاں چاہے جا سکتا ہے اور تصرف بھی کر سکتا ہے، اسی مضمون کی طرف خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"اتقوا فراسة المومن فانه ینظر بنور الله"

ترجمہ: مومن کی فراست ایمانی سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے' اس حدیث کا معنی اور تشریح بیان کرتے ہوئے ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے فرمایا:

"وسببها نور یقذفه الله تعالیٰ فی قلب عبده"

ترجمہ: اس کا سبب وہ نور الٰہی ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل میں پیدا کرتا ہے' ملا علی قاری علیہ الرحمہ مزید فرماتے ہیں کہ:

"قال ابو سلیمان الدارنی الفراسة مکاشفة النفس و معاینة الغیب وهی من مقالات الایمان" (شرح فقہ اکبر ص ۹۵)

ترجمہ: امام ابوسلیمان دارنی نے فرمایا کہ نفس مکاشفہ اور اشیائے غائبہ کے جاننے آنکھوں سے دیکھنے کا نام فراست ہے اور یہ ایمان کے متعلقہ مقالات سے ہے، یعنی بندہ مومن کا دل اور اس کا نفس نور قدسی سے متصف ہوتے ہیں تو کائنات کی ہر شیء اس بندہ مومن پر منکشف ہو جاتی ہے، اور تمام مخفی اور غائب اُمور اس کے علم اور مشاہدے میں آ جاتے ہیں۔ ان تشریحات سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندۂ مومن جو اطاعت الٰہی میں علم وعمل، کا کمال رکھتا ہو حُب رسول، اور اُسوہ رسول کا جمال رکھتا ہو، اس کے دل پر انوار ذوالجلال کی برسات ہوتی ہو، وہ کائنات کو بچشم باطن دیکھتا اور قوت قدسیہ سے مسلح ہو کر جہاں چاہے جا سکتا اور

تصرف کر سکتا ہے" ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے فرمایا

"والروح اذا کانت لطیفة یتبعها الجسد فی اللطافة فتسیر بجسدها حیث شائت و تتمتع بما شائت وتاوی الی ماشاء الله لها کما وقع لبنیا علیه الصلوٰة والسلام فی المعراج ولا تبا عد من الا ولیآء حیث طویت لهم الارض وحصل لهم ابدان مکتسبة متعددة وجدوها فی اما کن مختلفة فی آن واحد والله علی کل شئی قدیر" (مرقات: ج۴ص ۳۱)

ترجمہ: روح اور لطیف ہے اور جب بدن بھی لطیف ہو جائے تو وہ روح جسم سمیت جہاں چاہے سیر کرتی ہے، اور جس سے چاہے لطف اندوز ہوتی ہے، اور جہاں چاہے اپنا ٹھکانہ بنا لیتی ہے، جس طرح ہمارے نبی کریم ﷺ کے لئے معراج میں واقع ہوا ہے، یہ صفت اولیائے کرام سے بھی کوئی بعید نہیں کیونکہ ان کیلئے روئے زمین کو سمیٹا گیا ہے، ان کو تعدد اجسام حاصل ہیں، جو ایک ہی وقت میں کئی مقامات پر موجود ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر پسندیدہ چیز پر قادر ہے

علامہ محمود آلوسی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ:

"ان جبریل علیه السلام مع ظهوره بین یدی النبی علیه الصلوٰة والسلام فی صورة دحیة الکلبی اوغیره لم یفارق سدرة المنتهیٰ" (روح المعانی ج۱۲: ص ۳۷)

ترجمہ: بے شک جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے سامنے دحیہ کلبی یا کسی اور صحابی کی صورت میں حاضر ہوتے تھے، اس کے باوجود وہ سدرة المنتهی پر بھی موجود ہوتے،

رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس تو سب سے زیادہ لطیف ہے بلکہ مخلوق نوری میں بھی آپ سے زیادہ لطیف کوئی مخلوق نہیں آپ کا متعدد مقامات پر ایک ہی وقت میں جلوہ گر ہونا کیوں ممکن نہیں؟ علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

"الجسد مثالی تعلقت به روحه ﷺ المجرد القدسیة، ولا مانع من ان یتعدد

الاجساد المثالی الی مالایحصی من الاجساد مع تعلق روحه القدسیه علیه من الله تعالیٰ الف الف صلوٰة وتحیة بکل جسد منها" (روح المعانی، جلد ۱۲ ص ۳۷)

ترجمہ: آپ کی روح مقدسہ کا تعلق آپ کے جسم مثالی کے ساتھ ہو، ہر ہر مثالی جسم پر اللہ تعالیٰ کروڑوں درود و نازل فرمائے پھر فرمایا: کہ شیخ صفی الدین بن ابی منصور اور شیخ عبد الغفار، نے الشیخ ابو العباس الطنجی سے نقل فرمایا کہ: من انه رای السمآء والارض والعرش والکرسی مملوءة من رسول ﷺ ویخل به السوال عن کیفیة رویة المتعددین له علیه الصلوٰة والسلام فی زمان واحد فی اقطار متباعدة"

ترجمہ: انہوں نے زمین، آسمان، عرش، کرسی کو نور مصطفےٰ ﷺ سے معمور دیکھا، اور اس سے اس سوال کا حل بھی معلوم ہوا کہ متعدد لوگ ایک ہی وقت میں دور دراز زمین کے اطراف میں رسول ﷺ کی زیارت سے کیسے بہرہ ور ہوتے ہیں، علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے ان کا ایک شعر بھی نقل فرمایا ہے:

کاالشمس فی کبدالسماء وضوئها
یغشی البلاد مشارقا ومغاربا

ترجمہ: آپ ﷺ کی مثال کائنات میں حاضر و ناظر ہونیکی اسطرح ہے جیسے آسمان پر سورج ہے، اور اسکی روشنی نے پوری روئے زمین کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، ملا علی قاری علیہ الرحمہ نقل فرماتے ہیں: "وقد ورد ان لموتی یعلمون احوال الا حیاء وما نزل بهم من شده ورخاء" (مرقات جلد ۴ ص ۹۷)

ترجمہ: حدیث میں آیا ہے کہ مردے زندوں کے حالات و واقعات کا علم رکھتے ہیں، ان کی تنگی، تکلیف اور خوشحالی کو بھی جانتے ہیں ثابت ہوا اہل برزخ اہل دنیا کے حالات کو دیکھتے اور

جانتے ہیں جب عام بندۂ مومن دنیا کے حالات واقعات سے باخبر ہے تو رسول ﷺ کو روضہ انوار کے اندر رہتے ہوئے اپنی اُمت کے حالات واقعات کا علم نہیں؟ رہا یہ کہ آپ ﷺ ہر مومن کی قبر میں حاضر ہوتے ہیں، اسکے بارے میں ملا علی قاری علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

"قیل تصور صورته علیه الصلوة والسلام فلیشا راليه"

ترجمہ:۔ آپ ﷺ کی صورت مثالی دکھائی جاتی ہے، اور اسکی طرف "ھذا الرجل" سے اشارہ کیا جاتا ہے، حاشیہ مشکوٰۃ میں ہے:

"قیل یکشف للمیت حتی یرٰی النبی علیه السلام ھی بشری عظیمة"

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ میت کے سامنے سے حجابات اٹھا دیئے جاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ نبی ﷺ کو دیکھتا ہے، مومن کیلئے یہ بہت بڑی خوشخبری ہے۔

شارح بخاری امام ابن حجر علیہ الرحمہ نے فرمایا:

"علی تقدیر صحته یحمتل ان یکون مفیدا لبعض دون بعض" (مرقات جلد ا ص ۱۹۹)

ترجمہ: اگر حجابات کے اٹھائے جانے والا قول صحیح ہو تو پھر اس کا فائدہ بعض مردوں کو ہو سکتا ہے، امام کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ بارگاہ خداوندی اور بارگاہ رسالت کے مقرب ہیں، ان کیلئے حجابات اٹھا دیئے جاتے ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ رسول ﷺ بذات خود بندہ مومن کی قبر میں تشریف فرما نہیں ہوتے، اور یہی اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے۔

مؤلف نے کتابچہ کے ۳۳ پر جو تحریر کیا کہ:

اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ ہر قبر میں آپ ﷺ بنفس نفیس تشریف لیجاتے ہیں غلط ہے، ہدہد کا علم اور نظریہ دیکھئے: "وکون الھد ھد یری الماء تحت الارض رواہ ابن ابی شیبه" (روح المعانی جلد ۱۰ جز ۲ ص ۱۸۲)

ترجمہ: حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہدہد زمین کے نیچے پانی دیکھتا تھا، ایک پرندے کا علم اور اس کا دیکھنا اس کمال کا حامل ہے کہ زمین کی موٹی تہوں کے نیچے پانی دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے، فضا میں موجود یعنی حاضر، اور زمین کے نیچے چھپے اور بہتے ہوئے پانی کیلئے ناظر ہے، ہدہد پرندہ ایک چھوٹا سا جانور ہے، اللہ کی مخلوق ہے اگر وہ ہوا میں اڑتے ہوئے زمین کی تہوں کے نیچے پانی دیکھ لے تو جائز ہے، اگر رسول ﷺ روضہ انور کے اندر موجود ہو کر اپنی اُمت اور اعمال اُمت کو دیکھ لیں تو یہ کیوں ممنوع ہے؟ شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

"وبا چندیں اختلافات وکثرت مذاہب کہ در علمائے اُمت است یک کس را در یں مسئلہ خلافے نیست کہ آنحضرت ﷺ بحقیقت حیات بے شائبہ مجاز و توہم تاویل دائم وباقی است وبر اعمال امت حاضر وناظر، ومر طالبان حقیقت را و متوجہان آنحضرت ﷺ را مفیض ومربی است" (اسلوک اقراب السبل بالتوجه الی سید الرسل، رسالہ ہژدم ص ۹۴-۹۵)

ترجمہ: علمائے اُمت میں اختلافات اور کثرت مذاہب کے باوجود کسی شخص کو اس مسئلہ میں اختلاف نہیں کہ حضور ﷺ بغیر کسی تاویل اور شائبہ مجاز کے اپنی حقیقی زندگی کے ساتھ دائم اور باقی ہیں، امت کے اعمال پر حاضر وناظر ہیں، حقیقت کے طلبگار اور حاضرین بارگاہ کو فیض پہنچاتے اور ان کے مربی ہیں، اور یہی شیخ مجمع البرکات میں فرماتے ہیں: "وے علیہ السلام بر احوال واعمال امت مطلع است ہر مقربان وخاصان درگاہ خود مفیض وحاضر وناظر است"

ترجمہ: حضور ﷺ اپنی امت کے حالات اور اعمال پر مطلع ہیں، اور جو ان کی بارگاہ رسالت میں مقرب اور خاص ہیں، انہیں فیض دیتے اور حاضر وناظر ہیں۔

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: "قال اذار خلت المسجد اقول السلام علیک ایها النبی ورحمة الله وبرکاته" (شفاء جلد دوم)

ترجمہ: جب میں مسجد میں داخل ہوتا ہوں تو کہتا ہوں کہ سلام ہو آپ ﷺ پر اور اللہ کی رحمت

اور برکات، قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر مسجد میں کوئی نہ ہو تو کہو

" السلام علی رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم " (شفاء، ج ۲)

ان حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ رسول ﷺ کی روح مقدسہ تمام مساجد اور مومنین کے گھروں میں موجود ہوتی ہے، جیسا کہ اسکی شرح میں ملا علی قاری ؒ نے فرمایا:

"لان روح النبی علیه السلام حاضر فی بیوت اهل الاسلام ،،

امام غزالی ؒ نے احیاء العلوم جلد اول باب چہارم، فصل سوم نماز کی باطنی شرائط کا تذکرہ فرماتے ہوئے فرمایا:

وقبل قولک السلام علیک ماهو اوفی منه (مرقات۔جلد۔۲۔۲۳۲)

ترجمہ: اے نمازی السلام علیک ایها النبی ورحة الله وبرکاته کہنے سے پہلے آپ ﷺ کی ذات کریمہ کو اپنے دل میں حاضر کر اور اس بات کا پختہ یقین کر کہ تیرا اسلام آپ ﷺ کو پہنچ رہا ہے اور آپ ﷺ اس سے زیادہ کامل اور مکمل سلام دا جواب دے رہے ہیں۔امام غزالی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

"وهم فی یقظتهم یشاهدون الملائکة وارواح الانبیاء ویسمعون منهم اصواتا ویقتبسون منهم فوائد" (المنقذ من الضلال ،روح المعانی ،ج ۲۱ ص ۴۰)

ترجمہ: اولیائے کرام علیہم السلام حالت بیداری میں ملائکہ کو دیکھتے اور ارواح انبیاء علیہم السلام کا مشاہدہ کرتے ہیں، ان کی آوازوں کو سنتے ہیں اور ان سے بے شمار فوائد حاصل کرتے ہیں۔قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی نے اپنی کتاب قانون التاویل میں فرمایا:

"ذهبت الصوفية الی انه اذا حصل الانسان طهارة النفس وتزکية لقلب وقطع العلائق وحسم مواد اسباب الدنيا من الجاه والمال والخلطة با الجنس والاقبال علی الله تعالیٰ بالکلية علما وعملا ،مستمرا کشفت

له القلوب ورای الملائکة وسمع کلامهم واطلع علی ارواح الانبیاء والملائکة وسماع کلامهم" (روح المعانی ۔جلد ۲۱،ص ۴۰)

ترجمہ: صوفیاء کا کہنا ہے کہ جب انسان کو طہارت نفس، تزکیہ قلب، حاصل ہو جائے، جسمانی خرابیوں، دنیاوی مال و مرتبہ کی خواہش، اور لوگوں کے ساتھ میل جول کی محافل سے قطع تعلق کرے، علم اور عمل پر مسلسل کار بند رہے، اور ہمہ تن اللہ تعالیٰ کے حضور متوجہ رہے تو اس کو دل کا کشف حاصل ہوتا ہے، وہ فرشتوں کو دیکھتا ہے انکی گفتگو کو سنتا ارواح انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ پر مطلع ہوتا اور ان کا کلام سنتا ہے، جب آپ ﷺ کے غلاموں کا یہ حال ہے کہ وہ ملائکہ کرام کو دیکھتے اور ان کی گفتگو کو سنتے اور ان سے فوائد کثیرہ حاصل کرتے ہیں، تو نبی کریم ﷺ کیلئے اُمت کو دیکھنا اور ان کے اعمال پر حاضر و ناظر ہونا کیسے محال اور ناممکن ہے۔

فرشتہ اعمال، اعمال انسانی پر حاضر و ناظر ہے، حافظ ابن کثیر علیہ الرحمہ نے نقل فرمایا:

"ای المدبر لهذه الامور الذی هو شهید علی اعمال عباده یرفع الیه جلیلها او حقیرها صغیرها وکبیرها" (ابن کثیر جلد ۳ ص ۴۵۷)

یعنی ان امور کی تدبیر پر مامور فرشتہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے اعمال پر حاضر و ناظر ہے، عمل جلیل ہو یا حقیر، صغیر ہو یا کبیر وہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کر کے دیوان اعمال میں جمع کرا دیتا ہے،، مزید فرمایا: "وترفع الاعمال الی دیوانها سماء الدنیا مسافة ما بینها وبین الارض مسیرة خمسمائة سنة وسمک السماء خمس مائة سنة

ومک السماء خمسائة سنة"

ترجمہ: بندوں کے اعمال دیوان اعمال میں اُٹھائے جاتے ہیں، اور یہ دیوان یعنی دفتر اعمال آسمان دنیا کے اوپر ہے، زمین اور آسمان کی درمیانی مسافت پانچ سو سال کی ہے، اور آسمان کی درمیانی مسافت بھی پانچ سو سال کی ہے، مجاہد، قتادہ اور ضحاک کا قول ہے کہ یہ ہزار برس کی

مسافت ایک آنکھ جھپکنے کی دیر میں طے کرتا ہے، الفاظ یہ ہیں:

"ولکنه یقطعها فی طرفة عین ولهذا قال تعالیٰ فی یوم کان مقداره الف سنة مما تعدون" (ابن کثیر جلد۳ ص ۴۵۷)

ثابت ہوا اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو چشم زدن میں ہزار سال کی مسافت طے کرنیکی قوت دے رکھی ہے، مندرجہ بالا تمام عبارات، تصریحات سے روز روشن کی طرح ثابت اور واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو، حاضر وناظر ہونیکی طاقت دے رکھی ہے، مخلوق خواہ نبی مرسل ہو یا مقرب فرشتہ اس کیلئے اس صفت کو ثابت کرنا شرک نہیں، رسول ﷺ کی ذات گرامی تو اس سے کہیں ارفع اور اعلیٰ ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ نے فرمایا: "وکذالک للعبد اذا واظب علی الطاعات بلغ المقام الذی یقول اللہ تعالی کنت له سمعا وبصرا فاذا صار نور جلال اللہ سمعا له سمع القریب والبعید واذا صار ذالک النور بصرا له رای القریب والبعید واذا صار ذالک النور یدا له قدر علی التصرف فی الصعب والسهل والقریب والبعید" (کبیر. جلد. ۲۱. ۹۱)

ترجمہ: اسی طرح جب بندہ نیکیوں پر ہمیشگی کرتا ہے تو وہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے "کنت له سمعا وبصرا" فرمایا ہے جب اللہ کے جلال کا نور اسکی سمع ہوجاتا ہے تو وہ دور ونزدیک کی آوازوں کو سننے لگ جاتا ہے اور جب یہی نور اس کی بصر ہوجاتا ہے تو وہ دور ونزدیک کی چیزوں کو دیکھنے لگ جاتا ہے، اور جب یہی نور جلال اس کا ہاتھ ہوجاتا ہے تو وہ مشکل اور آسانی میں دور اور قریب تصرف کرنے پر قادر ہوجاتا ہے، جب اولیائے کاملین کی یہ شان ہے جو ذات، ذات باری تعالیٰ کی ذات وصفات کی مظہر ہے اسکی کیا نشان ہوگی؟ جنہوں نے خود ارشاد فرمایا:

"انی اریٰ مالا ترون، واسمع مالا تسمعون" (ترمذی، ابن ماجہ، مشکوۃ ص ۴۵۷)

مؤلف نے کتابچہ کے ص "۵۵" پر رسول ﷺ کے ہر جا حاضر وناظر نہ ہونیکے دلائل کے عنوان سے تحریر کیا کہ آپ ﷺ کی زندگی کے تین دور ہیں۔

پہلا دور: وہ ہے جبکہ ابھی تک آپ ﷺ کی روح جسم اقدس میں جلوہ گر نہیں ہوئی تھی، جواب یہ اہل سنت وجماعت کا عقیدہ نہیں، بلکہ یہ کہنا تحریر کرنا عقل ونقل کے خلاف ہے۔ عقل کے خلاف اسطرح ہے کہ حاضر وناظر ہونیکے لئے روح وجسم کا ہونا ضروری ہے، جب روح ہے ہی نہیں تو حاضر وناظر کیا؟ معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے عقل وشعور سے دور رہ کر یہ تحریر کیا ہے۔ دوسرا دور: جبکہ آنحضرت ﷺ نے ظاہر ہوکر غیر آباد دنیا کو آباد کیا، اور آپ ﷺ نے اپنے وجود مسعود سے کائنات کو مستفیض فرمایا۔

جواب: یہ درست ہے کہ آپ ﷺ نے ذات، صفات اور منصب نبوت ورسالت سے کائنات کے ذرّے ذرّے کو مستفیض فرمایا اور اللہ تعالیٰ کیطرف سے بطور انعام واکرام "وما ارسلنک الا رحمته العالمین" کا لقب حاصل کیا اور اسی دور کیلئے آپ ﷺ کو حاضر وناظر بنا کر بھیجا گیا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "انا ارسلنک شاهدا ومبشرا وداعیا الی اللہ باذنه وسراجا منیرا (۲) ویکون الرسول علیکم شهیدا (۳) وجئنا بک علی هؤلآء شهیدا"

اور اس عنوان میں احادیث مبارکہ اور اقوال علماء کا ایک قابل قدر ذخیرہ پہلے نقل ہوچکا ہے اسی سے ہی استفادہ کیا جائے۔

تیسرا دور: وہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے دنیا سے رخصت ہوکر عالم برزخ میں قدم رکھا، اس دور میں بھی آپ ﷺ حاضر اور ناظر ہیں، آپ ﷺ دنیاوی حیات اور اوصاف ولوازمات کے ساتھ روضہ اطہر میں زندہ ہیں اور اعمال امت پر حاضر وناظر ہیں۔ تفصیلی بحث اور دلائل

پہلے ذکر ہو چکے ہیں، مؤلف کا دعوی غلط اور بے بنیاد ہے، فقہاء کرام کے نزدیک یا حاضر یا ناظر کہنا کفر نہیں یعنی نبی کریم ﷺ کو یا حاضر، یا ناظر کیا جائے تو یہ کفر نہیں کیونکہ صاحب درمختار نے فرمایا: "یا حاضر یا ناظر لیس بکفر" (جلد ۴ ص ۲۵۹)

اس پر علامہ ابن عابدین الشامی علیہ الرحمہ نے فرمایا: "فان الحضور بمعنی العلم شائع" کیونکہ حضور کا معنی مشہور علم ہے، جیسے ارشاد باری تعالی ہے:

"مایکون من نجوی ثلاثۃ الا ھو رابعھم"

ترجمہ: نہیں ہوتا تین کا مشہور مگر اللہ کا چوتھا ہوتا ہے، یعنی اللہ تعالی کو ان تینوں کے مشورے کا علم ہوتا ہے "والناظر بمعنی الرؤیۃ" ناظر دیکھنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، جیسے ارشاد باری تعالی ہے: "الم یعلم بان اللہ یری فالمعنی یا عالم من یری" (بزازیہ)

ترجمہ: کیا نہیں جانتا کہ اللہ دیکھتا ہے پس اس کے معنی یہ ہوئے کہ اے عالم اے دیکھنے والے

خلاصہ یہ ہے کہ حاضر کا معنی عالم ہے، اور ناظر کا دیکھنے والا ہے۔

اپنی اُمت کے احوال و واقعات کے آپ ﷺ عالم بھی ہیں، اور دیکھنے والے بھی ہیں دلائل پہلے دیئے جا چکے ہیں، انبیائے سابقین کے حالات و واقعات قرآن نے بیان کئے، اور اللہ تعالی نے قرآن آپ ﷺ کو سکھایا، اس طرح اللہ تعالی نے انبیائے سابقین کے حالات و واقعات کا علم آپ ﷺ کو دیا، جیسا کہ خود اللہ تعالی نے آپ ﷺ کیلئے فرمایا: "ذالک من انباء الغیب وما کنت لدیھم الایۃ" آپ ﷺ اپنے وجود مسعود کے اعتبار سے اس وقت موجود نہ تھے، مگر اللہ تعالی نے بذریعہ وحی ان کا علم عطا فرمایا لہذا آپ ﷺ ان حالات و واقعات کے عالم ہوئے، یہ معنی حضور کا ہے، یعنی علمی اعتبار سے اب تشریف آوری کے بعد عالم ہیں، اور ناظر اس اعتبار سے ہیں کہ ابتدائے خلق سے لے کر قیام قیامت تک ہر شیء کا آپ ﷺ کو مشاہدہ اور معائنہ کرایا گیا ہے، جیسا کہ دارمی اور ترمذی میں آپ ﷺ کا یہ فرمان

"فعلمت مافی السموٰت والارض فتجلی لی کل شیء" بطور دلیل موجود ہے

انبیائے سابقین کے زمانہ میں آپ ﷺ کا موجود ہونا محال شرعی ہے، کیونکہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں، جب اللہ نے آپ ﷺ کو انبیائے سابقین کے حالات بتا دیئے تو آپ ﷺ ان کیلئے عالم ہیں، بقول علامہ شامی علیہ الرحمہ حضور علم کے معنی میں مشہور ہے تو آپ ﷺ حاضر بھی ہوئے، حضور اور علم کے درمیان لفظی اور معنوی تعلق ہے۔

مؤلف نے دوسرے دور: میں تحریر کیا کہ اللہ تعالی نے سورہ نبی اسرائیل میں (۱) اسری (۲) لنریہ فرما کر آپ ﷺ کے حاضر و ناظر ہونیکی نفی فرمائی ہے۔

جواباً کہا جائیگا کہ مؤلف کو اہل سنت کا عقیدہ سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے، اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ آپ ﷺ ساری کائنات کو ملاحظہ فرماتے ہیں، اپنی اُمت کے حالات اور اعمال پر مطلع ہیں، روئے زمین کف دست کیطرح آپ ﷺ کے سامنے جیسا کہ آپ ﷺ نے خود فرمایا: "ان اللہ زوی لی الارض فرایت مشارقھا ومغاربھا"

اور آپ ﷺ جہاں جانا چاہیں جا سکتے ہیں، آپ ﷺ اپنے وجود مثالی کے ساتھ متعدد مقامات پر تشریف فرما ہو سکتے ہیں، تفصیل پہلے آ چکی ہے دیکھ لی جائے، دور ثالث کی دلیل جو فتاوی عالمگیریہ سے نقل کی ہے اس کا جواب بھی پہلے تفصیل کے ساتھ نقل ہو چکا ہے، اور معتبر فتاوی اور جید فقہائے کی عبارات سے ثابت کیا گیا ہے وہ شخص کافر نہیں ہوگا۔

مؤلف نے کتابچہ کے ص ۶۳ پر السلام علیک ایھا النبی

کے تحت جوابات کے ضمن میں تحریر کیا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

"کہ اگر گویند کہ خطاب حاضر را بود و آنحضرت ﷺ دریں مقام نہ حاضر است پس توجیہ ایں خطاب چہ باشد جوابش آنست کہ چوں ورود ایں کلمہ دراصل یعنی شب معراج بصیغہ خطاب بود

دیگر تغیرش ندادند و بر ہماں اصل گزاشتند"

ترجمہ: اگر کہیں کہ خطاب تو حاضر کو ہوتا ہے، اور آپ ﷺ اس مقام میں حاضر نہیں، تو اس خطاب کی توجیہ کیا ہوگی؟

جواب اسکا یہ ہے کہ یہ کلمہ دراصل شب معراج میں صیغہ خطاب وارد ہوا ہے، اور اس کو اسی پر برقرار رکھا گیا،

اقول: یہی شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی مشہور کتاب اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ، کتاب الصلوۃ، باب التشہد اور مدارج النبوت جلد اول باب پنجم ذکر فضائل آنحضرت ﷺ میں نقل فرماتے ہیں: "کہ وبعضے عرفاء گفتہ اند کہ ایں خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ است در ذرائر موجودات وافراد ممکنات پس آنحضرت ﷺ در ذوات مصلیان موجود وحاضر است پس مصلی را باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد وازیں شہود غافل نہ بود تا انوار قرب واسرار معرفت منور وفائز گردد"

ترجمہ: بعض عارفین نے کہا ہے کہ التحیات میں یہ خطاب اسلئے ہے کہ حقیقت محمدیہ موجودات کے ذرہ ذرہ میں اور ممکنات کے ہر ہر فرد میں سرایت کئے ہوئے ہے، پس حضور ﷺ نمازیوں کی ذات میں موجود اور حاضر ہیں، نمازی کو چاہیے کہ اس معنی سے آگاہ رہے اور اس شہود سے غافل نہ ہو تاکہ قرب کے نور اور اسرار معرفت سے کامیاب ہو۔

مؤلف: نے جو عبارت نقل کی اس سے یہ ثابت کیا کہ شیخ محقق کا عقیدہ رسول ﷺ کے حاضر ہونے کے بارے میں منفی اور انکار پر مبنی ہے جبکہ شیخ کا عقیدہ رسول ﷺ کے حاضر وناظر ہونے کے بارے میں مثبت اور اقراری ہے، بلکہ شیخ محقق نے اپنی ہر دو کتب، میں صاف تحریر فرمایا ہے۔ موجودات اور ممکنات کے ذرے ذرے میں آپ ﷺ کی حقیقت جلوہ گر اور ہر نمازی کے وجود میں موجود ہے، نمازی کو اپنی ذات میں حاضر وناظر جان کر السلام علیک ایہا النبی کہنا چاہیے، تنویر الابصار میں ہے:" ویقصد بالفاظ التشھد الا نشاء"

ترجمہ: التحیات کے الفاظ پڑھتے وقت نمازی کا ارادہ شب معراج کا واقعہ بطور حکایت نہیں ہونا چاہیے، بلکہ ارادہ انشاء ہونا چاہیے، یعنی نمازی کا ارادہ یہ نہیں ہونا چاہیے چونکہ یہ التحیات شب معراج اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے درمیان ہوا تھا میں اسکو قصہ، واقعہ اور حکایت کے طور پر پڑھ رہا ہوں، بلکہ یہ ارادہ کرکے پڑھنا چاہیے کہ یہ واقعہ التحیات ابھی ہو رہا ہے،، اور میں رسول ﷺ کو حاضر اور ناظر جان کر السلام علیک ایہا النبی کہہ رہا ہوں۔

درمختار میں ہے کانہ یحیی اللہ تعالی اپنے نبی کو زندہ کرکے ان پر سلام بھیج رہا ہے اور، حضور ﷺ بحالت حیات اپنے آپ اور اپنے دوستوں، اللہ کے نیک بندوں پر سلام فرما رہے ہیں، صاحب درمختار نے فرمایا:

"ظاھرہ ان ضمیر علینا للحاضرین لا حکایۃ سلام اللہ تعالی"(ایضا)

بہرحال شیخ محقق عبدالحق دہلوی اور فقہائے کرام کے اقوال سے ثابت ہوا کہ نمازی کو السلام علیک یاایہا النبی کہنے کے وقت سے رسول ﷺ کی ذات اقدس کو حاضر وناظر ماننا پڑیگا

مؤلف: کتابچہ نے ص ۴۶ پر تنبیہ کے عنوان میں تحریر کیا ہے کہ قرآن میں یا فرعون مثبورا وارد ہے اس میں یا فرعون کا معنی ہے کہ اے فرعون، سب لوگ حرف ندا جو حاضر کیلئے ہے کے ساتھ پڑھتے ہیں، کیا اس سے فرعون کا حاضر وناظر ثابت ہو جائے گا؟

اقول: مؤلف نے الفاظ قرآنیہ سے معارضہ کرنے کی کوشش کی ہے مگر یہ کوشش فضول اور بے بنیاد اور کم علمی کی پیداوار ہے(۱) نمازی السلام علیک ایہا النبی کہنے سے پہلے ذات رسول ﷺ کو ارادتاً حاضر جان کر کہے گا، اور یہ ارادہ کرے گا کہ میں واقعہ معراج میں سلام کا

واقعہ بطور حکایت نہیں پڑھ رہا جبکہ یہ سمجھ کر کہہ رہا ہوں کہ یہ سلسلہ سلام وکلام ابھی ہو رہا ہے جیسا کہ درمختار کی عبارت سے واضح ہے۔ اوریافرعون مثبورا کی صورت حکایت کی ہے، مسلمان دن ورات میں کم ازکم پانچ مرتبہ **السلام علیک ایھا النبی** کہنے کے پابند ہیں جبکہ تلاوت قرآن سنت ہے پھر ذکر فرعون سے شریعت محمدیہ کا کوئی فرض، نفل سنت وابستہ نہیں، اسکو حاضر وناظر کرنے، سمجھنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ جبکہ دوران نماز الفاظ تشہد پڑھنا واجب ہے، بوقت تشہد علمائے اُمت نے حکایت کی بجائے انشاء کا قول کیا اور حکم دیا ہے کہ جو نماز کے ساتھ مختص ہے فرعون کے حاضر وناظر جاننے ماننے کی کیا ضرورت اور کیا مجبوری ہے۔

۲) مؤلف کا یہ کہنا کہ حرف ندا (یاء) حاضر کیلئے ہے، غلط ہے بلکہ یاء ندائے قریب، ندائے بعید اور ندائے متوسط کیلئے وضع ہے۔ علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''یاء حرف لا اسم فعل علی الصحیح وضع لنداء البعید، وقیل لمطلق النداء او مشترکة بین اقسامه'' (روح المعانی .جلد اول ص ۱۸۱)

ترجمہ: یا حرف ہے اسم، فعل نہیں یہی صحیح ہے۔

۲) اسکی وضع ندائے بعید کیلئے ہے، یعنی جو غائب اور دور ہو،

۳) یا قریب، بعید اور متوسط کیلئے ہے امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے فرمایا: یاء ندائے بعید کا حرف ہے، یعنی دور کے آدمی کو پکارنے کے واسطے ہے (اتقان) یلموضوع است برائے ندائے قریب، وبعید ومتو سط وزمحشری گفته کو موضوع است برائے بعید حقیقی یا حکمی،، (شرح مائۃ عامل، فوائد رفیعہ)

خلاصہ یہ ہے کہ یا فرعون مثبورا ہیں بندوں کے لحاظ سے بعید کیلئے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کے لحاظ سے قریب کیلئے سے مسلمان بطور حکایت یا فرعون مثبورا پڑھتے ہیں، التحیات میں **السلام علیک یاایھا النبی** کہنے سے پہلے نبی کریم ﷺ کی ذات کو حاضر وناظر جان

کر پڑھنے کا فرمایا گیا ہے، لہذا یہاں یا قریب کیلئے ہے۔

مؤلف: نے جواب نمبر۲، میں تحریر کیا کہ اگر مقصود انشاء ہو تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا یہ سلام آپ ﷺ تک فرشتے پہنچاتے ہیں اسلئے کلمات خطاب اور نداء سے پڑھا جاتا ہے،،

(ص ۶۴، ۶۵)

اقول: مؤلف نے علمائے اُمت کے فرمودات پڑھے بغیر یہ کہہ دیا ہے کہ اگر مقصود انشاء ہو تو پھر فرشتے سلام پہنچاتے ہیں، عبدالحق محدث دہلوی کا قول اشعۃ اللمعات اور مدارج النبوت سے صاحب تنویرالابصار کا قول تنویرالابصار سے اور صاحب درمختار کا قول درمختار سے ملا علی قاری کی مرقات، امام غزالی کی احیاء العلوم سے نقل ہو چکا کہ حضور ﷺ کو نمازی اپنے اندر حاضر جان کر سلام عرض کریگا۔ اور بقول شیخ محقق کہ

''پس آنحضرت ﷺ در ذوات مصلیان موجود وحاضر است''

تو پھر فرشتے سلام کیوں پہنچائیں اس وقت نمازی براہ راست سلام پیش کرتا ہے فرشتوں کے واسطے کی کیا ضرورت ہے، بوقت تشہد حضور ﷺ کو حاضر وناظر جاننا مخصوص مقام، مخصوص وقت مخصوص آدمی مخصوص الفاظ کے ذریعے سے ہے، اور یہ اُمور شرعیہ توقیفیہ ہیں، ما اور شما کی سوچ فکر، اور علمی کاوش سے بلند وبالا ہیں، علمائے اُمت قرآن وحدیث کی گہرائیوں میں اُترے، علوم وفنون کی دنیا کو چھان مارا، ایمان، اعتقاد اور عمل کی بھینٹ چڑھے، تصوف اور روحانیت کی جگہوں کی خاک اُڑائی، روح نماز کی عظمت میں دم بخود ہوئے، اجابت وقبولیت کی فکر میں جاں بلب ہوئے، توحید ورسالت کے سمندر ناپیدا کنار میں غوطہ زن ہوئے، ہدایت یزدانی سے ہمکنار اور ذات نبوی سے قرب کے بعد فرمایا: کہ تشہد کو محض حکایت کے طور پر نہیں بلکہ واقعہ جدیدہ کا انشاء کر کے پڑھا جائے، رہا دوستوں، بھائیوں، اور رشتہ داروں کو

بصیغائے خطاب خطوط لکھنا، یہ ایک امر عرفہ اور عادی ہے جو اُمور شرعیہ کیلئے وجہ استدلال یا موجب حجت نہیں خط لکھنے والا اپنے تصور اور تخیل میں شخص غائب کو حاضر تصور کر کے بذریعہ تحریر اس سے ہم کلام ہو جاتا ہے کیا غائب شخص کو بدوں خطاب خط لکھنے کا کوئی اور بھی طریقہ ہے؟ غائب شیخ کو خطاب کیا جا سکتا ہے دیکھئے سورہ بقرہ میں رسول ﷺ کے دور کے یہود کو مخاطب کر کے فرمایا: اور تقریباً زیادہ تر خطابات اور واقعات انہی کے بیان فرمائے گئے ، حالانکہ یہ اس وقت موجود نہ تھے، خلاصہ یہ ہے کہ غائب کو حاضر جیسے الفاظ سے خط لکھنا امر عرفی اور امر عادی ہے رسول ﷺ کو تشہد کے وقت حاضر و ناظر جاننا امر شرعی اور تعبدی ہے دونوں کے درمیان کوئی مماثلث نہیں۔

☆☆☆☆☆

مفاتیح الغیب خمس

مؤلف: نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ص نمبر ۲۹ پر نقل کی جو اس طرح سے ہے، "ان رسول اللہ ﷺ قال مفاتیح الغیب خمس لا یعلمها الا اللہ ولا یعلم متی یاتی المطر احد الا اللہ ولا تدری نفس بای ارض تموت، ولا یعلم متی تقوم اساعته الا اللہ" (صحیح البخاری جلد ۲ ، ص ۶۸۱)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ مفاتیح الغیب (غیب کے خزانے) پانچ ہیں، جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

۱۔ اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں کہ کل کیا ہوگا؟

۲۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ ارحام میں کیا ہے؟ (نر ہے، مادہ سفید یا سیاہ وغیرہ)

۳۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب آئے گی؟

۴۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب آئیگی؟

۵۔ اور کسی جاندار کو معلوم نہیں کہ وہ کہاں مرے گا؟

فائدہ کے تحت لکھا کہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پانچ علوم کے جاننے میں اللہ تعالیٰ منفرد ہیں۔ اور اس کے سوا ان چیزوں کا علم اور کسی کو نہیں، نہ کسی برگزیدہ پیغمبر کو اور نہ کسی مقرب فرشتے کو، اور یہ عقیدہ دین میں اتنا ضروری اور اس قدر واضح ہے۔ اور قطعی ہے۔ کہ اس کی مخالفت کرنے والا قرآن کا منکر سمجھا گیا ہے۔ چنانچہ امام زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"من ادعی انه یعلم شیا من هذه الخمس فقد کفر القران العظیم"

(عمدة القاری شرح صحیح البخاری ص ۱۶۱ : ج ۷)

اقول: غیب مصدر ہے اور یہ غابت الشمس سے ماخوذ ہے کہ جب سورج غروب ہو جائے۔ تو

کہا جاتا ہے غابت الشمس اور غیب کا لفظ اس مخفی شیء کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ جس پر کوئی قرینہ دلیل قائم نہ ہو، اور اسکو غائب اسلئے کہا گیا ہے کہ وہ لوگوں سے غائب ہے۔ اللہ تعالیٰ سے کوئی شیء غائب نہیں ہے، اس پوشیدہ چیز کو مخلوق سے اوجھل اور غیر محسوس ہونے کی وجہ سے شیء غائب کہا جاتا ہے، قرآن حکیم نے بھی ارشاد فرمایا: "وعنده مفاتيح الغيب الايه"

علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"عالم الغيب فلا يظهه على عنه احد الا من ارتفى من رسول ،مانصه و على كل فالحواص يجوز ان يعلم الغيب فى قضية اوقفايا لا يكفرو محمل ما فى الروضة ومن ادعى علمه فى سائر القفايا يكفر ومحمل ما فى اصلها ،فالا وجه ما اقتضاه كلام النووى من عدم الكفر"

ترجمہ: اللہ ہی غیب کا جاننے والا ہے، وہ اپنے عیب خاص پر عوام الناس میں سے کسی کو مسلط نہیں فرماتا ہاں اپنے پسندیدہ رسولوں میں سے جس کو چاہے اپنے غیب خاص پر مطلع فرماتا ہے ۔یہ نص ہے کہ خواص کیلئے بعض امور غائبہ کا علم رکھنا جائز ہے اور یہ کہنا کہ خواص رسول ﷺ وہ علم غیب جانتے ہیں جو غیب اللہ تعالیٰ کیلئے مختص ہے کفر نہیں، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی فرمایا ہے، کہ خواص یعنی رسول ﷺ کیلئے ان پانچ امور میں سے بعض کا علم ثابت کرنا کفر نہیں، علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہوئے علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"لعل الحق ان يقال ان علم الغيب المنفى عن عنيره جل وعلاهو ما كان للشخص لذاته اى بلاوا سطة فى ثبو ته له" (روح المعانی جز ۲۰: ص ۱۱)

ترجمہ: حق بات یہ ہے کہ یوں کہا جائے، عقیدہ رکھا جائے کہ جس غیب کہ اللہ کے سوا مخلوق سے نفی کی گئی ہے، وہ غیب ہے جو بلا وسطہ ثابت کیا جائے اور اسکی ذات کے اعتبار سے مانا جائے یعنی یہ ذاتی طور پر جانتا ہے، اگر غیر خدا یعنی انبیاء کرام، بالخصوص رسول ﷺ کیلئے جو

بھی غیب ثابت کیا جاتا ہے۔ وہ بالواسطہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم غیب کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہے۔ اور اس غیب جاننے والے کو منکر قرآن یعنی کافر کہنا غلط ہے۔ امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب قواطع الاسلام میں نقل فرمایا جیسا کہ روح المعانی میں ہے: "ففى بيان قواطع الاسلام تا ليف العلا مة ابن حجر بعد الردعلى من أكفر من قيل له أ تعلم الغيب فقال نعم" (روح المعانی)

قواطع الاسلام، جو علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے۔ اس میں ہے کہ ایک شخص سے پوچھا گیا کہ تم غیب جانتے ہو تو اس نے جواب دیا کہ ہاں میں جانتا ہوں اسکو کافر نہیں کہا جائیگا، ان مفسرین اور محدثین کی تصریحات سے ثابت ہوا کہ غیب خاص جو اللہ تعالیٰ کے لیے مختص ہے۔ اس کا رسول ﷺ کیلئے ثابت کرنا کفر یا انکار قرآن نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے واضح اعلان فرمادیا کہ وہ اپنے غیب خاص طور پر عوام الناس کو نہیں بلکہ پسندیدہ رسولوں میں سے جسکو چاہے مطلع فرماتا ہے، علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قال القسطلا نى ذكر رسول ﷺ خمسا وان كان الغيب لا متنا هى لا ن العدد لا ينفى زائداعليه ولانّ هذه الخمسه هى التى كا نوا يدعون علمها ،وفى التعليل الاخير نظر ،وانه يجوز ان يطلع اللّٰه تعالى بعض اصفيا ئه على احدى هذه الخمس ويرزقه عزوجل العلم بذالك فى الجملة وعلمها الخاص به جل وعلا ما كان على وجه الا حا طة والشمول لاحوال الكل منها وتفصيله على وجه الا تم"

ترجمہ: امام ابن حجر قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، کہ غیبوں کی کوئی انتہا نہیں لیکن رسول ﷺ نے صرف پانچ غیبوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جن کے متعلق وہ مشرکین سوال کیا کرتے تھے۔ امام نے جو آخری وجہ بیان کی ہے، وہ محل نظر ہے۔ اس لئے کہ یہ جائز ہے اللہ تعالیٰ اپنے بعض پسندیدہ

اشخاص کو ان پانچ غیبوں میں سے کسے ایک غیب پر مطلع فرمائے، اور کسی وقت بھی وہ علم اس
عطا فرمادے۔ اور جو علم اللہ تعالیٰ کیلئے مختص ہے۔ وہ علم ان میں ہر ایک کیلئے محیط اور ہر ایک
حالات اور کیفیات کو شامل ہے۔ اور اسکی مکمل تفصیل اللہ ہی کو معلوم ہے۔ علامہ محمود آلوسی رحمۃ
اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''وفی شرح المناوی الکبیر للجامع الصغیر فی الکلام
علی حدیث بریدۃ اسابق ،خمس لایعلمھن الا اللہ علی وجہ الاحاطۃ
والشمول کلیا وجزیا فلا ینافیہ اطلاع اللہ تعالی بعض خواصہ علی
المغیبات حتی من ھذہ الخمس لانھا جزیات معدودۃ وانکار المعتزلۃ
لذالک مکابرۃ'' (روح المعانی ج،۲۱،ص ۱۲)

شرح مناوی کبیر میں منقول ہے کہ حدیث بریدہ جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ کہ پانچ امور کا علم
للہ کے سوا کسی کو نہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر ہر کلی اور ہر ہر جزی کو محیط اور ان
شتمل ہے۔ مفصل ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندے کو یعنی رسول ﷺ جو بعض امور پر
طلع فرمائے، بلکہ اگر ان پانچ امور میں سے عطا فرمادے تو یہ اس کے منافی نہیں، یہ تو چند
ب ہیں، فرقہ معتزلہ کا انکار کرنا کہ یہ پانچ غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ڈھٹائی اور سینہ
ری ہے، مندرجہ بالا عبارات سے ثابت ہوا۔ کہ اللہ کا علم محیط اور کائنات کی ہر ہر شئے کو
ل ہے۔ اور وہ ذاتی علم ہے، اسی طرح ان پانچ امور کا علم جو ذاتی اور تفصیلی ہے۔ وہ اللہ ہی
یلئے مختص ہے۔ لیکن یہ بھی جائز ہے، ممنوع یا کفر نہیں کہ اللہ ان عیوب خمسہ کا علم یا ان میں سے
ی ایک غیب کا علم اپنے خاص بندوں کو عطا فرمادے، اور شرح مناوی سے یہ بھی ثابت ہوا
مطلقاً رسول ﷺ سے ہر قسم کے غیب کی نفی کرنا اہل سنت و جماعت کا عقیدہ نہیں بلکہ فرقہ
معتزلہ کا ہے۔ علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفاء اور
سطلانی نے مواہب اللدنیہ میں رسول ﷺ کہ بے شمار اخبار بالغیب کو نقل فرمایا ہے

لامہ محمود رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا

''وذکر القسطلانی انہ عزوجل اذا امر بالغیث وسوقہ الی ماشاء من
الاماکن علمتہ الملائکۃ المؤکلون بہ ومن شاء سبحانہ من خلقہ عزوجل
وکذا اذا اراد تبارک وتعالی خلق شخص فی رحم یعلم سبحانہ الملک
المؤکل بالرحم بما یرید جل وعلا کما یدل علیہ مااخرجہ التجادی عن
انس بن مالک عن النبی ﷺ قال ان اللہ تعالی وکل بالرحم ملکا یقول
یارب نطفۃ، یا ربّ علقۃ یاربّ مصنغۃ فاذا اراد اللہ تعالی ان یقضی خلقہ قال
اذکر ام انثی ،شقی ام سعید فما الرزق والاجل ،فیکتب فی بطن امہ
فحینئذ یعلم بذالک الملک ومن شاء اللہ تعالی من خلقہ عزوجل'
' (روح المعانی جز ۲۱، ص ۱۱۲)

ترجمہ: امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ بارش برسانے کا حکم فرماتا ہے۔ مامور
فرشتوں کو ان جگہوں کا علم ہوتا ہے۔ کہاں کہاں بارش برسانی ہے۔ جس مخلوق پر اور جس جگہ
برسانی مقصود ہوتی ہے۔ فرشتے وہاں بارش برساتے ہیں، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ رحم میں ہر
شخص انسان کو پیدا کرنا چاہتا ہے، تو رحم پر مامور فرشتوں کو اس کے متعلق بتادیتا ہے۔ وہ فرشتہ
کہتا ہے کہ رحم میں نطفہ ہے، اے میرے پروردگار! اب جما ہوا خون ہے، پھر کہتا ہے، اے
میرے ربّ! اب بوٹی ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ اس کو مکمل پیدا کرنا چاہتا ہے، تو فرشتہ کو بتادیتا
ہے۔ مامور فرشتہ عرض کرتا ہے، اے میرے ربّ! یہ مذکر ہوگا یا مونث، بد بخت ہوگا یا نیک
بخت ہوگا اس کا رزق کیا ہوگا؟ اور یہ کتنی زندگی پائے گا، یہ سب کچھ شکم مادر میں ہی لکھ دیا جاتا
ہے۔ اس تحریر کے بعد اس مخلوق کی نسبت فرشتے اور باقی لوگوں کا علم ہوتا ہے۔ ان تمام امور
کے باوجود اور ان علوم ملائکہ کے باوجود وہ اس علم غیب جو خاصہ خداوندی ہے۔ کہ ساتھ کوئی

منافات اور تعارض لازم نہیں آتا کیونکہ امور خمسہ کا علم جو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ وہ ذاتی، تفصیلی اور غیر متناہی ہے۔ بارش کے معاملات کا علم اور تخلیق انسانی کے مراحل، نیک و بد ہونے کا علم، مصدر رزق اور روزی کے ذرائع کا علم، زندگی کا تعین کہ اسکی عمر کتنے سال، کتنے مہینے اور کتنے دن ہوگی کس حال میں فوت ہوگا؟ یہ سب اللہ کے بتانے سے ہی معلوم ہیں، گویا یہ جملہ علوم متناہی اور عطائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علم ذاتی تفصیلی کے ساتھ ان علوم کا کوئی ٹکراؤ نہیں۔

امام حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''من ادعی علم شیء من الخمس غیر مستدہ الی رسول ﷺ کان کاذباً فی دعواہ'' (روح المعانی، جز ۲۱، ص ۱۱۲)

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری شرح بخاری میں امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرمایا کہ جس شخص نے رسول ﷺ کا واسطہ چھوڑ کر اپنی طرف سے دعویٰ کیا کہ وہ ان غیوب خمسہ میں سے بعض اُمور کا عالم ہے۔ وہ شخص اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ یعنی اگر کوئی رسول ﷺ کی ذات کو چھوڑ کر، یا آپ کے واسطہ کو بتائے بغیر یہ دعویٰ کرے تو وہ اس لئے جھوٹا ہے کہ آپ ﷺ کی متابعت اور آپ ﷺ کی تعلیم کے بغیر ان علوم میں سے کسی ایک علم کا حصول ناممکن ہے۔ ان علوم میں سے کسی ایک علم تک رسائی آپ کے وسیلہ سے ہوگی۔ علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: ''ان امر الساعۃ اخفی الامور المذکورۃ وان ماطلع اللہ تعالی علیہ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم من وقت قیامھا فی غایۃ الاجمال وان کان اتم من علم غیرہ من البشر ﷺ وقولہ علیہ الصلوۃ والسلام بعثت انا والساعۃ کھاتین لا یدل علی اکثر من العلم الاجمالی بوقتھا'' (روح المعانی جز ۲۱، ص ۱۱۲)

ترجمہ: مذکورہ بالا پانچ امور میں سے امر قیامت زیادہ مخفی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اجمالی طور پر وقت قیامت پر مطلع فرمایا ہے۔ اگر چہ وہ دیگر انسانوں کی نسبت بہت ہی مکمل ہے۔ آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ مجھے اور قیامت کو ان دونوں انگلیوں کی طرح باہم پیوست

اور جڑواں مبعوث کیا گیا ہے، صرف علم اجمالی پر دلالت کرتا ہے۔ علامہ آگے فرماتے ہیں ''ویجوز ان یکون اللہ تعالی قد اطلع حبیبہ علیہ الصلوۃ والسلام علی وقت قیامھا علی وجہ کامل لا علی وجہ یحاکی علمہ تعالی بہ الا انہ سبحانہ اوجب علیہ ﷺ کتمہ، لحکمۃ ویکون ذالک من خواصہ علیہ الصلوۃ والسلام'' (روح المعانی ج ۲۱، ص ۱۱۳)

ترجمہ: یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کامل طور پر وقت قیامت پر آپ کو مطلع فرمایا ہو، اس کے باوجود یہ علم، علم باری تعالیٰ کے مساوی نہیں، لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کسی حکمت کے تحت اس وقت کو چھپانا واجب کیا ہو اور وقت قیامت کا جاننا آپ ﷺ کا خاصہ ہو، اور جہاں تک اس کا تعلق ہے۔ کون کہاں مرے گا؟ علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں:

''قال رسول ﷺ اذا اراد اللہ قبض عبد بارض جعل لہ الیھا حاجۃ فلم ینتہ حتی یقدمھا ثم قرء علیہ وما تدری نفس بایّ ارض تموت۔

ترجمہ: رسول ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ بندے کی روح قبض کرنے کا ارادہ فرماتا ہے۔ تو اس جگہ اس کیلئے حاجت پیدا فرماتا ہے۔ جس جگہ اس کی روح کو قبض کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اس شخص کا وہاں پہنچے بغیر کوئی چارہ کار نہیں رہتا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ''وما تدری نفس بایّ ارض تموت'' کی تلاوت فرمائی، ابن ابی شیبہ نے ملک الموت اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے درباری کا واقعہ نقل فرمایا۔ کہ عزرائیل علیہ السلام اس درباری کو گہری نظر سے دیکھنے لگے وہ خوفزدہ ہوا اور پوچھا یہ کون ہیں۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا یہ ملک الموت ہیں۔ تو اس نے عرض کیا کہ ہوا کو حکم فرمائیں۔ وہ مجھے ہند میں چھوڑ آئے، ہوا نے تعمیل حکم کی، ملک الموت نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا کہ گہری نظر سے میرے دیکھنے کا مقصد یہ تھا۔ کہ اس کی روح میں نے سرزمین ہند میں قبض کرنی ہے۔ اور یہ یہاں بیٹھا ہوا ہے۔

(روح المعانی، جز ۲۱، ص ۱۱۳)

مقصد یہ تھا کہ عزرائیل ؑ کو علم ہے۔ کہ کون کہاں مرے گا؟ حضرت انس ؓ سے مروی ہے۔ کہ ہم مکہ اور مدینہ کے درمیان تھے، ہم نے چاند دیکھا، میری بینائی تیز تھی۔ میں نے پہلی نظر میں ہی دیکھ لیا۔ میرے علاوہ کسی نے نہ دیکھا تھا۔ میں نے حضرت عمر ؓ سے پوچھا کیا آپ نے بھی دیکھا ہے، حضرت عمر ؓ آسمان میں غور سے دیکھنے لگے۔ مگر ان کو نظر نہ آیا۔ فرمانے لگے میں تلاش کرتے کرتے تھک گیا ہوں، مجھے ہلال دکھائی نہیں دیا۔ حضرت انس ؓ فرماتے ہیں۔ میں اپنے بستر پر جو دوران سفر میرے پاس تھا، لیٹا ہوا تھا، پھر عمر ہمیں اہل بدر کے حالات سنانے لگے فرمایا: ”کان رسول ﷺ کان یرینا مصارع افعل بدر بالامس یقول ھذا مصرع فلاں غدا ان شاء اللہ تعالی وھذا مصرع فلاں غدا ان شاء اللہ تعالی، قال عمرو الذی بعثہ بالحق ما اخطاء و الحدود التی حدھا رسول ﷺ الحدیث“ (رواہ مسلم، مشکوۃ ص ۵۴۳)

ترجمہ: بے شک رسول ﷺ نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے دن ہمیں وہ جگہیں دکھادیں، جہاں جہاں مشرکین قتل ہونگے اور ان کی لاشیں گریں گی، حضرت عمر ؓ نے قسم کھا کر کہا کہ قسم ہے اس ذات وحدہ لاشریک کی جس نے آپ کو رسول برحق بنا کر بھیجا ہے کوئی ایک کافر بھی اس جگہ سے ایک انگلی کے برابر بھی آگے پیچھے نہ مرا اور نہ گرا جو جگہ آپ نے بتائی تھی، اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوئے۔

۱۔ آپ ﷺ کو علم غیب ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے غیب خاص یعنی مفاتیح الغیب خمسہ پر مطلع فرمایا ہوا ہے، کیونکہ جنگ سے ایک دن پہلے آپ ﷺ نے ان جگہوں کی نشاندہی فرمائی جہاں جہاں کفار نے مرنا اور گرنا تھا، ماننا پڑیگا کہ آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ کون کون مرے گا اور کہاں کہاں مر کر گرے گا۔

کل آنے والے دن میں کیا ہوگا؟ جنگ ہوگی اور فلاں فلاں کفار مارے جائینگے جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے۔ ھذا مصرع فلاں غدا ان شاء اللہ تعالی، مؤلف کا یہ کلیہ مقرر کہ اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں کہ کل کیا ہوگا؟ غلط ثابت ہوا، جیسا کہ فائدہ ضمن نمبر ۱، میں تھا، اس طرح ضمن نمبر ۴، بھی غلط ثابت ہوا کہ کسی جاندار کو معلوم نہیں کہ وہ کہاں مرے گا؟ تفسیر روح المعانی کی عبارت یعنی تصریح سے ضمن نمبر ۵ بھی غلط ثابت ہوا کہ اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں کہ قیامت کب آئے گی، امام ابن حجر عسقلانی کی نقل فرمودہ حدیث سے معلوم ہوا کہ بارش برسانے والے مامور فرشتوں کو علم ہے۔ کہ بارش کب اور کہاں ہوگی؟ اس سے مؤلف کا قائم کردہ ضمن نمبر ۳، بھی غلط ثابت ہوا۔ امام ابن حجر قسطلانی کی نقل فرمودہ حدیث سے ثابت ہوا کہ رحم پر مامور فرشتہ کو یہ معلوم ہے کہ رحم میں کیا ہے؟ وہ رحم میں موجود اشیاء کی ابتداء اور اسکی انتہاء کا علم رکھتا ہے، نر، مادہ، رزق، عمر، بلکہ اس کی آئندہ زندگی کے جملہ احوال و امور سے واقف اور باخبر ہے۔ باوجودیکہ ابھی وہ شخص شکم کے اندر ہے، اس طرح ضمن نمبر ۲، بھی غلط ثابت ہوا کہ: اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں کہ ارحام میں کیا ہے؟ نر ہے یا مادہ؟ سفید ہے یا سیاہ وغیرہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ صادق و مصدوق نے فرمایا کہ انسانی پیدائش کا سلسلہ یوں ہے کہ چالیس دن تک ماں کے شکم میں مادہ منویہ نطفہ رہتا ہے۔ پھر وہ علق بنتا ہے۔ وہ چالیس دن تک شکم مادر میں رہنے کے بعد مضغہ بنتا ہے۔ وہ چالیس دن تک شکم مادر میں رہتا ہے۔ ”ثم یبعث الیہ ملکا باربع کلمات فیکتب عملہ و اجلہ و رزقہ و شقی او سعید ثم ینفخ فیہ الروح، الحدیث“ (متفق علیہ)

ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو چار باتیں بتا کر بھیج دیتا ہے، وہ فرشتہ اس کا عمل، اسکی موت اس کا رزق اور یہ کہ وہ نیک بخت ہے یا بد بخت؟ پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔

علوم خمسہ ہیں جو ایک فرشتے کو اللہ تعالیٰ نے دیئے اور وہ ان علوم کو زیر کار لایا، اگر یہ علوم

صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ کوئی برگزیدہ پیغمبر یا مقرب فرشتہ نہیں جانتا تو اللہ تعالیٰ نے رحم پر مامور اس فرشتے کو یہ علوم کیوں دیئے؟ یہ تو اسی کا خاصہ ہے، معلوم ہوا علوم خمسہ اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر جانتا ہے، ذاتی طور پر مالک ہے، مگر اپنے پسندیدہ رسولوں اور مقرب فرشتے کو عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کیلئے یہ علوم ذاتی طور پر ہیں، رسولوں اور فرشتوں کیلئے اس کے بتانے سے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"قال رسول صلی اللہ علیہ وسلم کتب مقادیر الخلائق قبل ان یخلق السموت والا رض بخمسین الف سنة قال و کان عرشه علی الماء" (رواہ مسلم، مشکوۃ ص ۱۹)

ترجمہ: رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمینوں اور آسمانوں کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیریں لکھ دیں، لوح محفوظ میں علوم خمسہ بھی ہیں۔ وہ ملائکہ جو لوح محفوظ پر مقرر ہیں انہیں یہ علوم خمسہ حاصل ہیں، امام رازی کی تفسیر، کبیر سے اقتباس اس حوالے سے پہلے نقل ہو چکا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول صلی اللہ علیہ وسلم دو کتابیں ہاتھوں میں لئے ہوئے مجمع میں تشریف لائے، دائیں ہاتھ میں کتاب کے بارے میں فرمایا کہ اس میں جنتی لوگوں، اور ان کے آباء و قبیلے کے نام ہیں، ان میں کمی، بیشی ہرگز نہیں ہوگی، میرے بائیں ہاتھ والی کتاب رب العالمین کی طرف سے ہے، اس میں دوزخی لوگوں، ان کے آباء اور قبیلوں کے نام ہیں، ان میں بھی کوئی کمی، بیشی نہ ہوگی۔ جنتیوں اور دوزخیوں کا کل ٹوٹل لگا دیا گیا ہے۔ الحدیث (ترمذی، مشکوۃ ص ۲۱)

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری نے فرمایا:

"الظاهر من الاشارة انها حسيان، وقيل تمثيل"

ترجمہ: 'ھذان الکتابان' میں اسم اشارہ سے ظاہر ہے وہ کتابیں حسی طور پر موجود تھیں اور نظر آرہی تھیں، اسلئے صحابہ کرام سے فرمایا' اتدرون ماھذان الکتابان' کہ اے میرے

ابہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ دو کتابیں کیا ہیں؟ کون سی ہیں؟ اگر موجود نہ ہوتیں تو آپ اسطرح یوں پوچھتے؟ یہ اخبار بالغیب نہیں تو اور کیا ہے؟ کل تو کل ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کل قیامت کے دن حساب و کتاب وغیرہ کے علاوہ قیامت کے بعد کے حالات کا بھی علم عطا فرمایا۔ مؤلف کا یہ کہنا کسی برگزیدہ پیغمبر کو بھی ان پانچ چیزوں کا علم نہیں غلط ثابت ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مقرب فرشتوں کو بھی علم غیب دے رکھا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ کہ ب میت نکیرین کے سوالوں کا صحیح جواب دیتی ہے تو نکیرین کہتے ہیں۔ "قد کنا نعلم ک تقول ھذا" ہمیں پہلے ہی معلوم تھا کہ تو یہ جوابات دے گا، میت کے بولنے سے پہلے ی اس کے مومن ہونے صحیح جواب دینے اور سعید ہونے کا علم تھا، مذکورہ حدیث ترمذی مشکوۃ ص ۲۵ پر ہے، مؤلف کے علم، سوچ اور فکر پر تعجب ہے کہ: رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتوں کو میت کے مومن، کافر، نیک بخت ہونے کا علم ہے، مگر مؤلف کا کہنا ہے برگزیدہ پیغمبر، اور مقرب فرشتے کو علوم خمسہ میں سے کسی امر کا علم نہیں۔ مزید۔۔۔ شیطان اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اقعہ جو بخاری میں تفصیلی طور پر آیا ہے، ابو ہریرہ کے ساتھ پیش آنے والے واقعہ کو سول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بیان فرمایا: "یا فعل اسیرک البارحه" کے الفاظ اور پھر تکرار واضح کرتا ہے۔ کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور شیطان کا مکالمہ اور ہاتھا پائی خود ملاحظہ فرما رہے تھے۔ اور پھر کل ات دوبارہ آنیکی خبر بھی دیتے رہے جیسا کہ فرمایا: انه سيعود کہ کل پھر آئیگا۔ یہ کل ونیوالے واقعہ اور ہونے والے کام کی خبر نہیں؟ کیا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھوں دیکھے حال کی رح شیطان کے جھوٹ بولنے اور پھر دوبارہ آنے کی خبر نہیں دی: یا اباھریرة ما فعل سیرک البارحة' کے الفاظ منظر کشی پر دلالت نہیں کرتے؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی یہ نہیں مایا تھا، کہ وہ مفلس انسان نہیں بلکہ شیطان تھا، یہ حدیث بخاری مشکوۃ ص ۱۸۵، پر ہے۔

،مزید حضرت سہل ابن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"ان رسول اللہ ﷺ قال یوم خیبر لاعطین هذه الرایة غدا رجلا یفتح اللہ علی یدیه یحب اللہ ورسوله ویحبه اللہ ورسوله الحدیث" (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول ﷺ نے غزوہ خیبر کے موقع پر فرمایا میں یہ جھنڈا کل اس شخص کو دونگا جس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا، وہ شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے، اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ اُس سے محبت کرتے ہیں، حدیث پاک میں غدا کا لفظ، اور پھر "یفتح اللہ علی یدیه" کا جملہ واضح مگر غور طلب ہے: آپ ﷺ نے آنے والے دن کے متعلق فرمایا، کہ اس کل والے دن جھنڈا میں دونگا اور ہر صورت دونگا لا عطین، صیغہ واحد متکلم مؤکد بلام تاکید اور نون ثقیلہ، اس پر گواہ ہیں جو علم، اعتماد، اور یقین محکم کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور یفتح اللہ علی یدیه کا جملہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہود و مسلمانوں کی جنگ ہوگی۔ علی رضی اللہ عنہ قلعہ خیبر کا مین گیٹ اکیلے اپنے ہاتھ سے اکھاڑ پھینکیں گے اسلامی فوج قلعہ کے اندر داخل ہوگی اور اس پر قبضہ کرے گی اس قلعہ پر اسلامی پرچم لہرائے گا، اور اس ساری کارگزاری اور فتح کا سہرا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر ہوگا۔ کیا یہ کل ہوگا؟ کی خبر اور تفصیل نہیں، مولف کا یہ کہنا کہ اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں کہ کل کیا ہوگا؟ گزشتہ تمام احادیث، شراح حدیث کے اقوال اور توضیحات کے بالکل مغائر اور منافی ہونے کی بناء پر مردود اور باطل ہے یہ عقیدہ اہل سنت و جماعت کا نہیں بلکہ معتزلہ کا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے "روح المعانی جزء ۲۱، ص ۱۱۲" سے نقل کر چکے ہیں۔ اُمور خمسہ، اُمور غیبیہ ہیں، اللہ تعالیٰ کا علم ان اُمور خمسہ کی بابت ذاتی تفصیلی اور غیر محدود ہے۔ اس کے مقابل انبیاء، اولیاء کا علم عطائی اور محدود ہے، لیکن یہ کہنا کہ ان اُمور خمسہ، یا ان میں سے کسی ایک کا علم اللہ تعالیٰ نے کسی کو دیا ہی نہیں غلط ہے۔ بلکہ آیات قرآنیہ، اور احادیث نبویہ اور اقوال علماء کے منافی ہے احادیث مبارکہ کا ایک قابل

قدر حصہ پہلے نقل ہو چکا ہے۔ اب صرف چند آیات قرآنیہ کو نقل کرنے پر قناعت کی جاتی ہے۔

آیت نمبر ۱: "وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسله من یشاء" (پ ۴: آل عمران ۱۷۹)

ترجمہ: اور نہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے کہ تمہیں غیب پر مطلع کرے، بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسکو چاہے اس کا انتخاب کر لیتا ہے اس آیہ مقدسہ کی تفسیر میں امام رازی نے فرمایا:

"فان سنة اللہ جاریة بانه لا یطلع عوام الناس علی غیبه بل لا سبیل لکم الی معرفة ذالک الامتیاز"

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ جلد آ رہا ہے کہ وہ اپنے غیب پر عوام الناس کو مطلع نہیں فرماتا، بلکہ تمہارے پاس ایسی کوئی چیز ہی نہیں کہ تم یہ کہہ سکو کہ فلاں منافق ہے، فلاں مومن ہے، یا فلاں جنتی ہے۔ اور فلاں جہنمی۔ آگے فرمایا:

"امامعرفة ذالک علی سبیل الا طلاع من الغیب فهو من خواص الانبیاء فلذا قال ولکن اللہ یجتبی من رسله من یشآء ای ولکن اللہ یصطفی من رسله من یشآء مخصهم باعلامهم ان هذا مومن هذا منافق (کبیر ج ۹، ص ۱۱۱)

ترجمہ: غیب پر مطلع کرنے کے ذریعے مومن اور منافق کی پہچان انبیاء کا خاصہ ہے، اسی لئے ارشاد ہوا کہ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کا انتخاب فرماتا ہے، اسکو غیب پر مطلع فرماتا ہے، یہ کہنا کہ یہ مومن ہے اور یہ منافق ہے صرف انبیاء کیلئے مختص ہے۔ امام موصوف کی تفسیر سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ اپنے پسندیدہ رسول کو غیب پر مطلع فرماتا ہے۔

۲۔ وہ پسندیدہ رسول لوگوں کے دلوں میں پوشیدہ ایمان اور کفر کی کیفیت کو جانتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ پیغمبر غیب پر مطلع ہونے کے باعث بندوں کے انجام تک کو جانتا ہے

،یعنی اس رسول خاص اور پیغمبر خاص کو علم ہوتا ہے۔ کہ فلاں شخص جنتی ہے، اور فلاں جہنمی ہے، یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک بندہ کے اعمال، عقیدہ، معمولات زندگی، جنت یا دوزخ میں اس کے ٹھکانے کا علم نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے جس خاص رسول کو علم غیب کی اسقدر فراوانی فرمائے اور پھر خود ہی اس کے غیب دان ہونے اور کئے جانے کا اعلان کرے تو اس کے مقابل اگر ایک عام آدمی لکھتا اور کہتا پھرے کہ نبی ﷺ خواہ برگزیدہ ہی کیوں نہ ہو غیب نہیں جانتا، آیہ کریمہ کا انکار نہیں؟ نبی خاص کو بندہ کے جنتی یا دوزخی ہونے کا علم ہوتا ہے، اس پر حدیث شاہد عدل ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم غزوہ حنین کے موقعہ پر رسول ﷺ کے ہمراہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے ہمرائیوں میں ایک شخص ایسا تھا، جو مسلمان ہونے کا دعوی کرتا تھا، مگر آپ ﷺ نے فرمایا یہ جہنمی ہے۔ حالانکہ وہ بہت جرأت مندی اور بہادری سے لڑ رہا تھا، صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ وہ بہت سخت لڑائی کر رہا ہے آپ ﷺ نے اسکو جہنمی فرمایا ہے، دوران لڑائی وہ زخموں کی تاب نہ لا سکا۔ اس نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور خود کو مار کر خودکشی کر لی، مسلمان مجاہدین دوڑتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں آئے، اور عرض گزار ہوئے:

"یارسول ﷺ صدق اللہ حدیثک قد انتحر فلان وقتل نفسه فقال رسول اللہ ﷺ اللہ اکبر الحدیث" (رواہ البخاری، مشکوۃ ص ۵۳۴)

ترجمہ: یارسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپ کے فرمان کو سچا کر دکھایا ہے اس نے سینے میں تیر مار کر خودکشی کر لی ہے یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اللہ اکبر فرمایا۔ یہی مفہوم اور مصداق آیہ مقدسہ "ماکان اللہ لیطلعکم علی الغیب و لکن یجتبی من رسله من یشاء" کا ہے، نیز یہ حدیث اس کی دلیل اور مبنی استدلال تصور ہوگی کہ اگر نبی کریم ﷺ غیب دان نہ ہوتے، اس شخص کے جنتی نہ ہونے کا علم نہ رکھتے تو دیکھتے ہی کیسے فرماتے کہ یہ جہنمی ہے جبکہ اس نے

...ل میں حصہ ہی نہیں لیا تھا تعجب ہے کہ منکرین علم غیب کی نظریں آیات قرآنیہ اور احادیث ...یہ پر نہیں پڑتیں۔

...ام رازی نے تو ظاہری اور باطنی حالات سے لے کر دخول جنت تک کا علم غیب نبی ﷺ کیلئے ...بت کیا ہے، "کما افاد فی تفسیره"

مؤلف نے اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول

...ص ۳۰ پر نقل کیا جو اس طرح سے ہے۔: "و من حدثک انه یعلم مافی غد فقد کذب ...ثم قرات وما تدری نفس ما ذا تکسب غدا" (صحیح البخاری ص ۷۳۰، ج ۲)

...رجمہ: اور جس نے آپ کے سامنے کیا کہ آپ ﷺ کل کی بات جانتے ہیں، اس نے جھوٹ کہا۔ اس کے بعد یہ آیت پڑھی (جسکا ترجمہ یہ ہے) اور کسی نفس کو یہ علم نہیں کہ وہ کل کیا کرے گا، مؤلف نے اس حدیث کو بار بار پڑھنے کی دعوت دی ہے۔ عقل و دانش سے کام لیتے ہوئے انصاف سے فیصلہ کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔

اقول: ہم نے حدیث پڑھی ہے، اگرچہ بار، بار پڑھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، جہاں تک فیصلہ کرنے کا تعلق ہے۔ تو فیصلہ کیلئے فریقین کو سماعت کرنا ضروری ہوتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے مجھے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو یہ ارشاد فرمایا کہ:

"فلا تقضی الاول حتیٰ تسمع کلام الآخر فانه احری ان یتبین لک القضاء" (راوی الترمذی، ابو داود، ابن ماجه، مشکوۃ ص ۳۲۵)

...رجمہ: پہلے آدمی کے کہنے بیان کرنے پر فیصلہ صادر نہ کرنا جب تک اس کے مقابل فریق ثانی کو سماعت نہ کر لے، یہ لازمی ہے ایسا کرنے سے معاملے کا فیصلہ نکھر کر تیرے سامنے آئے گا، مولف نے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے موقف کے ثبوت میں دلیل کے طور نقل کی ہے

کہ رسول ﷺ کو اتنا بھی علم نہیں کل کیا ہوگا؟ اب ضروری ہوگیا ہے کہ اہل سنت وجماعت کی دلیل اور ثبوت کو دیکھا جائے؟

باہمی تقابل کے بعد فیصلہ کیا جائے، اہل سنت وجماعت کا موقف یہ ہے کہ نبی ﷺ کو اللہ تعالی نے آنے والے کل بلکہ بعد کل اور اس کے بعد قیامت تک اور قیامت گزرنے کے بعد کے حالات کا علم دیا ہوا ہے، غزوہ بدر خیبر کے متعلق اور شیطان کے کل پھر آنے کی احادیث پہلے ذکر ہو چکی ہیں۔ ان میں لفظ غد ابڑی آب وتاب کے ساتھ موجود ہے، ان احادیث میں رسول ﷺ نے کل ہونے والے حالات اور معاملات کی خبر دی اور وہ حالات اور معاملات اسی طرح ظہور پذیر ہوئے جسطرح رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائے تھے، کل اور کل کے بعد کے حالات بھی بتائے، ام الفضل بنت حارث رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنے ایک ڈراونے خواب کا ذکر کیا آپ ﷺ نے سن کر فرمایا: "رائت خیرا تلد فاطمة غلاما یکون فی حجرک فولدت فاطمه الحسین" (مشکوۃ ص ۵۷۲)

تو نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے، فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا، وہ تیری گود میں پرورش پائے گا، ام الفضل رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ پھر حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے ہاں امام حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے،

مؤلف کا ضمن ص ۲ میں یہ تحریر کرنا کہ اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں کہ ارحام میں کیا ہے؟ غلط ثابت ہوا۔ بلکہ اس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو "ما فی الارحام" کا علم دیا ہوا ہے۔ حضرت اسامہ بن زید سے مروی ہے کہ رسول ﷺ مدینہ منورہ کی بلند پہاڑی پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا: "هل ترون ماری قالوا لا قال فانی لاری الفتن تقع خلال بیو تکم کو قع المطر (متفق علیه)

ترجمہ:۔ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں وہ تم بھی دیکھ رہے ہو، صحابہ نے عرض کیا نہیں رسول ﷺ، تو آپ ﷺ نے فرمایا بے شک میں یقینی طور پر تمھارے گھروں کے درمیان بارش کی طرح فتنوں کو گرتا ہوا دیکھ رہا ہوں، یعنی مستقبل میں رونما ہونے والے فتنے اور فساد دیکھ رہا ہوں۔ یہ "ماذا تکسب غدا" ہے۔ آنیوالے اوقات آپ نے بچشم سر ملاحظہ کئے اور ان کی نسبت بتایا۔ حضرت حذیفہ سے مروی ہے۔ کہ قیامت تک یعنی دنیا کے ختم ہونے تک جو بھی اور فساد فی الدین کے بانی اور قائد ہونگے ان کی تعداد تین سو سے زائد بتائی "الا قد سماه لنا یا سمه و اسمه ابیه و اسمه قبیلة" (رواہ ابو داود، مشکوۃ باب الفتن ۴۶۳)

مگر ہر قائد فتنہ کا نام، اس کے خاندان اور قبیلہ کا نام بھی بتایا۔۔۔

یہ حدیث "ماذا کتسب غدا" کے علم کی دلیل نہیں؟ ذی شعور انسان تو قرآن وحدیث سے ثابت شدہ "ما ذا تکسب غدا" کا علم رسول ﷺ کیلئے ماننا بلکہ اپنے لئے جزو ایمان سمجھا ہے، حیوانات تسلیم کرتے ہیں کی اللہ تعالی نے اپنے فضل وکرم سے اپنے رسول ﷺ کو کل آنے والے دن کا علم دے رکھا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ:

"فقال رجل تا اللہان رایت کالیو م زئب یتکلم فقال اعجب من هذا رجل فی النخلا ت بین الحر تین یخبر کم بما مضی وما کائن بعد کم"

ترجمہ: شکاری آدمی نے کہا میں نے آج کی طرح کبھی نہیں دیکھا کہ بھیڑیا باتیں کرتا ہے، بھیڑیا بول پڑا کہ اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ایک مرد رسول ﷺ دو میدانوں کے درمیان نخلستان یعنی مدینہ میں ہے اور تم کو گزشتہ اور آئندہ کی خبریں دے رہا ہے۔

(مشکوۃ باب المعجزات ص ۵۴۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کا آخر حصہ یوں ہے:

"انی لاعرف اسماء هم و اسماء آبائهم والوان خفیولهم هم خیر

فوارس اومن خیر فوارس علی ظهر الارض یومئذ'

'(رواہ مسلم مشکوۃ باب الملاحم فصل اوّل ص ۴۶۷)

ترجمہ: دجال سے جہاد کی تیاری کرنے والوں کے، ان کے باپ دادوں کے نام ان کے گھوڑوں کے رنگ پہچانتے ہیں، وہ روئے زمین پر اس وقت بہترین شہسوار ہونگے۔

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری نے فرمایا:۔

"فیه مع کونه من المعجزات ولالة علی ان علمه علیه محیط بالکلیات والجزئیات من الکائنات وغیر ها"

ترجمہ: اس حدیث میں معجزہ ہونے کے ساتھ اس پر بھی دلالت ہے کہ حضور ﷺ کا علم کلی اور جزی واقعات کو گھیرے ہوئے ہے، قیامت سے پہلے دجال کی آمد کے موقعہ پر جو مسلمان اس سے جہاد کریں گے، آپ ﷺ نے ان کے باپ دادا کے نام گھوڑوں کے رنگ تک بتادیئے۔ اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ اس وقت میں وہ پوری روئے زمین کے مایہ ناز شہ سوار ہونگے، کیا یہ آنے والے اور قرب قیامت ہونے والے حالات وواقعات کا علم نہیں، بالکل ہے اور یقیناً ہے۔ فیصلہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ان کی ذاتی رائے ہے، انہوں نے آیہ مقدسہ سے استنباط کرتے ہوئے یہ رائے قائم کی ہے، مگر اس کے مقابل بے شمار احادیث کل کا علم ہونے پر موجود ہیں۔ جن میں سے بطور اختصار چند ایک احادیث کو پیش کرنیکی سعادت ہم نے بھی حاصل کی ہے۔ حضور ﷺ کی واضح اور تفصیلی احادیث کے مقابل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان مرجوح ہے، نیز اگر اسکو مرجوح نہ مانا جائے، تو قرآنی آیات اور کافی احادیث کے ساتھ تعارض اور تصادم لازم آئیگا جو ممنوع ہے، مؤلف نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ص ۲۹ پر جو حدیث نقل کی ہے، اس کا پہلا جواب یہ ہے۔ غیب بذات خود کوئی نہیں جانتا اللہ تعالیٰ کے بتانے سے خاص رسول ان کو جانتے

...وسرا جواب یہ ہے کہ ایک طرف عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور دوسری طرف ان کے والد گرامی ...ت عمر رضی اللہ عنہ، اور ان کے رفیق حضرت انس رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر راویوں کے نبی ...سول ﷺ ہیں ان بلند قدر صحابہ اور رسول کائنات کے مقابل عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ...ح ہے۔

...اجواب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نزول وحی سے ایک سال پہلے مکہ میں پیدا ہوئے ...ت کے وقت ان کی عمر چودہ برس تھی اس لئے نزول وحی کے بعد رسول ﷺ کا مکہ میں عرصہ ...ت تیرہ برس ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ دربار رسالت میں ان کی حاضری یقینی ہے ...وہ سال کی عمر شعور اور سمجھ بوجھ کی عمر ہے، ہر صحابی رضی اللہ عنہ اور اس کے اہل خانہ نزول وحی کے ...ت اور فرمودات نبویہ کے محفوظ کرنے میں شب و روز مصروف ہیں۔ تمام صحابہ کے گھروں ...درس قرآنیہ، اور تبلیغات نبویہ کے اُجالے ہیں۔ غزوہ بدر ۲ھ میں ہوا۔ اور غزوہ خیبر ...ھ میں ہوا دوغزوات کے وقت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک اُبھرے ہوئے جوان تھے، میدان بدر ...مشرکین کے مرنے اور گرنے کی نشاندہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ہوئی، وہی راوی ہیں ...زوہ خیبر کے وقت ان کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ موجود تھے، خود عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے ...ان دو معرکہ اور غزوات میں فتح کی پیش گوئیاں انہوں نے خود یا والد کی زبانی نہ سنی ہونگی؟ ...سنی ہونگی، سننے اور جاننے کے باوجود یہ کہنا کہ علوم خمسہ اللہ ہی جانتا ہے چہ معنی دارد؟ ...ناپڑے گا کہ آپ کی مراد اس سے یہ ہے کہ ان اُمور خمسہ کو اللہ کے بتائے بغیر کوئی نہیں جانتا؟ ...ولف نے امام زجاج کا قول ص ۳۰، پر نقل کیا جس کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

"من ادعی انه یعلم شیاءً من هذه الخمس فقد کفر بالقرآن العظیم"

...جمہ: جس نے دعوٰی کیا کی وہ ان امور خمسہ میں سے کسی ایک کو جانتا ہے تو اس نے قرآن

کا انکار کیا۔

اقول: قول زجاج کو علم غیب کی نفی پر بطور دلیل پیش کرنا غلط ہے۔ علوم خمسہ کی نفی میں ... کوئی عمل دخل نہیں۔ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تفسیر اتقان میں فرماتے ہیں کہ: من ... ہے، کبھی موصولہ ہوا کرتا ہے۔ جیسے

"له من فی السموت والارض، ومن عنده لا یستکبرون"

اور شرطیہ بھی ہے: من یعمل سوء یجزی به، نکرہ موصوفہ بھی ہے جیسے ومن الناس من ... غرضیکہ جس بھی معنی کیلئے آئے اس میں عموم پایا جاتا ہے، اور عموم ابہام کو مستلزم ہوتا ہے پور... قرآن میں نبی ﷺ کو عام افراد انسانی میں رکھا گیا، نہ آپ کی شان، قدر و منزلت اور بارگاہ رسالت کو صیغہ ابہام میں بیان فرمایا گیا۔ تفصیل کی گنجائش نہیں،

نمبر ۲: آپ معصوم ہیں، مفسر قرآن ہیں آپ ﷺ سے ایسی کلام کا صدور، اور ایسی تفسیر و تاویل ورود جس سے منشائے قرآن کا انکار لازم آتا ہو یا اسکی بو اور تصور تک ممکن ہو محال شرعی، محال عادی اور محال عقلی ہے۔

نمبر ۳: رسول ﷺ نے کبھی بھی، اور کسی بھی مقام پر علم غیب جاننے کا دعوٰی نہیں فرمایا لا تعداد اُمور غیبیہ کی خبر دی مگر غیب دان ہونے کا دعوٰی نہیں فرمایا۔

نمبر ۴: اس سے مراد عام شخص کا دعوٰی علم ہے۔ جسطرح من ادعی کے الفاظ عموم معنی اور ابہام پر دلالت کرتے ہیں۔

نمبر ۵: امام زجاج کا قول عقیدہ اہل سنت و جماعت کے خلاف نہیں بلکہ عین مطابق ہے وہ اس طرح کہ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اُمور خمسہ کیلئے رسول ﷺ کو مختص فرمایا، خود قرآن نے اس کا اعلان بھی فرمایا ہے:

"ماکان اللّٰہ لیطلعکم علی الغیب ولکن یجتبی من رسله من یشاء"

...س سے بھی ثابت ہوا کہ علوم غیبیہ صرف خاص رسولوں کو دیئے گئے عوام الناس کو نہیں دیئے ...تے اگر کوئی عام آدمی علم غیب کے جاننے کا دعوٰی کرے تو قرآن کی اس نص قطعی کا انکار کرتا ...ے جس میں صاف بتایا گیا ہے خاص رسول کے علاوہ کوئی شخص علم غیب نہیں جانتا۔

...اری میں ہے کہ رسول ﷺ ایک نکاح میں تشریف لے گئے، جہاں انصاری بچیاں دف ...ر جنگ بدر کے مقتولین کے مرثیے کے گیت گانے لگیں،

ان میں سے کسی نے یہ مصرع پڑھا: ☆وفینا نبی یعلم مافی غدا

ترجمہ: ہم میں ایسے نبی ہیں جو کل کی بات کو جانتے ہیں۔ فرمایا: یہی گاؤ جو پہلے گا رہی تھیں الفاظ مبارکہ یہ تھے، "دعی هذه وقولی بالذی کنت تقولین"

(مشکوٰۃ باب اعلان النکاح فصل اول ص ۲۷۱)،

آپ کے الفاظ واضح ہیں آپ ﷺ نے غصہ کیا نہ کہا کہ ایسا کہنا انکار قرآن کو مستلزم ہے۔ بلکہ صرف اتنا فرمایا کہ اس مصرع کو چھوڑ دو، اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری نے فرمایا: "لکراهة نسبة علم الغیب الیه لانه لا یعلم الغیب الا الله وانما یعلم الرسول ﷺ من الغیب ما اعلمه او لکراهة ان یذکر فی اثناء ضرب الدف واثناء مرثیة القتلیٰ لعلو منصبه عن ذالک" منع اس لئے فرمایا کہ اس مصرع میں آپ ﷺ کی طرف علم غیب کی نسبت کی گئی، کیونکہ غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور آپ ﷺ وہی غیب جانتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بتایا۔ یا آپ ﷺ کا مقام اور درجہ اس سے بہت بلند و بالا ہے۔

ملا علی قاری کی اس تشریح سے معلوم ہوا کی حضور ﷺ کی طرف علم غیب کی نسبت کرنا کفر و شرک نہیں اور یہ بھی اس صورت میں ہے کہ آپ ﷺ کیلئے ذاتی علم غیب مانا جائے یا ذاتی طور پر علم غیب کی آپ ﷺ کی طرف نسبت کی جائے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے

آپ ﷺ علم غیب جانتے ہیں۔تو یہ ممنوع یا کفر نہیں۔

نمبر۴: امام زجاج کے قول کا مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ جو شخص یہ دعوی کرے کہ ذاتی طور اللہ تعالی کے بتائے بغیر آپ ﷺ غیب جانتے ہیں۔ وہ قرآن کا منکر ہے،۔ کیونکہ قرآن کا فرمان ہے۔ کہ کوئی شخص خواہ پیغمبر یا رسول ہی کیوں نہ ہو، اللہ تعالی کی تعلیم کے بغیر غیب نہیں جانتا، وھو المراد۔

مؤلف نے کتابچہ کے ص ۳۲، پر ایک واقعہ نقل کیا جس کا خلاصہ یہ ہے مسجد نبوی کا خادم یا خادمہ کا انتقال ہوا صحابہ نے اسکی موت کو معمولی امر سمجھا اور رسول ﷺ کو بتائے بغیر دفن کر دیا، اس کے مسجد کا کام کاج نہ کرنے پر صحابہ سے پوچھا کہ خادم یا خادمہ مسجد کہاں ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ فوت ہو گیا ہے ہم نے اسکو دفن بھی کر دیا ہے۔ آپ ﷺ ناراضگی کا اظہار فرماتے ہوئے حکم دیا کہ: دلونی علی قبرہ، مجھے اسکی قبر بتاؤ، قبر بتائی گئی اور آپ ﷺ نے قبر پر اسکی نماز جنازہ پڑھی، فائدہ کے عنوان میں لکھا کہ اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کو کلی علم غیب نہ تھا، ورنہ خادم مسجد اور اسکی قبر آپ ﷺ سے پوشیدہ نہ ہوتے، یہ بھی ثابت ہوا کہ صحابہ کرام کا بھی علم غیب کلی کا عقیدہ نہیں تھا، ورنہ دریافت کرنے پر کہتے آپ ﷺ تو خود عالم الغیب ہیں۔ خادم کی موت کی خبر رکھتے ہیں، ہماری اطلاع کی کیا ضرورت تھی؟ اور ہر قبر میں آپ ﷺ خود بنفس نفیس تشریف لے جاتے ہیں، تو وہاں سے بھی آپ ﷺ کو پتہ چلا ہوگا کہ اس قبر میں تو ہماری مسجد کا خادم ہے۔ لیکن کسی ایک صحابی نے بھی یہ نہیں کیا، جس سے معلوم ہو کہ صحابہ آپ ﷺ کو کلی طور پر عالم الغیب نہیں سمجھتے تھے۔

اقول: پوچھنا لاعلمی کی دلیل نہیں، اللہ تعالی نے "ما تلک بیمینک یموسی"، علم ہونے کے باوجود پوچھا ابو ہریرہ ؓ اور شیطان کے واقعہ میں رسول ﷺ نے واقعہ کا تفصیلی علم

ہونے کے باوجود ابو ہریرہ سے ان کے بتانے سے پہلے پوچھا "فاصبحت فقال الرسول ﷺ یا ابا هریرة ما فعل اسیرک البارحة، قلت الحدیث کے الفاظ صریحا دلالت کر رہے ہیں کہ صبح جوں ہی ابو ہریرہ آئے تو رسول ﷺ نے رات کو پیش آنے والے واقعہ کی نسبت پہلے پوچھا، اور ابو ہریرہ نے بعد میں بتایا۔ واقعہ افک میں منافقین کے چرچے کے بعد آپ ﷺ مسجد نبوی کے منبر پر تشریف فرما ہوئے اللہ تعالی کی حمد وثناء کے بعد فرمایا: "فواللہ ماعلمت علی اھلی الا خیرا"، قسم کھا کر فرمایا میری محبوبہ رفیقہ حیات میں کوئی ایسی بات نہیں، اس کا ہر قدم ہر نظر، ہر سانس اور ہر حرکت کا مجھے علم ہے وہ خیر اور بھلائی کی ایک چلتی پھرتی تصویر ہے۔ لیکن اس کے باوجود خادمہ سے ان کی نجی اور گھریلو زندگی کے متعلق آپ ﷺ نے پوچھا، دیکھیے بخاری، حضرت اسامہ ؓ اور حضرت علی ؓ سے مشورہ بھی فرمایا:۔ حضرت عباس ؓ جنگ بدر میں قیدی ہو کر آئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ آپ فدیہ دیں انہوں نے مفلسی اور تنگدستی کا اظہار کیا، مگر آپ ﷺ نے اپنی چچی کے پاس جو سونا اور دیگر مال اور اسباب کی تفصیل بتائی اور جہاں جہاں اسکو محفوظ کیا گیا تھا وہ بھی بتایا، علم ہونے کے باوجود پھر بھی پوچھا آپ ﷺ کے علم کو دیکھ اور سنکر حضرت عباس ؓ مسلمان ہو گئے، دیکھیے شفاء شریف آپ ﷺ کے پوچھنے میں چند حکمتیں تھیں۔

نمبر۲: مسجد کی صفائی ستھرائی کرنا، مسجد سے دل لگانا، مسجد کی طرف آنا ایمان کامل کی علامت ہے حضرت ابو سعید الخدری ؓ روایت کرتے ہیں کی: "قال رسول ﷺ اذا رأیتم الرجل یتعاهد المسجد فاشهدوا له بالایمان فان اللہ یقول انما یعمر مساجد اللہ من امن باللہ والیوم الآخر" (رواہ الترمذی، مشکوۃ باب المساجد)

ترجمہ: جب تم ایسے شخص کو دیکھو جو مسجد کی خدمت کرتا ہو، اور اس کے تعمیری کاموں میں لگا رہتا ہو، تم اسکے مومن کامل ہونے کی شہادت دو، چونکہ وہ خادم یا خادمہ مومن کامل تھا، تھی

ـ صحابہ نے معمولی انسان سمجھ کر بغیر بتائے دفن کر دیا، رسول ﷺ نے اس کی نسبت پوچھ کر اور ''دلونی علی قبره'' فرما کر یہ فرمایا کہ مسجد کا خادم مومن کامل ہے جو قابل احترام اور لائق تعظیم ہے۔ اسکو معمولی انسان سمجھنا غلط ہے۔ اور یہ پوچھنا صحابہ کی تعلیم اور تربیت کیلئے تھا، صحابہ نے قبر کی نشاندہی کی، اسکی قبر پر آپ ﷺ نے نماز پڑھی اس میں بھی دو حکمتیں پوشیدہ تھیں۔

نمبر۱: رسول ﷺ پر مومن کی نماز پڑھنا فرض تھی۔ ملا علی قاری نقل فرماتے ہیں کہ امام سیوطی کی ''انموذج اللبیب'' میں میں نے پڑھا ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ پاک کے زمانہ میں لوگوں سے نماز جنازہ کی فرضیت اس وقت ساقط ہوتی جب آپ ﷺ نماز جنازہ پڑھتے آگے فرمایا:

''فیئول الی ان صلوة الجنازة فی حقه فرض عین وفی حق غیره فرض کفایة''

(مرقاۃ، ج ۴، ص ۵)

ترجمہ: اسکا نتیجہ یہ ہے کہ نماز جنازہ کی فرضیت ساقط نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ باقی تھی اس لئے خود پڑھی آپ ﷺ کے پڑھنے سے سب کے ذمہ سے فرض ساقط ہو گیا۔

نمبر۲: جس قبرستان میں خادم یا خادمہ کو دفن کیا گیا تھا اسکی قبروں کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''ثم قال ان هذه القبور مملوئة ظلمة علی اهلها وان الله سینورها لهم بصلوتی علیهم (متفق علیه)

ترجمہ: یہ قبور اپنے مدفونوں پر تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھیں، (یعنی ان قبروں میں اندھیرا ہی اندھیرا تھا، اور مردے تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے) اللہ تعالیٰ نے اس قبر پر میری نماز کی بدولت پورے قبرستان اور مردوں کو روشن اور منور کر دے گا۔ بلکہ روشن و منور کر دیا ہے، مقصود ان مردوں کی بخشش اور ان قبور کی روشنی اور نورانیت تھی اس لئے فرمایا کہ قبر بتاؤ؟ قبر پر جانے اور نماز پڑھنے کا فائدہ بھی خود ہی بتایا۔ سوال یہ ہے کہ جو نظر اور نور رسالت پورے قبرستان کی قبروں کے اندر دیکھ سکتا ہے۔ بتا سکتا ہے وہ قبر کو نہیں دیکھ سکتا، قبور کا تاریکی سے معمور ہونا عالم برزخ کی بات ہے، عالم دنیا سے اوجھل اور مخفی ہے۔ جب اوجھل اور مخفی شیء دیکھ لی اور بیان کی تو جو ہے ہی ظاہر اور قریب، اس کا دیکھنا اور جاننا کیوں محال ہے؟ صحابہ کی شان، مقام، علم، اور عشق اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی جانتے ہیں، اہل سنت و جماعت کا بھی یہ عقیدہ نہیں کہ آپ عالم الغیب ہیں عالم الغیب والشہادۃ وہی ذات ہے جو وحدہ لاشریک ہے، اسطرح اہل سنت و جماعت کا یہ عقیدہ بھی نہیں کی آپ ﷺ ہر مومن کی قبر میں بنفس نفیس تشریف لاتے ہیں۔ یہ ایک الزام ہے، بہتان ہے، اور اس سے مقصد اہل سنت و جماعت کو بدنام کرنا ہے۔

مؤلف نے کتابچہ کے ص ۳۴، پر ستر قاریوں کے شہید کئے جانے کا واقعہ لکھا وہ اسطرح سے ہے۔ جو کہ صحیح بخاری میں موجود ہے کہ شروع میں قبیلہ (رعل) ذکوان اور بنی لحیان کے کچھ لوگ (ایک سازش کے تحت) آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور یہ ظاہر کیا کہ مسلمان ہو چکے ہیں آپ ﷺ ہمیں امداد کیلئے کچھ آدمی مرحمت فرمائیں، آپ ﷺ نے ان کی باتوں پر اعتماد فرمایا اور انہیں مخلص مومن سمجھ کر انصار میں سے ستر آدمی ان کی مدد کیلئے ان کے ہمراہ فرمائے، سارے کے سارے قرآن کے قاری اور نہایت ہی متقی تھے۔ چنانچہ جب وہ منافقین صحابہ کی اس جماعت کو ساتھ لے کر مقام بئر معونہ پر پہنچے تو دھوکا کیا اور سب کو شہید کر ڈالا۔۔۔

اقول: اسی واقعہ کی نسبت علامہ ادریس کاندھلوی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور نے اپنی کتاب سیرت المصطفیٰ ﷺ جلد دوم ص ۲۶۷، پر اسطرح تحریر کیا کہ عامر بن مالک ابو براء آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ہدیہ پیش کیا لیکن آپ ﷺ نے قبول نہیں فرمایا، ابو براء کو اسلام کی دعوت دی لیکن ابو براء نے نہ تو اسلام قبول کیا اور نہ رد کیا، معلوم ہوا کہ اس نے رسول ﷺ کے سامنے اپنے مسلمان ہونے کا اظہار نہیں کیا تھا، اکیلا آیا تھا اور کسی قبیلے کا کوئی آدمی اسکے ہمراہ ہوتا ثابت نہیں ہوتا، بلکہ یہ کہا کہ اگر آپ ﷺ اپنے چند اصحاب اہل نجد کی

ے دعوت اسلام کی غرض سے روانہ فرمائیں تو میں اُمید کرتا ہوں کہ وہ اس دعوت کو قبول یں گے، آپ ﷺ نے فرمایا مجھ کو اہل نجد سے اندیشہ اور خطرہ ہے، ہدیہ قبول نہ کرنا، اہل نجد طرف سے برملا ابوبرَاء کے سامنے اندیشہ اور خطرہ کا بتانا، اظہار اعتماد ہے؟ یا اہل نجد کی توں، شرارتوں، اور ان کی بدنیتی اور اسلام دشمنی کا اعلان ہے؟ ابوبرَاء نے کہا میں ضامن ں، ایک شخص سے ضمانت لینا اہل نجد کیلئے اعتماد، اور اطمینان کا اظہار نہیں، بلکہ اندیشہ اور ہ کا اظہار کرنا اہل نجد کے دلوں میں اسلام دشمنی کی بھڑکتی آگ کی تشریح اور بیان ہے، ابو نے اپنی ضمانت پیش کی یہ ساری کیفیت اس بات کی غماز ہے کہ آپ ﷺ کو ان ستر اصحاب دت کے سائے منڈلاتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ معاملہ دعوت اسلام اور تبلیغ ن کا تھا، اسی مشن کی تکمیل اور تشہیر کیلئے آپ ﷺ کو معبوث فرمایا گیا تھا۔ ضمانت لے کر ان حباب کو ابوبرَاء کے ہمراہ روانہ فرمایا اور ابوبرَاء کے بھتیجے عامر بن طفیل جو عامر قبیلے کا سردار کے نام حرام بن ملحان کو خط دیا تھا، بئر معونہ کے مقام پر عامر بن طفیل نے حرام بن ملحان کو کرادیا، اور ان کی زبان سے اللہ اکبر فزت ورب الکعبہ کے الفاظ نکلے اللہ اکبر عبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا۔ اسی معرکہ میں حضرت ابوبکر صدیق کے آزاد کردہ غلام عامر رہ بھی شہید ہوئے ان کا جنازہ آسمان پر اٹھایا گیا، عامر بن طفیل نے پوچھا وہ کون مسلمان ہوا میں نے دیکھا کہ وہ زمین اور آسمان کے درمیان اٹھایا گیا۔ بلکہ آسمان نیچے رہ گیا جبار ں نے عامر بن فہیرہ کو شہید کیا تھا، ان کے آخری الفاظ یہ تھے فزت واللہ، خدا کی قسم ادکو پہنچ گیا، جبار بن سلمیٰ نے ضحاک سے پوچھا اس جملہ کا کیا مقصد ہے؟ اور مراد کو کیسے ضحاک نے فرمایا کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ شہادت کے بعد میں نے جنت کو پالیا ہے، یہ جبار بن سلمیٰ بھی مسلمان ہو گئے اس واقعہ نے شہدوں کا مقام، مرتبہ اور اللہ کے ہاں ان لیت کو واضح کیا ان اصحاب کے مقدر میں روز ازل سے شہادت لکھی جا چکی تھی، یہی وجہ

ہے کہ آپ نے روانگی سے قبل اہل نجد کیطرف سے خطرے اور اندیشے کا اظہار فرمایا تھا، عربوں میں ضمانت کا بہت بڑا احترام کیا جاتا اور ہر ممکن اسکی پاسداری کی جاتی تھی۔ اس لئے آپ ﷺ نے ضمانت لینے پر بادل نخواستہ روانہ فرمایا۔ شہداء نے اللہ کی بارگاہ میں التجاء کی کہ ہمارے نبی ﷺ کو ہماری شہادت کی خبر پہنچا اور یہ بتا کر ہم اللہ کو جانتے ہیں وہ ہم سے راضی ہے اور ہم اس سے راضی ہیں۔ جبریل نے رسول ﷺ کو خبر دی آپ نے فرط غم میں قنوت نازلہ پر پڑھنا شروع کی جو ایک مہینہ تک جاری رہی، اس قنوت نازلہ کے پڑھنے پر ثابت ہوا کہ مصیبت اور پریشانی کے وقت اس کا پڑھنا ضروری ہے اس سے آنے والی آفات وبلیات سے محفوظ اور ماسبق کی تسکین میسر آتی ہے، رسول ﷺ تبلیغ اسلام کیلئے بڑے بڑے معرکوں میں صحابہ کو ہمراہ لیکر گئے جنگ کی تربیت اور ترغیب بھی دی اور شہادت کے فضائل بھی بتائے، صحابہ نے دوڑ دوڑ کر جام شہادت نوش کیا ان کی شہادت سے شان شہداء کا پتہ چلا، یہ روانگی دین اسلام کی تبلیغ کیلئے تھی آپ ﷺ کے لیے صحابہ کو روکنا، روانہ فرمانا کیسے ممکن تھا؟ مؤلف کا یہ کہنا کی آپ اگر عالم الغیب ہوتے اور ہر جگہ حاضر وناظر ہوتے ان کی سازش میں نہ آتے، غلط ہے آپ ﷺ سازش میں نہیں آئے، آپ ﷺ نے خطرہ اور اندیشہ کا پہلے ذکر فرما کر پورے واقعہ کو اجمالاً اور مبہم الفاظ میں بیان کردیا ہے۔ پھر عالم الغیب ذات وحدہ لاشریک ہے آپ ﷺ عالم الغیب نہیں صرف مطلع برغیب ہیں اور وہ بھی اسقدر جتنا اللہ نے آپ ﷺ کو دیا ہے۔ حاضر وناظر ہونے کی بحث بعد میں آرہی ہے انشاء اللہ وہاں وضاحت کی جائیگی۔

(علامہ کاندھوی نے یہ واقعہ الخصائص الکبری اور زرقانی، بخاری سے نقل فرمایا ہے۔)

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول میں ہے۔ "وماتدری ماذا تکسب غدا" سے استشہاد کیا گیا ہے، تدری کا مادہ درایۃ ہے، اور درایۃ کا معنی، حیلہ سازی سے جاننا ہے، (المنجد) آیہ کریمہ میں حیلہ سازی سے کسی چیز کو جاننے کی نفی کی گئی ہے، یعنی کوئی شخص اپنے

حیلہ، اپنی سوچ اور اپنی فکر کے ذریعے نہیں جان سکتا کہ کل کیا کریگا؟ اللہ تعالیٰ کے بتانے اور اس سے جاننے کی نفی نہیں۔قول عائشہ رضی اللہ عنہا کا سہارا لیکر جو کہا وہ انکی سوچ ہے انبیائے کرام کیلئے " علم مافی غدا اور ماذا تکسب غدا قرآن حکیم نے قصہ یوسف علیہ السلام بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے، حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنا خواب حضرت یعقوب علیہ السلام کو سنایا انہوں نے تعبیر مافی الغد بتائی جو پوری ہوئی، برادران یوسف علیہ السلام نے بھیڑیئے کے کھانے کی حیلہ سازی کی، یعقوب علیہ السلام نے مطلع ہونے کے باعث رد فرما دی اور یوسف علیہ السلام کو بادشاہت کی بشارت دی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آل یعقوب پر اپنے انعامات مکمل فرمائے گا، چناچہ یوسف علیہ السلام کو نبوت اور بادشاہت عطا فرمائی اور باقی برادران کی نسل میں سلسلہ نبوت جاری فرمایا بنیامین کو جب یوسف علیہ السلام نے اپنے پاس روک لیا۔ برادران یوسف علیہ السلام نے چوری کرنے اور اسکی وجہ سے روک لینے کا عذر پیش کیا۔ تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جلدی دونوں کو مجھ سے ملائے گا۔ ایسا ہی ہوا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی قمیص والد کی خدمت میں بھیجی، اور فرمایا ان کے چہرے پر ڈالو۔ یرتد بصیرا ، بینائی کو لوٹا دیگی، یہ اخبار مافی الغد ، اور ماذا تکسب غدا نہیں تو اور کیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قوم کے روبرو یہ اعلان فرمایا میں خدا کا بیٹا نہیں اللہ کا بندہ ہوں، مجھے اللہ نے الہامی کتاب دیکر نوازا ہے۔ پھر اپنے علم ما فی الغد اور ماذا یکسب غدا کا اعلان فرمایا ۔غور کیجیے کہاں گہوارہ بچپن اور کہاں عمر نبوت اور رسالت۔۔۔

غزوہ حنین کے موقعہ پر آپ ﷺ کو یہ اطلاع دی گئی کہ کفار نے بہت سارا سامان جنگ، مال و مویشی اور دیگر ساز و سامان جمع کر رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے سن کر تبسم فرمایا: اور ارشاد فرمایا کہ کل انشاء اللہ یہ سب کچھ مال غنیمت ہوگا۔ اور ہمارے ہاتھ آئیگا چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا فرمایا تھا ۔کیا علم مافی الغد اور ماذا تکسب غدا نہیں؟

مؤلف نے کتابچہ کے ص ۳۴ سے لے کر ص ۴۳ تک واقعہ افک و بہتان بڑی تفصیل سے لکھا واقعہ کو طوالت کی وجہ سے زیر قلم نہیں لایا جا رہا۔ البتہ ص ۴۳ پر فائدہ کے تحت جو کچھ لکھا ان کا جواب دینا ضروری محسوس ہوتا ہے۔

۱: آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور امہات المومنین رضوان اللہ علیہن میں سے کوئی بھی عالم الغیب نہ تھا۔ ورنہ یہ واقعہ پیش نہ آتا۔

۲: **اقول**: ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تو درکنار ،اہل سنت و جماعت رسول ﷺ کو غیب دان مانتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے مگر عالم الغیب نہیں مانتے یہ صفت فقط ، اللہ وحدہ لاشریک کی ہے، جیسا کہ خود ارشاد باری تعالیٰ ہے عالم الغیب و الشهادة۔ زوجہ مطلوبہ کو چھوڑ کر جا رہے ہیں کچھ پتہ نہیں چلتا یہ عجیب علم غیب کلی اور ماکان ومایکون ہے۔

اقول: اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کو علم غیب کلی اور وما کان ومایکون دیا ہے۔ جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے لیکن اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے شمار حکمتیں تھیں، کسی صحابی رضی اللہ عنہ یا ولی بشمول پیران پیر کیلئے اہل سنت و جماعت یہ نہیں کہتے کہ وہ عالم الغیب ہیں مؤلف نے الزام تراشی سے کام لیا ہے۔ مؤلف نے ص ۴۵ پر لکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ عالم الغیب ہوتے تو کہہ دیتے کہ اصل واقعہ تو یوں ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے تحقیق کا مشورہ کیوں دیتے؟ یا یوں کہتے کہ یا رسول ﷺ آپ تو عالم الغیب ہیں آپ ﷺ کو سب کچھ پہلے معلوم ہے تو ہم سے مشورہ کا کیا مطلب؟

اقول: پہلے کہہ دیا گیا ہے کہ عالم الغیب صرف خداوند تعالیٰ کی ذات وحدہ لاشریک ہے ۔کوئی مخلوق نبی، رسول یا فرشتہ عالم الغیب نہیں، عالم الغیب اللہ تعالیٰ کی صفت خاص ہے

ازلی، ابدی دائمی اور سرمدی ہے۔ مخلوق کیلئے اس صفت کو ثابت کرنا محال شرعی ہے۔ واقعہ افک وبہتان کے ضمن میں اہل سنت وجماعت سے اس عقیدہ کی توقع رکھنا ان کی بھول اور خوش فہمی ہے، جہاں تک رسول علیہ ﷺ کا ان سے یا کسی دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ سے مشاورت کا تعلق ہے تعلیم اُمت کیلئے ہے، قرآن حکیم نے معاملات کی یکسوئی کیلئے آپ ﷺ کو صحابہ سے مشورہ کرنے کا حکم دیا ہے، رسول ﷺ نے ہمیشہ اپنے صحابہ سے مشورہ کیا، اور دیا کرتے تھے، بلکہ اللہ تعالیٰ جو بکل شی علیم ہے، نے آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے فرشتوں سے مشورہ فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:" واذ قال ربک للملئکة انی جاعل فی الارض خلیفة" اللہ تعالیٰ جب بکل شی علیم ہے تو اسکو فرشتوں سے مشورہ کرنیکی کیا ضرورت تھی؟ اللہ کے رسول جب حامل وحی ہیں ان کو صحابہ سے مشورہ کرنیکی کیا احتیاج تھی؟ مگر اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے مشورہ کرنا اور نبی کریم ﷺ کا صحابہ سے مشورہ کرنا تعلیم اُمت اور تعلیم انسانیت کیلئے تھا، اس کیلئے روح المعانی اور بیضاوی دیکھیے، چونکہ یہ نبی ﷺ کی ذات اور آپ ﷺ کے گھر کا معاملہ تھا اگر فوراً برات اور پاکدامنی کا اظہار اور اعلان کردیا جاتا تو منافق لوگ پھر یہ کہتے کہ نبی ﷺ کی ذات اور گھر کا معاملہ تھا۔ اس لئے صحابہ سے عفت اور طہارت کی شہادت دلواکر نعوذ باللہ واقعہ کو چھپا اور دبا دیا گیا ہے، کیا صحابہ کو الطیبات للطیبین کا اصول اور حکم معلوم نہ تھا، حضرت عائشہ سے بڑھکر کون سی خاتون اس دور میں طیب اور طاہر ہوسکتی ہے، صحابہ کو علم تھا کہ ذات رسول ﷺ اور اہلیہ رسول کا معاملہ ہے، جو تہذیب، تعظیم، تکریم اور احتیاط کا تقاضا کرتا ہے، پھر صحابہ کو یہ بھی یقین تھا کہ نبی کریم ﷺ ان کی زوجہ محترمہ کو پریشانی اور دکھ نہیں پہنچا بلکہ تمام مومنین کے دل فگار ہوئے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ ضرور اپنا فیصلہ صادر فرمائے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ کی پاکدامنی پر آیات براۃ نازل فرمائیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو ڈانٹ پلائی:

"ولولا اذسمعتموہ قلتم ما یکون لنا ان نتکلم ھذا سبحانک ھذا بھتان عظیم"

ترجمہ: اور تم نے یہ خبر سنتے ہی یہ کیوں نہ کہا کہ ہمارے لئے ایسی بات کا زبان پر لانا ہی زیبا نہیں تم کو کہہ دینا چاہیے تھا۔ کہ سبحان اللہ یہ تو بہتان عظیم ہے۔ اگر رسول ﷺ خود فرمادیتے کہ میری اہلیہ اس الزام سے پاک صاف، اور بری ہے۔ تو حضرت عائشہ صدیقہ کو وہ دائمی عزت شہرت اور عفت حاصل نہ ہوتی، جو اللہ تعالیٰ کی آیات برات سے حاصل ہوئی، قیامت تک پوری دنیا میں شب وروز ان آیات کو پڑھا جائیگا۔ اور لاکھوں اور کروڑوں زبانوں سے حضرت عائشہ کی پاکدامنی کے نغمے گونجتے رہیں گے۔ دیکھنے کی چیز تو یہ ہے کہ یوسف پر زلیخا نے تہمت لگائی ان کی پاکدامنی کی گواہی ایک شیر خوار بچے نے دی، مگر جب رسول ﷺ کی زوجہ پر تہمت لگی تو ان کی پاکدامنی کی گواہی خود اللہ تعالیٰ نے دی۔ اور یہ گواہی جزو قرآن بن گئی، یہ انعام یزدانی اور وحی آسمانی سب کچھ آنحضرت ﷺ کی وجہ سے تھا۔ علامہ محمد ادریس کاندھلوی نے حافظ ابن قیم کے حوالے سے تحریر فرمایا کہ یہ قصہ من جانب اللہ ابتلاء اور امتحان تھا مقصد یہ تھا کہ مومنین، مخلصین کا ایمان اور اخلاص واضح اور منکشف ہوجائے، تو مومنین، صادقین، کے ایمان اور استطاعت میں اور منافقین کے نفاق اور شقاوت میں اضافہ اور زیادتی ہو، نیز یہ امر واضح ہو کہ کون شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے اہل خانہ کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے اور کون سوئے ظن یعنی بدگمانی آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کے ساتھ بدگمانی حقیقت میں اللہ کے ساتھ بدگمانی ہے، (سیرت المصطفیٰ ص ۳۰۳ ج ۲)

نزول وحی میں جو ایک ماہ کی تاخیر ہوئی اس میں حکمت یہ تھی کہ عائشہ کے مقام عبودیت کی تکمیل ہوجائے اور جب مظلومانہ گریہ وزاری عاجزانہ بے تابی اور اضطراری اور بارگاہ ذوالجلال میں، انکساری حد کمال کو پہنچ جائے اور خدا کے سوا کسی سے کوئی اُمید باقی نہ رہے۔ خدا اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ حسن ظن اور حسن عقیدت رکھنے والوں کے دل وحی الٰہی کے انتظار میں

تڑپنے اور دھڑکنے لگیں اس وقت اللہ تعالیٰ باران وحی سے ان کے مردہ دلوں کو حیات نو بخشے ،صدیقہ بنت صدیق کو برات وعفت کا گرانمایہ اعزاز بخشا جائے ، بالفرض اگر صحابہ کرام کو اس واقعہ افک کی حقیقت کے بارے علم غیب ہوتا تو ایسے واقعہ میں کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہ ہوتے ،اس لئے کہ یہ رسول ﷺ کی ذات ،اور ان کی محبوبہ رفیقہ حیات کی عفت ،عظمت اور طہارت کا معاملہ تھا، ذراسی لب کشائی بھی دولت ایمان سے محروم کردیتی ، رسول ﷺ کی ذات ،اور انکے گھر کا معاملہ ہونیکی وجہ سے آپ کا خاموش رہنا لازمی اور ضروری تھا۔ حضرت عائشہ کی خادمہ بریرہ سے تسلی بخش جواب سن کر آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور کھلے بندوں اعلان فرمایا: "فو اللہ ما علمت علی اھلی الا خیرا"

ترجمہ: خدا کی قسم میں نے اپنے اہل (زوجہ) سے سوائے نیکی اور پاکدامنی کے کچھ نہیں دیکھا، اگر اس واقعہ کی نسبت کہ یہ بہتان ہے، علم غیب نہ ہوتا تو اللہ ذو الجلال کی قسم کھا کر اہلیہ محبوبہ کی پاکدامنی اور نیک چلنی کا اعلان کیوں فرماتے ؟ واقعہ افک و بہتان کی تردید اور تکذیب قرآن نے بیان فرمائی، آپ ﷺ کے زمانہ پاک سے لیکر آج تک تمام مسلمان پڑھتے پڑھاتے آرہے ہیں، جلیل القدر مفسرین، اور محدثین نے نور علم، اور ضیائے ایمان کے اجالے میں اس واقعہ کو عقابی نگاہوں سے دیکھا، نظم قرآن سے اُبھرنے والی تعبیری اور تفسیری لہروں میں غوطہ زن ہوئے تو انہیں واقعہ افک کی ہر ہر کڑی، اور اس بہتان عظیم کے ایک ایک لفظ سے عظمت عائشہ کے فوارے پھوٹتے نظر آئے ،عفت عائشہ اور تعظیم رسول ﷺ کا سمندر ناپید کنار نظر آیا، مگر حیرت ہے مؤلف پر کہ اسکو برات عائشہ میں دس آیتیں دیکھ کر کمال مصطفےٰ ﷺ کی بجائے نقص مصطفےٰ نظر آیا کہ آپ ﷺ غیب نہیں جانتے تھے۔ نیز انبیاء اور اولیاء ہمہ اوقات ایک حال پر نہیں رہتے ، ملا علی قاری نقل فرماتے ہیں: "والحاصل ان الاحوال الانبیاء والاولیاء مختلفة وھذا لم یریٰ یعقوب ولده یوسف فی البئر مع قر

بہ الی بلدہ ووجد ریح قمیص یوسف من حین فصلت من مصر "(مرقات ۲۷۰، ج۲)

ترجمہ : انبیاء اور اولیاء پر مختلف احوال طاری ہوتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ کہ حضرت یعقوب اپنے بیٹے یوسف کو اپنے ہی شہر کنعان کے کنویں میں ڈالا ہوا نہ دیکھ سکے، لیکن ایک وقت آیا کہ قافلہ حضرت یوسف کا کرتہ لے کر ملک مصر سے روانہ ہوا تو اسکی خوشبو آپ نے کنعان میں محسوس کی شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمتہ نے فرمایا:

زمصرش بوئے پیراہن شنیدی : چرا در چاہ کنعانش نہ دیدی

ترجمہ: کہ آپ نے حضرت یوسف کے کرتے کی خوشبو مصر سے تو پالی، مگر جب کنعان میں کنویں میں تھے تو آپ معلوم نہ کر سکے اس کا جواب:

بگفت احوال ما برق جہاں است : دمے پیدا و دیگر دم نہاں است
گہے بر طارم اعلیٰ نشینم : گہے بر پشت پائے خود نہ بینم ،

ترجمہ : فرمایا ہمارا حال بجلی کی تڑپ کی طرح ہے کبھی ظاہر اور کبھی چھپا ہوا۔ کبھی علم کی بلندیوں پر براجماں ہو کر دور دور تک دیکھ لیتے ہیں اور کبھی پرواز اتنی سست ہوتی ہے کہ اپنے پاؤں کی پشت کو بھی نہیں دیکھ پاتے ،اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو نسیان کی مرض سے محفوظ رکھتا ہے، غفلت اور لاپرواہی سے دور رکھتا ہے، زیادہ سے زیادہ ذہول ہوسکتا ہے، غفلت اور لاپرواہی جہالت کا نام ہے انبیاء اس سے معصوم ہیں، نسیان کسی چیز کے حافظہ سے نقل جانے کا نام ہے ،یہ بھی مستلزم جہالت ہے اللہ کے نبی ﷺ اس سے محفوظ ہوتے ہیں۔ ہاں اگر علم ہو غفلت اور لاپروائی نہ ہو، حافظہ ہو مگر توجہ نہ رہے تو یہ ذہول کہلاتا ہے، انبیاء کی توجہ جب کسی امر کی طرف مبذول نہ رہے تو شیء مخفی کا علم نہیں ہوسکتا، جیسا کہ ملا علی نے اسکی تشریح فرمائی اور بطور دلیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا واقعہ نقل فرمایا۔ اس تشریح کے بعد یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اللہ کے

محبوب موتہ کے مقام پر ہونے والی جنگ کا منظر دیکھ کر بیان فرما رہے ہیں۔ حضرت جعفر، عبد اللہ بن روانہ رضی اللہ عنہ کو شہید ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، جھنڈے کی تبدیلی کی کیفیت ملاحظہ فرما رہے ہیں، مگر اپنے ہی ساتھ قافلہ میں موجود اپنی رفیقہ حیات عائشہ صدیقہ کے پیچھے رہ جانے کو ملاحظہ نہیں فرمایا۔ مسجد نبوی کے منبر سے سات آسمانوں سے پار حوض کوثر کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔ قیامت کے دن حوض کوثر پر صحابہ کا ملاقات کرنا، اور حوض کوثر سے جام بھر بھر کر ان کو پلانا تو نظر آ رہا ہے، مگر قریب ترین جگہ پر حضرت عائشہ صدیقہ کا پیچھے رہ جانا نظر نہیں آیا اگر کیفیت کی تبدیلی نہ ہوتی حالات مختلف نہ ہوتے تو آپ ﷺ حضرت عائشہ کو دیکھ لیتے اور صحابہ کو بتاتے۔ پھر اگر اسمیں حکمت ہائے خداوندی نہ ہوتیں جن کا تذکرہ ہم پہلے کر آئے ہیں تو یہ واقعہ ہی کیوں پیش آتا۔

مؤلف نے اپنی تالیف کے اوراق کو زیادہ کرنے کیلئے واقعہ افک و بہتان کو تو پوری شرح اور بسط سے لکھا مگر اس کا نچوڑ کیا نکالا کہ رسول ﷺ صحابہ کرام حضرت علی رضی اللہ عنہ، ازواج مطہرات عالم الغیب نہیں، مگر یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے۔ کہ ان کو کس نے کہا کہ اہل سنت و جماعت ان نفوس قدسیہ کو عالم الغیب مانتے ہیں؟ یا انہوں نے اہل سنت و جماعت کی کس تحریر میں لکھا دیکھا ہے خود ہی ایک اُصول وضع کرنا جسکی شریعت نے اجازت نہیں دی اور خود ہی دوسرے کے خلاف پیش کرنا کہاں کی عقل و دانش اور کہاں کا انصاف ہے۔ علمائے اُمت کو واقعہ اُفک و بہتان سے عظمت رسول ﷺ اور شان عائشہ صدیقہ کی ایک نئی راہ ملی، آیات برات سے ذات رسول ﷺ اور مقام عائشہ کے خفیہ گوشے جلوہ گر ہوئے، شان رسالت اور آن عائشہ صدیقہ اوج کمال کی سرحدوں کو پار کر گئی، مگر کیا کہیں مؤلف کتابچہ کے مبلغ علم کو جسے آیات قرآنیہ احادیث نبویہ اور تشریحات علماء کے بھرے سمندر میں کمال مصطفیٰ اور جمال

عائشہ صدیقہ کا ایک قطرہ بھی نظر نہ آیا۔ نظر آیا تو یہی کہ آپ ﷺ کو علم غیب نہ تھا، علم غیب کی ...ت احادیث، تشریحات کا ایک ذخیرہ پہلے آچکا ہے، مزید بحث بعد میں آ رہی ہے۔ حضرت یعقوب کو علم تھا کہ یوسف کنعان میں ہے۔ خود قرآن بتا رہا ہے کہ یعقوب نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: ”واعلم و من اللہ ما لا تعلمون“

...اللہ تعالیٰ نے مجھے ان چیزوں کا علم دیا ہوا ہے۔ جن کا تمہیں علم نہیں۔

...اور ان یوسف نے بھیڑیئے کے خون سے یوسف کی قمیض کو رنگین کیا اور حضرت یعقوب کو ...دمت میں پیش کی کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ یہ دیکھ کہ آپ نے فرمایا:

”بل سولت لکم انفسکم امرا“

یہ تمہاری اپنی چالبازی اور حیلہ سازی ہے۔ یوسف کو بھیڑیئے نے نہیں کھایا، اگر واقعہ افک و بہتان میں نبی ﷺ کو علم نہ ہوتا، حضرت عائشہ کی بے گناہی کی تفصیل زیر نظر نہ ہوتی، حضرت عائشہ کی پاکدامنی اور عفت پر نور رسالت ضیاء بار نہ ہوتا، اور منافقین کے خبیث باطن پر مطلع نہ ہوتے، اور تین کس صحابہ کے مومن کامل ہونے اور منافقین کی بہتان طرازی میں آ جانے کا علم اور خبر نہ ہوتی تو آپ ﷺ مسطح بن اثاثہ، حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا پر حد قذف کیوں جاری فرماتے، اگر عبد اللہ بن ابی کے نفاق کا علم نہ ہوتا تو اس پر بھی حد قذف جاری فرماتے، حد قذف معیار شہادت پر جاری فرمائی، علم ہونے کے باوجود تحقیق اس لئے کروائی کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ حد قذف کا اجراء بدوں تحقیق اور بدوں شہادت نہیں ہوا۔

مؤلف نے کتابچہ کے ص ۴۶، پر پیران پیر شیخ عبد القادر جیلانی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ کے عنوان سے ان کا قول نقل کیا جو اسطرح سے ہے: ”من یعتقد ان محمد ﷺ یعلم الغیب فھو کافر لانّ علم الغیب صفة مختصة باللہ“

ترجمہ: جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ حضرت محمد ﷺ غیب جانتے تھے تو وہ کافر ہے کیونکہ علم غیب ایک ایسی صفت ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔ جواباً کہا جائیگا کہ آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ اقوال علماء پہلے نقل ہو چکے ہیں کہ اللہ کے بتانے اور عطا فرمانے سے آنحضرت ﷺ غیب جانتے تھے، اور آپ ﷺ نے بے شمار امور غیبیہ کی خبریں بھی دی ہیں لہٰذا آپ ﷺ کیلئے علم غیب ماننے والا کافر نہیں، اس پر مفسرین کے اقوال پہلے آ چکے ہیں۔ ۲: اگر پیران پیر کی اس عبارت کو صحیح سمجھا جائے اور اسکی توجیہ نہ کی جائے تو آیات واحادیث، اقوال علماء کے ساتھ تعارض اور تناقض لازم آئیگا ایسی صورت میں نصوص قطعیہ، اور جمہور علماء اور مفسرین کے مقابل شخص واحد کا قول قابل توجہ نہ ہوگا، آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ اور علمائے اُمت کے متفقہ قول پر عمل کیا جائیگا، کیونکہ علماء نے آپ ﷺ کیلئے غیب کا علم ثابت کرنے والے شخص کو کافر نہیں کہا، بلکہ یہاں تک فرمایا ہے، کہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ غیب جانتا ہے اس کو بھی کافر نہیں کہا جائیگا کیونکہ ''یومنون بالغیب'' کے تحت ہر مومن کا امور غیبیہ جنت، دوزخ، فرشتے وغیرہ، اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر ایمان لانا ضروری ہے۔ پیران پیر کی عبارت کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ رسول ﷺ کل مقدورات باری تعالیٰ کا علم ذاتی اور شخصی طور پر رکھتے ہیں۔ وہ کافر ہے کیونکہ مقدورات باری تعالیٰ غیر متناہی بالفعل ہیں اور رسول ﷺ کا علم متناہی اور عطائی ہے، اسکی دلیل یہ ہے کہ الغیب معرف باللام، اور لفظ غیب مصدر ہے، مصدر پر الف ولام کے داخلہ سے معنی جنسی پیدا ہوتا ہے، جنس سے مراد حقیقت اور ماہیت ہوتی ہے، عبارت مذکورہ بالا کا معنی یہ ہوگا کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ غیب کی حقیقت اور ماہیت کا علم رسول ﷺ جانتے ہیں۔ اور بدوں تعلیم خداوندی جانتے ہیں وہ کافر ہے۔ یہ اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کے مطابق ہے، مخالف نہیں، چنانچہ اسی عنوان میں ملا علی قاری نے فرمایا: ''فان للغیب مبادی ولواحق فمبادیہ لا یطلع علیہ ملک مقرب ولانبی مرسل واما اللواحق ما اظهره علی بعض احبائه لوحة عمله، وخرج بذالک عن الغیب المطلق وصار غیباً اضافیا''

ترجمہ: غیب کیلئے دو چیزیں ہیں۔ (۱) مبادی (۲) لواحق، غیب کے مبادی، یعنی اسکی حقیقت تفصیل اور ماہیت اس پر کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل مطلع نہیں ہوسکتا، اور غیب کے لواحقات ہیں۔ یہ ایسے امور ہیں۔ جن پر اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو مطلع فرماتا ہے، غیب کی قسم الغیب المطلق جو خاصہ خدا تعالیٰ ہے۔ اس سے خارج ہے، اور اس کا نام غیب اضافی ہے معلوم ہوا کہ جو غیب اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے وہ الغیب المطلق ہے، اور مخلوق کو جو علم غیب حاصل ہے وہ غیب اضافی ہے، پیران پیر کے قول میں جو لفظ آیا ہے وہ غیب معرف باللام ہے اس سے مراد الغیب المطلق ہے، اس کے بارے میں اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ حضور ﷺ الغیب المطلق جانتے ہیں تو وہ بلاشبہ کافر ہے۔ ملا علی قاری آگے فرماتے ہیں:

''وذالک اذا تنور الروح القدسیة وازداد نور یتهادو واشراقها بالاعراض عن ظلمة عالم الحس و تخلیة مرءاة القلب عن صدور الطبیعتة والمواظبة علی العلم والعمل وفیضان الانوار الالهیة حتی یقوی النور و ینبسط فی فضاء قلبه فتنعکس فیه النقوش المرتسمه فی اللوح المحفوظ ویطلع علی المغیبات ویتصرف فی اجسام العالم السفلی بل یتجد حینئذ الفیاض الاقدس بمعرفته التی هی اشرف العطایا فکیف بغیرها'' (مرقات ج ۱، ص ۲۵)

ترجمہ: بندے کو غیب اضافی کیسے حاصل ہوتا ہے، وہ اسطرح کہ جب روح مقدسہ نورانی ہو جائے۔ دنیا کی طلب کے اندھیرے سے اعراض اور طبیعت کی کدورتوں سے شیشہ دل کو روشن کرے اپنے علم، عمل کی پوری طرح پیروی کرے، تو اس پر انوار الٰہیہ کا فیضان ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ یہی نور قوی اور اسکے پورے دل پر چھا جاتا ہے، پھر اس کے دل کی دنیا نور سے

معمور ہو جاتی ہے، لوح محفوظ میں جو نقوش یعنی مخلوقات کی تقادیر ہیں اس نورانی دل میں منعکس یعنی اتر آتی ہیں، اور یہ بندہ اُمور غیبیہ پر مطلع ہوتا ہے، اور کائنات ارضی میں تصرف بھی کرتا ہے، بلکہ اس وقت تو اللہ رب العزت کے انوار و تجلیات بھی دیکھتا ہے، باقی سب کچھ تو رہا درکنار۔ یعنی جب بندہ اپنے علم اور عمل پر کاربند ہو تو نور ربانی اس کے دل پر جلوہ گر ہوتا ہے۔ دنیا سے منہ موڑ کر ذات وحدہ ولا شریک کی طرف متوجہ ہوتا ہے، عرفانی مدارج کو طے کرتا ہوا، محبت الٰہی میں غرق ہو جاتا ہے، اللہ اپنے بندے کے ذوق محبت اور شوق دیدار کو دیکھ کر اسقدر مہربان ہوتا ہے کہ اس پر انوار الٰہیہ، اور تجلیات یزدانیہ کی برسات ہونے لگتی ہے پھر وہ غیب بھی جانتا ہے اور زمینی اجسام میں تصرف کرنے کی طاقت بھی رکھتا ہے، ملا علی قاری نے نقل فرمایا کہ:

"اشتهر عن العرفاء من الاخبار الغيبية كماقال الشيخ الكبير ابو عبد الله فى معتقده ونعتقدان العبد فينقل فى الاحوال حتى يصير الى نعوت الروحانية فيعلم الغيب وتطوى له الارض و يمشى على المآء ويغيب عن الابصار"

(مرقات ج،۱، ص ۶۲)

ترجمہ: عارفین کے نزدیک غیب کی بات بتانا مشہور ہے، جسطرح شیخ کبیر ابو عبداللہ نے اپنی کتاب 'معتقد' میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ جب بندۂ خدا روحانیت کی صفت سے متصف ہو جائے تو وہ غیب جانتا ہے زمین اس کیلئے سکڑ جاتی ہے وہ پانی پر چلتا اور نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے، ان گذارشات سے ثابت ہوا کہ اللہ کا بندہ جو ولایتِ کاملہ کے درجہ پر فائز ہو، وہ غیب جانتا کائنات میں تصرف کرتا، پانی پر چلتا، آنکھوں سے غائب ہو جاتا ہے، اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ انوار الٰہیہ کا مشاہدہ بھی کرتا ہے، جب علمائے عارفین کا یہ عقیدہ ہے تو پیران پیر اس بندۂ مومن کو کافر کیسے کہہ سکتے ہیں؟ ان کا فتویٰ صرف اس شخص کیلئے ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ رسول ﷺ غیب کے مبادی یعنی الغیب المطلق جانتے ہیں بحمد اللہ اہل سنت و جماعت کا یہ عقیدہ نہیں

مؤلف نے کتابچہ کے ص ۴۷ پر عبارات فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نام سے اس بات پر عنوان قائم کیا ہے کہ جو شخص رسول ﷺ کو غیب دان سمجھ لے وہ کافر ہے کیونکہ رسول ﷺ غیب نہیں جانتے تھے۔ مؤلف نے فتاویٰ خانیہ سے درج ذیل عبارت بھی نقل کی ہے

(۱) "قال فى الخانيه رجل تزوج امراة بغير شهود فقال الرجل للمراة خدا را وپيغمبر را گواه كرديم قالوا يكون كفر الا نه اعتقد ان رسول ﷺ يعلم الغيب وهو ماكان يعلم الغيب حين كان فى الاحياء فكيف بعد الموت۔

ترجمہ:۔ امام حسن بن منصور قاضی خان حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک آدمی نے ایک عورت سے گواہوں کے بغیر نکاح کیا اور اس سے کہا کہ میں نے خدا اور رسول ﷺ کو گواہ بنایا فقہائے کرام رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کفر ہوگا کیونکہ اس نے رسول ﷺ کو غیب دان سمجھ لیا حالانکہ جب آپ ﷺ زندوں میں تھے۔ اس وقت غیب نہیں جانتے تھے، تو موت کے بعد کس طرح غیب جاننے لگے،

(۲) "قال فى خلاصة رجل تزوج ولم يحضر شاهدا"

"(فقال خدائے را و رسول خدائے را گواه كردم وفرشتگان را گواه كردم

يكفر فى الفتاوى لانه اعتقد ان رسول ﷺ وا لملک عالم بالغيب (خلاصۃ الفتاویٰ)

ترجمہ:۔ ایک آدمی نے نکاح کیا اور گواہ کو نہ بلوایا اور کہا کہ میں نے خدا اور رسول ﷺ کو اور فرشتوں کو گواہ بنایا تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ اس صورت میں اس نے حضرت محمد ﷺ کو اور فرشتوں کو عالم الغیب سمجھا۔

(۳) "قال فى البزازنعه تزوج بلا شهود قال خدائے را ورسول ﷺ خدا را و فرشتگان را گواه كردم يكفر لانه اعقد ان رسول ﷺ الملک يعلمان الغيب، ونيز در يزازيه است وعن هذا قال علمائنا من قال ان ارواح

المشائخ حاضرة تعلم تكفر"

ترجمہ: کسی آدمی نے بغیر گواہوں کے نکاح کیا اور کہا کہ خدا، رسول خدا، اور فرشتوں کو میں نے گواہ کیا تو کافر ہو جائیگا، کیونکہ اس نے یہ اعتقاد کیا کہ حضرت محمد ﷺ اور فرشتوں کو غیب دان سمجھ لیا اسی وجہ سے ہمارے علماء نے فرمایا کہ جس نے کہا کہ بزرگوں کی روحیں حاضر و ناظر ہیں وہ کافر ہے۔

اقول: حنفی فقہاء کے فتاوٰی، مؤلف کے نامزد کردہ فتاوٰی میں ہی محدود اور محصور نہیں بلکہ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے ہیں ان فتاوی پر انحصار کر کے کفر کا فتوٰی صادر کرنا غلط اور غیر مناسب ہے، فتاوٰی درمختار میں ہے

"تزوج بشهادة الله ورسوله ﷺ لم يجز ،بل قيل يكفر"

ترجمہ:۔ایک شخص نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو گواہ بنا کر نکاح کیا تو نکاح جائز نہیں۔ "قيل يكفر" کہا گیا ہے کہ وہ کافر ہو جائے گا، اس سے دو قول ثابت ہوئے (۱) جائز نہیں (۲) اس نے کفر کیا، قيل يكفر کے تحت علامہ ابن عابدین شامی نے نقل فرمایا:

"لانه اعتقدان رسول ﷺ عالم الغيب ،قال في التاتر خانيه"

ترجمہ: تاتارخانیہ میں ہے کہ اس کے کافر ہونیکی وجہ یہ ہے کہ اس نے رسول ﷺ کو غیب دان سمجھ لیا ہے،

علامہ شامی نے نقل فرمایا:

"وفي الحجة ذكر في الملتقط انه لا يكفر لان الا شياء تعرض على روح النبي ﷺ ،وان الرسل يعر فون بعض الغيب ،قال تعالىٰ عالم الغيب فلا يظهر على غيبه احدا الا من ارتضىٰ من رسول ﷺ"

ترجمہ: فتاوٰی الحجت میں ہے کہ فتاوٰی ملتقط میں مذکور ہے کہ وہ شخص کافر نہیں ہوگا، اس لئے کہ اشیاء رسول ﷺ کی روح مقدسہ پر پیش کی جاتی ہیں۔

۲۔اسلئے بھی کافر نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب خاص پر کسی کو بھی مطلع نہیں فرماتا، ہاں اپنے پسندیدہ رسولوں میں سے جسکو چاہے اپنے غیب خاص پر مطلع فرماتا ہے۔یعنی درمختار حجته الفتاوی الملتقط ،اور رد المختار سے ثابت ہوا کہ وہ شخص کافر نہیں ہوگا کافر نہ ہونے کی دو وجہیں ہیں جو ابھی بیان ہوئی ہیں (۱) روح مقدسہ پر اشیائے کائنات کا پیش ہونا (۲) غیب خاص پر مطلع فرمایا جانا علامہ ابن عابدین الشامی نے اس شخص کے کافر نہ ہونیکی وجہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"بل ذكر وافي كتب العقائد ان من جملة كرامات الاولياء الاطلاع على بعض المغيبات وردوا وعلى المعتزلة المستدلين بهٰذا الأية على نفيها ،بان المراد الاظهار بلاواسطة، والمرار من الرسول الملك اى لايظهر على غيبه بلاواسطة الا الملك ،امّا النبي والاولياء فينظهر هم عليه بواسطة الملك اوغيره" (رد المختار جلد ۳ ص ٦٧)

ترجمہ: بلکہ علماء نے عقائد کی کتابوں میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ اوّلیاء کی جملہ کرامات میں سے ایک کرامت غیب پر مطلع ہونا ہے، علمائے علم الکلام نے اس آئینہ مقدسہ سے فرقہ معتزلہ کا رد بھی کیا ہے، جو اوّلیاء اور نبی کریم ﷺ سے علم غیب کی نفی کرتے ہیں، اور اظہار علی الغیب سے مراد یہ ہے کہ اپنے پسندیدہ رسول کو بغیر واسطہ علم غیب پر مطلع فرماتا ہے، اور آئینہ کریمہ میں الا من ارتضى من رسول میں رسول سے مراد، فرشتہ ہے، آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے پسندیدہ فرشتے کو بغیر واسطہ علم غیب پر مطلع فرماتا اور نبی اور اوّلیاء کو فرشتے کے ذریعے مطلع بر غیب فرماتا ہے، علامہ شامی کی اس توضیح سے ثابت ہوا کہ رسول ﷺ کے بارے میں کہ وہ

غیب جانتے ہیں عقیدہ رکھنے والا شخص کافر نہیں۔

(۲) ایسے شخص کو کافر کہنا صحیح نہیں کیونکہ صاحب درمختار نے صرف اتنا کہا ہے کہ ایسا عقیدہ رکھنے والے شخص کا نکاح جائز نہیں یہ نہیں کہا کہ وہ کافر ہے۔

(۳) جن فقہائے نے کفر کا قول کیا ہے 'قیل' کے لفظ سے ذکر کرکے ان قول کو ضعیف قرار دیا ہے

(۴) انبیاء اور اولیاء سے علم غیب کی نفی کرنا کہ غیب نہیں جانتے معتزلہ کا عقیدہ ہے، اہل سنت وجماعت کا نہیں۔

(۵) فرشتہ کو علم غیب پر بلاواسطہ مطلع فرماتا ہے اور انبیاء اولیاء کو فرشتے کی وساطت سے مطلع فرماتا ہے، لہٰذا فقہاء کی اختلافی عبارات اور آراء کو حتمی اور اجتماعی فتوی کے طور پر پیش کرنا غلط ہے۔

(۶) علامہ ابن عابدین الشامی نے فرمایا:

"وامّا ما وقع من بعض الخواص کاالا نبیاء والا ولیاء بالو حی اوالھام مخصوص باعلام من اللّٰہ تعالیٰ فلیس مما نحن فیہ" (ردالمختار۔ج۔۴۔ص۲۴۳)

ترجمہ: بعض خواص جو غیب کی خبریں دیتے ہیں جیسے انبیاء کرام اور اولیاء عظام یہ وحی اور الہام ہے وہ اللہ تعالیٰ کا بتانا ہے اللہ انہیں وحی اور الہام کے ذریعے بتاتا ہے، یہ ہمارے موضوع سے خارج ہے موضوع کیا ہے کہ کن کن باتوں کی وجہ سے آدمی مرتد ہوتا ہے، یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ انبیاء اور اولیاء وحی اور الہام کے ذریعے غیب کا علم رکھتے ہیں کفر نہیں۔

(۷) یہی علامہ شامی فرماتے ہیں:

"وحاصلہ انّ دعویٰ علم الغیب معارضۃ لنصّ القرآن فیکفر بھا الاّ اذا اسند ذالک صریحا اود لالۃ الی سبب من اللّٰہ تعالیٰ کو حی اولھام"

(رد المختار جلد ۴، ص ۲۴۳، باب المرتدین)

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ دعوٰی علم غیب نص قرآنی کے خلاف ہے، لہٰذا ایسے شخص کی تکفیر کی جائیگی، ہاں اگر اس نے دعوٰی علم غیب کی نسبت صراحۃً یا دلالۃً ایسے سبب کی طرف کی جس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے جیسے وحی یا الہام تو اس کو کافر نہیں کہا جائیگا یعنی اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے انبیاء اور الہام کے ذریعے اولیاء کو علم غیب دیتا ہے اور وہ علم غیب جانتے ہیں تو یہ کفر نہ ہوگا۔ ثابت ہوا کہ جن فقہاء نے رسول ﷺ کیلئے علم غیب ماننے اور ثابت کرنے والے شخص کو کافر کہا ہے ان کی مراد یہ ہے کہ اگر وہ بلا سبب، بدوں وحی، اللہ کے بتانے کے بغیر دعوٰی علم غیب کرے تو پھر کافر ہوگا، کیونکہ ایسی صورت میں نص قرآنی کی مخالفت لازم آئیگی اور وہ کفر ہے۔ درمختار میں ہے "اذا کان فی المسئلۃ وجوہ توجب الکفر واحد یمنعہ فعلی المفتی المیل لمایمنعہ"

ترجمہ: اگر ایک مسئلہ میں ایسی کئی وجوہ ہوں جو کفر ثابت کرتی ہوں، مگر صرف ایک وجہ ایسی ہو، جو حکم کفر یعنی فتوی کفر سے روکتی ہو مفتی پر لازم ہے وہ اس ایک وجہ پر عمل کرتے ہوئے فتوی کفر سے رک جائے۔ امام خیر الدین الرملی نے فرمایا:

"اقول ولو کانت الروایۃ لغیراھل مذھبنا وید ل علی ذالک اشتراط کون مایو جب الکفر مجمعاعلیہ" (ردّالمختار، جلد ۴، ص ۲۳۰ باب المرتد)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ اگر وہ ضعیف روایت ہمارے مذہب والوں کی نہ ہو تب بھی اس شخص کو کافر قرار نہیں دیا جائیگا جس سے اس شخص پر کفر کا فتوی لگ سکتا ہے۔ وہ وجہ ایسی ہو جس پر تمام آئمہ اور فقہاء کا اجماع ہو۔ فتاوی خانیہ، خلاصہ الفتاوی بزازیہ، مجموعہ، الفتاوی میں اس شخص کے کافر ہونیکی جو وجہ بیان کی گئی ہے وہ اجماعی نہیں دیگر جلیل القدر آئمہ اور فقہاء نے اس کو رد کردیا ہے، دوسرا یہ کہ اس وجہ کے مقابل نص قرآنی موجود ہے، جیسا کہ علامہ شامی نے نقل فرمایا: "عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احد الاّ من ارتضی من رسول"

فتاویٰ خانیہ وغیرہ میں نبی ﷺ کیلئے علم غیب ثابت کرنے والے شخص پر کفر کا فتویٰ دینا فقہائے کرام کے جمہوری اصول کے خلاف ہے۔ لہذا مردود اور مرجوح ہے خلاصۂ بحث یہ ہے کہ وہ شخص اس وقت کافر ہوگا جب وہ یہ دعویٰ کرے کہ نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر ذاتی طور پر علم غیب جانتے ہیں ☆ وللہ الحمد ☆

مؤلف نے کتابچہ کے ص، ۴۹ پر لکھا کہ خلیفہ منصور نے خواب میں ملک الموت کو دیکھا تو اس سے اپنی بقیہ عمر کے بارے میں سوال کیا کہ میری عمر کتنی باقی ہے؟ تو فرشتے نے پانچ انگلیوں سے اشارہ کیا اور غائب ہوگیا، منصور نے تعبیر دانوں کے سامنے اپنا خواب بیان کیا ان میں حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہ بھی تھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایا: "ھو اشارۃ الی ھذہ العلوم الخمسۃ لایعلمھا الا اللہ"

ترجمہ: وہ ان غیوب کی طرف اشارہ ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، مؤلف نے لکھا جو لوگ حنفی ہونے کے دعویدار ہیں ان کیلئے امام اعظم کا فیصلہ کافی ہونا چاہئے ، ضد اور ہٹ دھرمی چھوڑ کر غلط عقیدہ سے توبہ کرنا چاہیے"

اقول: ،مؤلف بڑے دور کی کوڑی لائے ہیں۔ انہیں نبی کریم ﷺ کے علم غیب سے اتنی چڑ ھے کہ انہیں خلیفہ منصور کا خواب بھی یاد آگیا، اور اس سے بھی رسول ﷺ سے علم غیب کی نفی پر استدلال کیا اور تفسیر مدارک کا حوالہ دیا، مؤلف کو علم ہے کہ یہ واقعہ خواب کا ہے اور خواب منصور نے دیکھا منصور نعوذ باللہ نبی یا رسول نہیں ایک عام آدمی ہے، پیغمبر اور رسول کے علاوہ ہر شخص کا خواب کوئی حیثیت اور کوئی اہمیت نہیں رکھتا، اس سے دین متین کا حکم ثابت ہوتا ہے نہ حذف، بندے کا خواب دین متین کی تشریحی اور تشریعی حیثیت میں معاون ہے، نہ مددگار جب اسکی کوئی حقیقت اور حیثیت ہے ہی نہیں تو اس کا سہارا لینا ایسا ہی ہے جیسے ریت کے گروندوں

پل تعمیر کرنا، عام بندوں کے خواب تو اضغاث احلام ہیں، ہاں انبیاء کرام کے خواب وحی کی صورت ہوتے ہیں۔ جو قابل اعتماد اور سچے ہوتے ہیں اور انبیائے کرام کیلئے ان پر چلنا بھی لازمی ہوتا، جیسے حضرت یوسف اور حضرت ابراہیم، اور نبی کریم ﷺ کے خواب، لیکن مؤلف نے تفسیر مدارک کو قابل استدلال سمجھا اور اس میں منصور کے خواب کا پڑھا اور پھر استدلال کیا، مؤلف کے اس طرز عمل سے ہمیں موقعہ ملا ہے کہ ہم بھی علوم خمسہ کے بارے میں تفسیر مدارک سے کچھ نقل کریں۔ مدارک نے آیہء کریمہ "یسئلونک عن الساعۃ ایان مرسھا فیم انت ذکرھا" کے تحت تحریر فرمایا: "او کان رسول اللہ علیہ السلام لم یزل یذکر الساعۃ ویُسئل عنھا حتی نزلت فھو تعجب من کثرۃ ذکرھا"

ترجمہ: رسول ﷺ قیامت کا بہت ہی ذکر فرمایا کرتے تھے اور اس کے بارے میں سوال کئے جاتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت اتری پس یہ آیت تعجب ہے آپ ﷺ کے زیادہ ذکر قیامت فرمانے پر، اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ کس قدر ذکر قیامت فرماتے ہیں۔

پھر تحریر فرمایا: "او فیما انکار بسوالھم عنھا ای فیما ھذا السوال ثم قال انت من ذکراھا وانت آخر الانبیاء علامۃ من علاماتھا فلا معنیٰ لسوالھم عنھا"

ترجمہ: کفار کے سوال کا انکار ہے یعنی یہ سوال کس شمار میں ہے، پھر ارشاد ہوا کہ آپ ﷺ خود اس قیامت کی نشانیوں میں سے ہیں، کیونکہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں، اور قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہیں۔ اب ان کا قیامت کے بارے میں پوچھنے کا کوئی مقصد ہی نہیں، اب اس آیت کا معنیٰ ہوا کہ قیامت کے بارے میں ان کا پوچھنا فضول اور بے معنیٰ ہے

آگے فرمایا: "قیل فیما انت من ذکراھا متصل بالسوال ، ای یسئلونک عن الساعۃ ایان مرسھا ویقولون این انت من ذکراھا ثم استأنف فقال الی ربک" یہ بھی کہا گیا ہے فیما انت سوال سے متصل ہے، یعنی کفار آپ ﷺ سے پوچھتے ہیں

مت کا قیام کب ہوگا؟ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کو رس کا علم کہاں سے آیا؟ پھر
ند تعالیٰ نے اپنا سلسلہ کلام شروع فرمایا، الیٰ ربک ایسی صورت میں آیت کا معنی یہ ہوا کہ
لفار نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ قیامت کا علم آپ ﷺ کو کہاں سے آیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا
ا اللہ کی طرف سے تو یہ آیہ کریمہ علم قیامت کا ثبوت اور دلیل ہے۔ پھر فرمایا:

انما انت منذر من یخشھا ای لم تبعث لتعلمھم بوقت الساعۃ انما انت الایہ

رجمہ: آپ ﷺ اس لئے نہیں بھیجے گئے کہ کفار کو وقت قیامت کی خبر دیں، اب آیت کا معنی
یہ ہوا کہ کفار کا یہ کہنا کہ اگر آپ ﷺ وقت قیامت کی خبر دیں تو نبی ہیں، اگر خبر نہیں دیں گے تو
بی نہیں یہ محض ایک بے ہودگی ہے اس لئے قیامت کے وقت کی خبر دینا نبوت کے فرائض میں
سے نہیں، نبی ﷺ کا فرض منصبی احکام خداوندی کی تبلیغ ہے۔ ان مذکورہ بالا صاحب مدارک کی
تفسیری عبارات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو قیامت کے قیام کا علم دیا ہے
ور آپ ﷺ وقت قیامت کو جانتے ہیں۔ اگر مولف کو مدارک میں منقول منصور کے خواب پر
پورا یقین اور ایمان ہے تو قرآنی آیات پر بھی ایمان اور یقین ہونا چاہئے۔ اگر مولف نے
خواب پر اسلئے یقین کیا اور ایمان لائے۔ کہ تفسیر مدارک میں ہے تو پھر ان کو ان تفاسیر پر
بھی یقین اور ایمان لانا ہوگا کیونکہ یہ بھی مدارک میں ہیں۔ مولف کیلئے یہاں یہ محاورہ بہت ہی
موزوں نظر آیا۔ "فر من المطر ووقف تحت المیزاب"
ترجمہ: بارش سے بھاگے اور پرنالے کے نیچے کھڑے ہوگئے۔
تفسیر مدارک سے رسول ﷺ سے علم قیامت کی نفی پر خواب منصور پیش کیا، مگر اسی تفسیر مدارک
سے وقت قیامت کا علم ہونیکی تصدیق فراہم ہوئی۔ "ذالک من فضل اللہ لا من حیلتی
وانی اعدعلی فضولا"

مؤلف نے کتابچہ کے ص ۵۰ پر اشکال قائم کیا جس کے ضمن میں یہ تحریر کیا کہ جب
ابراہیم نے خواب میں دیکھا کہ اپنے فرزند کو ذبح کر رہا ہوں اور پھر اس کو حکم خداوندی سمجھ کر
چھری لیکر اپنے جگر پارے کو اوندھے منہ لٹایا اور پھر چھری چلانا شروع کیا اور ثابت کر دکھایا کہ
اللہ والے بیٹے کا گلا کٹ سکتا ہے، لیکن فرمان الٰہی میں پس وپیش نہیں ہوسکتی۔ اس واقعہ سے
متعلق یہ اشکال ہے کہ جس وقت ابراہیم اپنے بیٹے کو ذبح کرنے لے جا رہے تھے، تو ان کو
یہ معلوم تھا یا نہیں میں چھری چلاوں گا لیکن بیٹے کا گلا نہیں کٹے گا۔ بلکہ جنت سے دنبہ آکر ذبح
ہوگا اگر کوئی کہے کہ یہ علم نہیں تھا۔ تو پھر خلیل اللہ کی قربانی اور واقعہ کی عظمت تو اپنی جگہ برقرار رہی
البتہ اس سے علم غیب کا خود ساختہ عقیدہ پاش پاش ہوجائیگا کیوں کہ آجکل کے عاشق تو
اولیاء اور تمام انبیاء کو عالم الغیب سمجھتے ہیں۔

اقول: یہ واقعہ اس وقت رونما ہوا جب حضرت اسماعیل کی عمر تیرہ برس تھی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ
نے حضرت ابراہیم کو حلیم بیٹے کی بشارت دی تھی، اور وہ حضرت اسماعیل ہیں جن کی عمر بوقت
ذبح تیرہ برس تھی، مؤلف کا حضرت ابراہیم کے متعلق کہ چھری چلاتے وقت یا منیٰ میں لے
جاتے وقت جنت سے دنبہ آنے اور ذبح ہونے کا علم تھا اشکال وارد کرنا غلط ہے۔ کیونکہ حضرت
ابراہیم نے اسی امر کی اطاعت کرنا تھی جو انہوں نے خواب میں دیکھا تھا، خواب میں صرف
ذبح کرنا ہی تھا، ذبح کے بعد اسماعیل کا قربان ہونا یا نہ ہونا دنبے کا جنت سے آنا اور ذبح ہونا کا
رویائے خواب کا حصہ نہیں تا کہ اسکو زیر غور اور ملحوظ خاطر رکھا جاتا، امام رازی فرماتے ہیں:

"انہ علیہ السلام قال لولدہ انی اری فی المنام انی اذبحک فقال الولد
افعل ما تؤمر وھذا یدل انہ علیہ السلام کان مامورا بمقدمات الذبح لا
بنفس الذبح . ثم انہ اتی بمقدمات الذبح فادھا فی الوجود فحینئذ یکون

قدامر بشی و قد اتی به" (کبیر جز ۲۷، ص ۱۵۵)

رجمہ : ابراہیم نے اپنے فرزند اسماعیل سے مشورہ کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں
تجھے ذبح کرتا ہوں، اسماعیل نے جواب دیا کہ جس چیز کا آپ کو حکم دیا گیا ہے، وہ آپ کر دیں
امام فرماتے ہیں یہ کلام دلالت کرتی ہے کہ آپ کو ذبح یعنی جان سے ختم کرنے کا نہیں بلکہ ذ
کے مقدمات بجالانے کا حکم دیا گیا تھا، اور یہ مقدمات آپ بجالائے، مثلاً اسماعیل کو زمین پ
ٹانا، ان کے حلق پر چھری رکھنا، چلانا، اوران کے روبعمل لانے کیلئے پختہ اور مصمم ارادے کا کرنا
یہ جملہ اُمور معرض وجود میں آئے، امام الامر الثانی کے تحت فرماتے ہیں:۔

الذبح عبارة عن قطع الحلقوم فلعل ابراهيم عليه السلام قطع الحلقوم
لانه كلما قطع جزا اعاد الله التاليف اليه فلهذا اسبب لم يحصل الموت"

(کبیر جز ۲۷، ص ۱۵۵)

جمہ: ذبح حلقوم کے کاٹنے کا نام ہے شاید ابراہیم کاٹتے جارہے ہوں اور اللہ تعالیٰ اسی
سے اسکو درست فرماتا رہا ہو اور موت نہ آنے کا سبب بھی یہی ہو، امام کی تفسیر سے یہ معلوم ہوا
کہ حضرت اسماعیل کا گلا کاٹا مگر اسی آن اللہ نے درست فرمادیا۔ اس عمل کی تکمیل پر اللہ تعالیٰ
نے فرمایا "ونادیناه ان یاابراهیم قد صدقت الرویا" ہم نے آواز دی اے ابراہیم! تو
نے خواب سچا کردکھایا" وفدیناه بذبح عظیم،، یہ اللہ تعالیٰ کا اپنی طرف سے ایک انعام
تھا۔ جو اسماعیل کی جگہ دنبہ کی صورت میں جنت سے لاکر ذبح کروایا گیا۔ ان آیات سے یہ روز
روشن کیطرح عیاں ہے۔ کہ خلیل اللہ کا عمل، علم، فکر ونظر اس چیز پر محدود اور مرکوز تھی۔ جو آپ
نے خواب میں دیکھی تھی۔ خواب میں صرف اسماعیل کو ذبح کرنا دیکھا تھا، دنبہ کا فدیہ بننا
اور ذبح ہونا اس خواب کا حصہ ہی نہیں تو اس کا علم کیوں ہوتا؟ مؤلف کا یہ کہنا کہ عاشق اولیاء
اور تمام انبیاء کو عالم الغیب سمجھتے ہیں یہ کذب واختراع ہے اہل سنت وجماعت کا اس سے کوئی

تعلق نہیں متعدد بار پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ کوئی مخلوق عالم الغیب نہیں، عالم الغیب اللہ وحدہ
لاشریک ہے، مزید اہل سنت وجماعت تمام انبیاء کیلئے علم غیب کا عقیدہ نہیں رکھتے، اپنے
نبی ﷺ کیلئے اللہ تعالیٰ کے علم غیب بتانے اور دینے سے غیب دان ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔
مزید۔۔۔۔۔اس واقعہ سے اسماعیل کے حقیقتاً ذبح ہونے، موت واقع ہونے، دنبہ کے آنے
اور ذبح ہونے کا معاملہ نہ تھا۔ تا کہ ادھر بھی دھیان دیتے، خیال فرماتے اور توجہ دیتے بلکہ مقصد
صرف ان کی اطاعت کاملہ اور محبت صادقہ کا اظہار تھا، امام رازی نے فرمایا:

"وظهر منه كمال للطاعة وظهر من ولده كمال الطاعة والانقياد لاجرم
قال له قد صدقت الرؤياء يعنى حصل المقصود من تلك الرؤيا" (کبیر، ایضا)

اس فعل ذبح سے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام سے اطاعت کاملہ کا ظہور
ہوا اور اس پر ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ بے شک تو نے اپنا خواب سچا کردکھایا اس خواب سے
مقصد پورا ہو گیا، یعنی باپ کی لازوال اطاعت، باکمال فرمانبرداری، اور بے مثال محبت وعشق
الٰہی معرض وجود میں آیا۔ ایک محبّ صادق اور عاشق جاں نثار کی ساری تگ ودو کا مقصد محبوب
کی توجہ، نظر کرم ہوتی ہے نہ کہ مال ودولت کا حصول؟ خلیل اللہ اور ذبیح اللہ کی قربانی اور جان
نثاری کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول تھا۔ نہ کہ دنبے کا آنا اور ذبح ہونا، بالفرض اگر ابراہیم کو علم
تھا کہ دنبہ آئے گا تو اس سے کونسی ملی بھگت اور فراڈ ظاہر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور ابراہیم کی شان
میں یہ گستاخانہ کلمات تحریر کرتے وقت مؤلف کے علم ودانش پر لرزہ طاری نہیں ہوا، خمیر انسانی
نے جھرجھری نہیں لی، اگر مان لیا جائے تو کون سی قیامت آئیگی کیا انبیاء کو اللہ تعالیٰ علم نہیں
دیتا؟ واقعات کی گہرائی اور تفاصیل سے بہرہ مند نہیں فرماتا، کیا ابراہیم خلیل اللہ نبی نہیں؟ جن
کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: "كذالك ترى ابراهيم ملكوت السمٰوٰت
والارض الأيه" خواب ابراہیم اور اس پر عمل داری کے تناظر میں دنبے کا علم ہو کوئی اشکال

…نہیں ہوتا، مؤلف نے علامہ بننے کیلئے اشکال کی سرخی قائم کی ہے، مؤلف ہمت کرکے بھی کو
…یک آیت پیش نہیں کر سکتے جس میں صریحاً فرمایا گیا ہو کہ انبیاء کو علم نہیں دیا جاتا۔
…ال یہ وارد ہوتا ہے کہ "یؤمنون بالغیب" کے تحت اشیائے غائبہ جنت دوزخ کا علم
…ف کو ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو وہ بھی کافر ہوئے کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ کے سوا غیب کوئی
…ں جانتا، نہ عطائی نہ ذاتی، جزی نہ کلی اور جو یہ کہے کہ انبیاء بالخصوص رسول ﷺ غیب جانتے
… وہ کافر ہے اس پر آئمہ اور فقہاء کے فتاوی بھی نقل کئے ہیں، اور اگر "یؤمنون بالغیب"
…تحت ان اشیاء کا علم نہیں تو "یومنون بالغیب" پر عمل نہ ہوا یہ بھی کفر ہے کیونکہ یہ انکار
…ن ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ اشیاء غائبہ نہیں یہ بھی کفر ہے "فماجو ایکم ھو جوانبا"
…رازی نے سوال جواب کی صورت میں یہ لکھا کہ ہم بھی یہ کہہ سکتے ہیں، کہ غیب جانتے ہیں
…نکہ ان اشیائے غائبہ پر دلیل شرعی موجود ہے۔ دلیل شرعی کی موجودگی میں بھی ان اُمور
…ہ کا علم رکھنے والا شخص نعوذ باللہ کافر ہے تو پھر دنیا اسلام میں کون مومن رہے گا مؤلف اور
…کے ہمنوا بھی اس طوفان بدتمیزی میں آجائیں گے۔ "تفکر و تدبر"
…ن حکیم اور احادیث میں جو اُمور خمسہ کے علم کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد ان کا کلی علم ہے
…ی نہیں یعنی اللہ تعالی نے ان کا کلی علم نہیں بلکہ جزی علم اپنے پسندیدہ رسول ﷺ کو عطا
…ا ہے، چنانچہ ملا علی قاری نقل فرماتے ہیں
…ن قلت قد اخبر الانبیاء بشیء کثیر من ذالک فکیف الحصر، قلت
…صر باعتبار کلیاتھا دون جزئیاتھا قال تعالی فلا یظھر علی غیبه احدا الا من
…ی من رسول بناء علی اتصال الاستثناء الذی ھو الاصل" (مرقاۃ، ج ص ۶۵)
…مہ: اگر آپ یہ سوال کریں کہ انبیاء اور اولیاء نے بے شمار اُمور غائبہ کی خبریں دی ہیں تو یہ
…یسے صحیح ہوگا کہ ان اُمور خمسہ کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ تو میں اس کے جواب میں

کہوں گا کہ حصر کلیات کے اعتبار سے ہے۔ یعنی ان پانچ اُمور کا کلی اور تفصیلی علم اللہ کے بغیر کوئی نہیں جانتا، اور ان کی جزئیات کا علم انبیاء اور اولیاء کو حاصل ہے اور اسکی دلیل یہ آیہ مقدسہ ہے، "فلا یظھر علی غیبه احدا الا من ارتضی من رسول"

ترجمہ: اللہ تعالی اپنے پسندیدہ رسول ﷺ کے علاوہ وہ کسی کو بھی اپنے غیب خاص پر مطلع نہیں فرماتا، اور آیہ مقدسہ میں "الا من ارتضیٰ من رسول" مستثنیٰ متصل ہے، اور یہی اصل ہے،

امام قرطبی کا قول نقل فرمایا: "وقال القرطبی من ادعی علم شیء منھا غیر مستند الیه علیه الصلوۃ والسلام کان کاذبا فی دعوہ" (مرقاۃ ج ۱، ص ۶۵)

ترجمہ: امام قرطبی نے فرمایا کہ جو شخص ان پانچ اُمور میں سے کسی علم کا دعوی کرے اور اس علم کی بسنت رسول ﷺ کی طرف نہ کرے وہ دعوی میں جھوٹا ہے۔ ملا علی قاری کی توضیح سے ثابت ہوا کہ ان پانچ امور کا علم کلی اور تفصیلی طور پر اللہ ہی جانتا ہے، انبیاء اور اولیاء کو اللہ تعالی نے ان کی جزئیات کا علم دیا ہوا ہے، اور امام قرطبی نے فرمایا کہ ان جزئیات کا علم بھی نبی ﷺ کے وسیلہ سے ہی عطا کیا گیا ہے، یہ کیسے ممکن ہے کہ دیگر انبیاء اور اولیاء کو تو رسول ﷺ کے وسیلہ سے علم غیب دیا جائے اور خود رسول ﷺ کو نہ دیا جائے۔ ملا علی قاری نے نقل فرمایا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

"وما تدری نفس ماذا تکسب غدا، وما تدری نفس بایّ ارض تموت"

اس میں تدری کا لفظ آیا ہے، جو درایة سے ماخوذ ہے اور درایة کا معنی بیان فرماتے ہوئے نقل فرمایا "لانّ الدرایة اکتساب علم الشیء بحیلة"

ترجمہ: حیلہ سازی اور عقل و دانش کے بل بوتے کسی شی کا علم حاصل کرنا درایة کہلاتا ہے اب آیت کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے حیلے، عقلی کاوش سے ان پانچ چیزوں کا علم حاصل نہیں کر

سکتا، اللہ تعالیٰ ہی ان کا علم عطا فرماتا ہے، اور وہ بھی اپنے خاص رسول کو، نبی ﷺ سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا کوئی پسندیدہ رسول نہیں لہٰذا آیہ کریمہ کے تحت رسول ﷺ کو ان امور خمسہ کا علم اللہ تعالیٰ نے عطاء فرمایا ہے۔ امام رازی علیہ الرحمہ نے اسی آیت کے تحت فرمایا:

"ای وقت وقوع القیامة من الغیب الذی لا یظهره الله لاحد"

ترجمہ: غیبہ سے مراد قیامت کے قائم ہونے کا وقت ہے اور یہ وہ غیب ہے جس پر اللہ تعالیٰ کسی کو بھی مطلع نہیں فرماتا "علی غیبه" پر فرمایا لفظ مفرد مضاف" فیکفی فی العمل به حمله علی غیب واحد اما العموم فلیس فی اللفظ دلالة علیه"

ترجمہ: غیب کا لفظ مفرد اور مضاف ہے؟ "ہ" ضمیر کی طرف اور قاعدہ مضاف کے عمل میں اسکو ایک غیب پر حمل کیا جائیگا اور وہ غیب خاص یعنی قیامت کے قائم ہونے کا وقت خاص ہے، آگے فرمایا: "فان قیل اذا حملتم ذالک علی القیامة فکیف قال الا من ارتضیٰ من رسول ﷺ مع انه لا یظهر هذا الغیب لاحد من رسله قلنا بل یظهره عند القرب من اقامة القیامة، وکیف لا وقد قال یوم تشقق السمآء بالغمام ونزل الملائکة تنزیلا"

ترجمہ: اگر یہ کہا جائے کہ "غیبہ" میں غیب سے مراد وقت قیام قیامت مراد لینا غلط ہے کیونکہ ایسی صورت میں لازم آئیگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص رسول کو اس غیب خاص پر مطلع فرمائے، باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں میں سے کسی کو بھی اس پر مطلع نہیں فرمایا، ہم کہیں گے کہ قرب قیامت کو اللہ تعالیٰ وقت قیام قیامت کا علم ظاہر فرمائے گا اور یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول خاص کو اس کا علم عطا نہ فرمائے، اس لئے کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس دن آسمان بادل سمیت پھٹ جائیگا اور فرشتے لگاتار اُتارے جائیں گے، پھر فرمایا:

"لا شک ان الملائکة یعلمون فی ذالک الوقت قیام القیامة، وایضا یحتمل ان یکون هذا الاستثناء منقطعا، کانة قال عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه المخصوص وهو قیام القیامة احدا ثم قال بعده لکن من ارتضی من رسول" (کبیر، جز ۳۰ ص ۱۶۸)

ترجمہ: بے شک یقیناً فرشتے اس وقت قیام کا وقت جان لیں گے،

۲۔ اس میں یہ احتمال بھی موجود ہے کہ "الا من ارتضیٰ الایہ، مستثنیٰ منقطع ہو۔ ایسی صورت میں ترتیب آیت یوں ہوگی۔

"عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه المخصوص (وهو قیام القیامة) احدًا"

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنے غیب مخصوص یعنی وقت قیام قیامت پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا۔ پھر اسکے بعد فرمایا لیکن اپنے پسندیدہ رسول ﷺ کو غیب خاص یعنی وقت قیام قیامت پر مطلع فرماتا ہے، امام رازی کی مندرجہ بالا تفسیر سے معلوم اور ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص غیب یعنی قیامت کے قائم ہونے کے مخصوص وقت پر اپنے پسندیدہ رسول ﷺ کو مطلع فرمایا ہوا ہے اور وہ پسندیدہ رسول ﷺ کی ذات گرامی ہے بلکہ امام رازی نے تو یہاں تک فرمادیا ہے کہ قرب قیامت کا علم اللہ تعالیٰ فرشتوں کو بھی عطا فرمائے گا لہٰذا بلا دھڑک یہ کہنا کہ رسول ﷺ کو وقت قیام قیامت کا علم نہیں غلط ہے آیات قرآنیہ، احادیث، اور علمائے اُمت کی تصریحات اور تشریحات کے خلاف ہے، امام رازی فرماتے ہیں: "واعلم انه لا بد من القطع بانه لیس مراد الله من هذه الایة ان لا یطلع احد اعلی شیء من المغیبات الا الرسل

ترجمہ: یہاں اس بات کا جاننا اور یقین کرنا بہت ضروری ہے کہ آیہ کریمہ کا مفہوم یہ ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ رسول کے علاوہ اور کسی شخص کو اُمور غائبہ پر مطلع نہیں فرماتا:

"انه ثبت بالاخبار القریبة من التواتر ان شقا وسطحا کانا کاهنین یخبران بظهور نبیا محمد ﷺ قبل زمان ظهوره وکانا فی العرب مشهورین

بهذاالنوع من العلم ،حتى رجع اليهما كسرىٰ في تعرف اخبار رسولنا محمد ﷺ فثبت ان الله تعالىٰ قد يطلع غير الرسل على شيء من الغيب "

ترجمہ: بلکہ یہ بات اخبارِ متواترہ کے قریب ترین احادیث سے ثابت ہے کہ عرب میں دو کاہن مشہور تھے ایک کا نام شقی اور دوسرے کا نام سطیح تھا یہ دونوں ہمارے نبی ﷺ کے ظہور کی خبریں دیا کرتے تھے حالانکہ آپ ﷺ کا ظہور نہ ہوا تھا، اور اُمورِ غائبہ کا علم رکھنے میں مشہور تھے، ہمارے رسول ﷺ کے حالات معلوم کرنے کیلئے کسریٰ نے بھی ان سے رجوع کیا پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کے علاوہ بھی لوگوں کو علم غیب دیتا ہے۔ پھر فرمایا:

"انّ جميع ارباب الملل والاديان مطبقون على صحة علم التعبير وانّ المعبر قد يخبر عن وقوع الوقائع فى المستقبل ، ويكون صادقافيه"

ترجمہ: تمام ادیان اور مذاہب کے پیروکاروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تعبیر کا ایک علم ہے، اور خواب کی تعبیر بتانے والا شخص مستقبل میں ہونے والے واقعات کی پیشگی خبر دیتا ہے اور اسکی خبر سچ ثابت ہوتی ہے۔ پھر فرمایا:

"ان الكاهنة البغدادية التى نقلها السلطان سنجر بن ملك شاه من بغداد الى خراسان وساء لها عن احوال الأتيه فى المستقبل فذكرت اشياء ثم انها وقعت على وفق كلامها" (کبیر، جز، ۳۰ ص ۱۴۹)

ترجمہ: سلطان سنجر بن ملک شاہ والی بغداد نے، بغداد کے کاہنوں کو بغداد سے خراسان منتقل کیا اور ان سے مستقبل میں رونما ہونے والے حالات و واقعات کی نسبت پوچھا انہوں نے بتایا، پھر وہ حالات و واقعات اسی طرح رونما ہوئے جس طرح انہوں نے بتایا تھا۔

امام رازی کی اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ جو لوگ نجوم اور خواب کی تعبیر کا علم رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی غیب کا علم عطا فرماتا ہے۔ اور وہ مستقبل میں ہونے والے واقعات کی خبر دیتے ہیں۔

اور تعبیر کا علم رکھنے والے کو تو اللہ اُمورِ غیبیہ کا علم دیتا ہے۔ مگر جس کو قرآن کی تعلیم خود دے، فرمائے کہ "علمک مالم تکن" جن جن چیزوں کا آپ ﷺ کو علم نہ تھا وہ ہم نے آپ ﷺ کو تعلیم کردی ہیں، قرآن کیا ہے "تبيانا لكل شيء تفصيل الكتب لاريب فيه لا رطب ولا يابس الا فى كتاب مبين كل صغير وكبير مستطر"، جب ان صفات کا حامل قرآن اللہ نے خود اپنے رسول ﷺ کو سکھایا، خدا نے ہر ہر چیز کی تعلیم دینے میں کوئی کمی اور کوئی کسر نہ چھوڑی، اور مصطفےٰ ﷺ نے علم لینے اور سیکھنے میں کوئی کوتاہی کی نہ کسر چھوڑی تو پھر ان کے متعلق یہ کہنا کہ جو ان کیلئے علم غیب کا عقیدہ رکھے وہ نعوذ باللہ کافر ہے، ایسا کہنا، لکھنا کس قدر ظلم زیادتی، جہالت اور دین سے دوری ہے۔

مؤلف کتابچہ نے ص ۶۵ پر مسئلہ استعانت اور پکار کا عنوان قائم کیا اور اس کے تحت سرخی جمائی کہ یونس علیہ السلام نے بھی مچھلی کے پیٹ میں مختار کائنات کو پکارا تھا، آیہ کریمہ بھی نقل کی:

"فنادى فى الظلمت ان لا اله الا انت سبحانك انى كنت من الظلمين، فا ستجبنا له ونجينه من الغم وكذالك ننجي المؤمنين" (الانبياء)

ترجمہ: پس پکارا حضرت یونس علیہ السلام نے اندھیروں میں یہ کہ تیرے بغیر کوئی بچانے والا نہیں ہے، تیری ذات پاک ہے، بلاشبہ میں تھا اپنے خیال میں زیادتی کرنے والوں سے پس ہم نے دعا قبول کی اور اسے غم سے نجات دی اور اسطرح ہم ایمانداروں کو نجات دیا کرتے ہیں

اقول: ہر مومن موحد کا عقیدہ ہے کہ ہر حال اور ہر کام خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، دنیاوی ہو یا اخروی میں اللہ ہی کو پکارنا اور اسی سے مدد مانگنی چاہیے اور وہی معاون اور مددگار ہے، مؤلف نے حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ نقل کیا درست ہے، اس پر ایمان لانا شرائط ایمان سے ہے، سوال یہ

ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں تھے، اور مچھلی سمندر میں تھی، مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا، پانی کی موجوں کا اندھیرا، پھر مچھلی ان کو لئے پھرتی اندھیروں پر اندھیرا ہے، اسباب عادی اور اسباب ظاہری منقطع ہو چکے ہیں مچھلی نے اپنے پیٹ میں بحکم خداوندی رکھا ہوا ہے۔ وہ ناراض ہو کر چلے گئے تھے، ایسی مشکل ترین کیفیت اور جان لیوا لمحات، اور غیر معلوم مدت اور انجانے حال، اور بے سروسامانی کے عالم، اور مچھلی کے تاریک شکم میں اللہ تعالی کو نہ پکارتے تو کیا کرتے؟ کیونکہ یہ تو وہ صورت حال ہے جس سے اللہ ہی باہر نکال سکتا ہے اور یہ صورت حال اللہ ہی کے دست قدرت میں تھی، اور جس وجہ سے پیدا ہوئی تھی اس کا تعلق بھی فقط حضرت یونس علیہ السلام اور اللہ تعالی کی ذات کے ساتھ تھا، اس لئے رہائی کیلئے ذات باری تعالی کو ہی پکارا بالفرض اگر مخلوق انسانی کو پکارتے تو وہ کیا مدد کرتی؟ بلکہ اگر کوئی مقرب فرشتہ بھی ان کی مدد کیلئے آتا یا بھیج دیا جاتا اور وہ نصرت واعانت کی پیشکش کر دیتا تو بھی آپ علیہ السلام قبول نہ کرتے، کیونکہ انبیائے کرام ذات وحدہٗ لاشریک کے مراقبہ، اور صفات خداوندی کے مشاہدہ میں مستغرق ہوتے ہیں، انبیائے کرام علیہم السلام کا مقام تو ارفع واعلی ہے، عارفین کے دل میں اللہ وحدہ لاشریک کی ذات وصفات کے علاوہ کسی دوسری چیز کے تصور اور ارادہ کا گزر تک نہیں ہوتا، ملا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ نے عارف باللہ ابن الفارض کا یہ شعر اسی عنوان میں نقل فرمایا ہے: "ولو خطرت لی فی سواک ارادة. علی خاطری سهوا احکمت بردتی. (شرح فقہ اکبر ص ۲۹)

اے اللہ! اگر میرے دل میں تیری ذات کے علاوہ کسی اور کے ارادے اور تصور کا گزر ہو جائے تو میں اپنے آپ کو مرتد ہو جانے کا حکم دیتا ہوں۔

مؤلف نے حضور ﷺ کا اپنا عمل؛ عنوان قائم کیا، اور حدیث بطور دلیل نقل کی:

"عن ابی طلحة رضی اللہ عنہ قال کنا مع رسول ﷺ فی غزاة فلقی العدوّ

...معته يقول يا مالك يوم الدين اياك نعبدو اياك نستعين ،قال فلقد ...ت الرجال تصدع تضربها الملائكة من بين يديها و من خلفها"

(تفسیر الدر منثور ص ۱۴ ج ۱، اکتابچہ ص ۲۲)

...جمہ: حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ ایک جنگ میں تھے آپ ﷺ ...سامنے دشمن آ گیا، پس میں نے آپ ﷺ کو سنا فرما رہے تھے، اے مالک یوم الدین ہم ...س تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، پس میں نے لوگوں کو ...یلا بھاگ رہے تھے اور فرشتے ان کو آگے پیچھے سے مار رہے تھے۔

...ہ کے ضمن میں تحریر کیا کہ دشمن کے مقابلہ میں آپ ﷺ نے بھی اللہ تعالی کو مدد کیلئے پکارا، مگر ...کل کارسی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اوروں کو پکارنے پر زور دے رہا ہے"

...قول) پہلے نقل ہو چکا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کا یقین، ایمان، تعلق باللہ اور توکل علی اللہ اس قدر پختہ اور اس قدر لازوال ہوتا ہے کہ انسانی شعور، اور علم ودانش کو اس تک رسائی ممکن ہی نہیں ہوتی، بلکہ مقرب فرشتے بھی وہاں مجسمہ حیرت بن جاتے ہیں امام رازی رحمہ اللہ نے فرمایا: "لما قيد نمرود رجليه ويديه ورماه فی النار جاء جبريل عليه السلام وقال له هل لک من حاجة فقال اما اليک فلا ،فقال سله ،فقال حسبی من سوالی علمه بحالی ،بل ربما ازيد على الخليل فی هذا الباب ،وذالک لانه قيد رجلاه ويداه لاغير واما انا فقيدت رجلی فلا اسير ويدی فلا احر كهما وعلينی فلا انظر بهما واذنی فلا اسمع ،ولسانی فلا اتكلم وكان الخليل مشرفا على نار نمرود"

(کبیر ج ۱ ص ۲۵۴)

...جمہ: جب نمرود نے حضرت خلیل علیہ السلام کے ہاتھ، پاؤں باندھ کر انہیں آگ میں پھینکا ...جبرئیل علیہ السلام آپ علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا کہ میرے متعلق کوئی حاجت ہو تو بتایئے، تو

جواب دیا کہ آپ ؑ تک میری کوئی حاجت نہیں، جبریل ؑ نے فرمایا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے اپنے بچاؤ کی درخواست کریں فرمایا، اللہ تعالیٰ میرے لئے، میری درخواست اور میرے حال کیلئے کافی ہے، بلکہ حضرت خلیل ؑ نے اس سے زیادہ معنی خیز کلام فرمایا۔ میرے ہاتھوں اور پاؤں کو اسی اللہ تعالیٰ نے باندھا ہے کسی اور نے نہیں، اب میں نے اپنے دونوں پاؤں کو چلنے سے باندھ دیا ہے، اب پاؤں سے نہیں چلوں گا، ہاتھ بندھ گئے ہیں ان کو حرکت تک نہ دونگا، آنکھوں کو بند کر دیا ہے ان سے اب نہیں دیکھونگا، میں نے اپنے کان بند کر دیے ہیں، ان سے اب نہیں سنوں گا اور زبان بندی ہوگئی ہے، اب میں اس زبان سے بات بھی نہیں کرونگا، اور یہ وہ موقعہ تھا۔ جبکہ خلیل ؑ آگ پر جھکائے گئے تھے، یہ ایمان ابراہیم ؑ کا اظہار تھا، جو کسی دوسرے فرد کیلئے ممکن نہیں۔

حدیث ابوطلحہ ؓ میں حضور ﷺ نے حالت جنگ میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی اللہ تعالیٰ نے فرشتے بھیج کر اعانت فرمائی،، سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کی مدد کے بغیر بھی مسلمانوں کو آپکی دعا کے توسل سے فتح اور کامیابی عطا فرما سکتا تھا، لیکن فرشتے بھیجے جنہوں نے باقاعدہ قتال وجدال کیا اور کفار کو میدان جنگ سے بھگایا؟ اس میں نکتہ یہ ہے کہ جس قسم کا موقعہ ہو اور جس قسم کی مدد کی ضرورت ہو اللہ تعالیٰ اسی قسم کی اعانت اور مدد فرماتا ہے، چونکہ فتح اور شکست کا سبب لڑائی اور افرادی قوت ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے افرادی قوت سے اعانت فرمائی، یہ اعانت تحت الاسباب ہے، ابراہیم ؑ نے چونکہ اپنے تحفظ اور بچاؤ کیلئے اللہ سے دست سوال دراز نہ کیا تھا اسلئے ''یا نار کونی برداو سلاما علی ابراھیم'' کی صورت میں ملنے والی امداد اور اعانت مافوق الاسباب تھی، حدیث ابوطلحہ ؓ سے یہ ثابت ہوا کہ موقعہ کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ سے اعانت فرمانے کی درخواست کرنی چاہیے، جیسا کہ رسول ﷺ نے جیش العسرۃ کے موقعہ پر سامان جنگ جمع کرانے اور پورا کرنے کیلئے اپنے صحابہ کرام

کو اعانت کا حکم فرمایا۔ حضرت عثمان غنی ؓ نے سو اونٹ معہ ساز و سامان دینے کا اعلان فرمایا رسول اللہ ﷺ نے پھر اعانت کا حکم دیا حضرت عثمان ؓ نے دو سو اونٹ پھر جب تیسری بار اعلان فرمایا تو عرض کیا جہاد فی سبیل اللہ کیلئے تین سو اونٹ معہ ساز و سامان دینے کا اعلان کرتا ہوں۔ پھر رسول ﷺ نے منبر پر تشریف فرما ہو کر اعلان فرمایا کہ اس کے بعد اگر عثمان ؓ کوئی خطا بھی کر بیٹھے تو یہ نیکیاں اسکو کفایت کریں گی جہاد کی تیاری میں تین سو اونٹ معہ ساز و سامان دینا۔ اور رسول ﷺ کی پکار اور اعانت پر حضرت عثمان غنی ؓ کا لبیک کہنا یہ اعانت تحت الاسباب ہے اللہ اسباب کے ذریعے مدد فرماتا اور خود اعانت کے اسباب مہیا کرتا ہے اسی جیش العسرۃ میں حضرت عثمان غنی ؓ نے ایک ہزار دینار بھی مالی امداد کے طور پر پیش کیے تھے، رسول ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو بئر رومہ کے علاوہ تمام کنوؤں کا پانی کھارہ اور کڑوا تھا، رسول ﷺ نے فرمایا!

''من یشتری بئر رومہ'' کہ مسلمان اس سے ٹھنڈا میٹھا پانی پئیں، حضرت عثمان غنی ؓ نے وہ کنواں خرید کر مسلمانوں کیلئے وقف کر دیا، یہ مدینہ کے مسلمانوں کیلئے اعانت تھی۔ جس کو بجالانے کا رسول ﷺ نے ''من یشتری بئر رومہ'' کے ذریعے اعلان اور حکم فرمایا تھا، عبد اللہ بن عتیک ؓ کی پنڈلی آپ کے ہاتھ پھرنے سے درست ہوسکتی ہے۔ غزوہ خندق کے موقعہ پر حضرت جابر ؓ کے کھانے میں لعاب دہن ڈالنے سے ایک ہزار کا لشکر شکم سیر ہوسکتا ہے۔ اور کھانا ذرہ بھر کم نہیں ہوتا حدیبیہ کے موقعہ پر اگر انگلیوں سے پانی کے فوارے پھوٹ سکتے ہیں۔ اور حضرت علی ؓ کی دُکھتی آنکھیں لعاب دہن لگانے سے درست اور بینا ہوسکتی ہیں تو مدینہ کے کھاری پانی آپکے ہاتھوں کی برکات، معجزات، اور لعاب دہن سے شیریں اور میٹھے نہیں ہوسکتے تھے۔ مگر آپ ﷺ نے ''تعاونوا علی البر والتقوی'' پر عمل کیا اور صحابہ کرام ؓ کو ہی نہیں، بلکہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو اسکی تفسیر سمجھائی۔

کنواں خریدنے پر آپنے یہ بھی اعلان فرمایا کہ اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اسکو اس کا صلہ جنت میں بہتر عطا فرمائے گا، مسجد نبوی میں جب توسیع کا معاملہ آیا تو آپ ﷺ نے پھر اعلان فرمایا "من یشتری بقعه ال فلان" حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے وہ ٹکڑا خریدا اور مسجد کی توسیع میں مالی معاونت فرمائی، ایسے بے شمار واقعات موجود ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گھر کی پوری پونجی اور کل کائنات کا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا آدھا مال واسباب کا بارگاہ رسالت میں پیش کرنا اسی اعانت اور استعانت کی شہ سرخیاں ہیں جو قیامت تک چمکتی اور دمکتی رہیں گی + جنگ بدر کے موقعہ پر نبی کریم ﷺ نے عجز و انکساری کی کیفیت میں کبھی سجدہ ریز ہو کر دست دعا دراز فرما کر اللہ تعالیٰ سے استعانت کی، اور پرچم اسلام کی سربلندی کیلئے فرزندان اسلام کی ثابت قدمی، ہمت اور دلیری کیلئے دعائیں کیں اللہ تعالیٰ نے التجاؤں، دعاؤں کو شرف قبولیت سے نوازا اور فرشتوں کی فوج اتاری، جو شکل انسانی اور لباس انسانی میں برسر پیکار ہوئے، سورہ انفال میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملائکة مردفین"

ترجمہ: اس وقت کو یاد کرو، جب تم اللہ سے فریاد کر رہے تھے پس اللہ تعالیٰ نے تمھاری دعا قبول کی کہ میں ایک ہزار فرشتوں کے ذریعے تمھاری مدد کرونگا، جو یکے بعد دیگرے آنے والے ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے پہلے ایک ہزار، پھر پانچ ہزار فرشتوں کو مسلمانوں کی امداد کیلئے اتارا جن کے عمامے زرد، سیاہ اور سفید رنگ کے تھے، بخاری اور مسلم کی حدیث کے مطابق جنگ احد میں جبرائیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام سفید کپڑوں میں آئے اور نبی ﷺ کے ہمراہ دائیں اور بائیں قتال کرنے لگے، رسول ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے گریہ وزاری کرتے ہوئے مدد کی درخواست کی اللہ تعالیٰ نے ظاہری اور مادی وسائل اور ذرائع کے ذریعے مدد فرمائی ، اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو چشم زدن میں کفار و مشرکین کو نیست و نابود کر دیتا یا ان ہی مٹھی بھر

فرزندان اسلام سے کفار و مشرکین کے چھکے چھڑا دیتا مگر فرشتوں کو انسانوں کی صورت میں بھیج کر مجاہدین کی مدد کر کے یہ واضح کر دیا کہ دنیا عالم اسباب ہے، یہاں اسباب کے ذریعے دی جاتی اور ملنے والی مدد در حقیقت اللہ ہی کی مدد ہے۔ کیونکہ سلسلہ اسباب و ذرائع اسی کا پیدا کردہ ہے، اور اسی ذات باری تعالیٰ سے ہی فیض اور قوت یافتہ ہے، امام رازی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"لان ذالک الغیر لایمکنه اعانتی الا اذا اعنته علی تلک الاعانة" (الکبیر، ج ۱، ص ۲۵)

ترجمہ: دوسرا کوئی بھی ہو اس وقت تک مدد نہیں کر سکتا جب تک اللہ کی مدد اس کے شامل حال نہ ہو۔ نبی کریم ﷺ کے فعل مبارک سے ثابت ہوا کہ دنیاوی معاملات میں آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے تابع اسباب اعانت کی درخواست کی ہے، اور باقی معاملات، جو تابع اسباب نہیں بلکہ براہ راست اللہ کی مرضی اور اس کی قدرت کے تابع ہیں ان کیلئے بدوں ذریعہ اور بدوں سبب اللہ تعالیٰ سے امداد کی درخواست کی ہے، مثلاً آپ ﷺ کا یہ دعا کرنا کہ اے اللہ! میرے دل میرے دائیں، میرے بائیں، میرے اوپر، میرے نیچے، میرے آگے میرے پیچھے، میری زبان، میرے گوشت، میرے خون کو نور علی نور کر دے۔ (بخاری، مسلم) بارش کیلئے دعا فرمانا، اُمت کی بخشش کیلئے دعا کرنا وغیرہ ان کے علاوہ وہ بھی بے شمار اُمور ہیں جن میں آپ ﷺ نے براہ راست بغیر کسی سبب کے اللہ تعالیٰ سے مدد کی التجاء کی ہے، مختصر یہ کہ دنیا عالم اسباب ہے جس کی ہر چیز ایک ذریعہ، ایک سبب اور ایک وسیلہ سے وابستہ ہے سب لوگ اللہ ہی سے مانگتے ہیں اور وہی اپنی مدد پہنچانے کیلئے اسباب پیدا کرتا ہے اور اسباب کا تخلیق کرنا اور ان کو روبعمل لانا اللہ کی مدد ہے اور یہی مفہوم "ایاک نعبد و ایاک نستعین" کا ہے "ایاک نعبد و ایاک نستعین" کا یہ معنی کرنے والوں کہ بس اللہ ہی سے، مانگو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگو، اس کے علاوہ کسی سے مدد نہ مانگو، کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا شرک ہے، پوچھنا چاہوں گا کہ کیا وہ معاملات لے کر تھانہ، کچہری، عدالتوں میں نہیں

جاتے ان جگہوں پر بیٹھنے اورداد رسی کرنے والے غیر اللہ نہیں، اگر ہیں اور یقیناً ہیں تو یہ شرک نہیں؟ ''ایاک نعبدو ایاک نستعین'' کے منافی نہیں؟ اگر ہے تو پھران جگہوں کے چکر لگانے اوران میں موجود مخلوق سے مدد طلب کرنے کا مقصد؟ کیا یہ ساری تگ ودو مشرکانہ نہیں؟ اگر ہے تو پھراس پرعمل داری کیوں؟ اگرنہیں اور یقیناً نہیں تو ماننا پڑیگا کہ'' ایاک نعبد وایاک نستعین '' کا معنی اور مفہوم جو یارلوگ کرتے ہیں وہ نہیں، اللہ کے علاوہ مخلوق سے مدد مانگنا شرک کیسے ہوسکتا ہے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے خودارشادفرمایا: ''انماولیکم اللہ ورسولہ والذین امنو الایة'' (مائدہ، آیت ۵۵) ترجمہ: بیشک تمہارے معاون اور مددگار اللہ تعالیٰ اس کا رسول ﷺ اور مومنین ہیں، امام رازی نے فرمایا:

''ان المراد عامة المومنین ثو الذین امنو ا'' سے مرادعام مومنین ہیں، پھر فرمایا: ''فنزلت هذه الا یة فی حق کل المومنین''

ترجمہ: پھرآیہ کریمہ نازل ہوئی توصحابہ ؓ نے کہا کہ ہم اللہ، اس کے رسول ﷺ اور مومنین کواولیاء بنانے پرراضی ہیں۔ (کبیر جز ۱۲، ص ۲۵)

پھرفرمایا: ''لم لا یجوز ان یکون المراد من لفظ الولی فی هذا الا یة النا صر والمحب'' (کبیر، ج ۱۲، ص ۲۷)

ترجمہ: یعنی آیہ کریمہ میں ولی سے مراد، الناصر، اور المحب ہے۔ یعنی تمہارے مددگار اورتم سے محبت کرنے والے اللہ تعالیٰ، اللہ کے رسول ﷺ اور تمام مومنین ہیں۔ پھرفرمایا:

''لاشک انه خطاب مع الامة'' (کبیر جز ۱۲ ص ۲۹)

یہ خطاب ساری اُمت کو ہے،، خلاصہ یہ ہے کہ آیہ میں والذین امنو ا سے مرادساری امت ہے جوقیامت تک ایک دوسرے کی معاون اور مددگار ہے، اگراللہ تعالیٰ کے علاوہ مخلوق سے مدد مانگنا شرک ہوتا اور''ایاک نعبد وایاک نستعین'' کی نقیض ہوتا تواللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حرف حصر کے ساتھ یہ کیوں ارشادفرمایا کہ رسول ﷺ اورمومنین تمہارے معاون اور مددگار ہیں؟ تم ان سے مدد مانگواوران سے دوستی کرو، ثابت ہوا مومنین سے تحت الاسباب مدد مانگنا شرک نہیں، منشائے خداوندی ہے، انبیائے کرام کی اعانت کا مقصدمخلوق کے ظاہراور باطن میں تصرف کرنا ہے، ان کی ارواح کونورتوحیداورنوررسالت سے جلاء اورضیاء بخشنا ہے امام رازی نے فرمایا: ''ثالثها الانبیاء وهم الذین اعطاهم الله تعالی من العلوم والمعارف مالا جله بها یقدرون علی التصرف فی بواطن الخلق وارواحهم واعطاهم من القدرة والمکنة مالا جله یقدرون علی التصرف فی ظواهر الخلق'' (کبیر۔ ج۔ ۱۳، ص ۶۷، ۶۸)

ترجمہ: تیسرے ان میں انبیاء ہیں، یہ وہ حضرات ہیں جن کواللہ تعالیٰ نے علوم اورمصارف اس قدردیئے ہیں جن سے وہ مخلوق کی اندرونی حالت اوران کی ارواح پرتصرف کرتے ہیں، اوران کواس قدر، قدرت اورطاقت دی ہے جس سے مخلوق کے ظاہر پرتصرف کرتے ہیں''

گویا انبیاء کرام کواللہ تعالیٰ نے علوم اورمصارف عطافرمائے ہیں جن کی بدولت وہ مخلوق کی باطنی اورروحانی مددفرماتے ہیں، اورایسی قوت اورقدرت دی ہے کہ وہ مخلوق کی ظاہری مدد فرماتے ہیں''فاذااصاب احد کم حرجة بارض فلاة فلیناد، اعینوا عباد الله یرحمکم الله'' (کبیر، ج ۲، ص ۱۶۳)

ترجمہ: جب تم میں سے کسی آدمی کوبیابان جنگل میں مشکل پیش آئے جہاں کوئی آدمی کوئی بستی نہ ہوتووہاں وہ پکارے اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے گا، معلوم ہوا بے بسی، بے کسی، مجبوری، معذوری کے وقت مخلوق خدا کوپکارنا اوران سے مدد طلب کرنا شرک نہیں، شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا:

ماالاستمدادباهل القبور فی غیر البنی ﷺ اولانبیاء علیهم السلام فقد
ره ، کثیر من الفقهآء واثبته المشائخ الصوفیة قدس الله اسرارهم وبعض
نهاء رحمهم اللّٰہ تعالیٰ وذالک امر مقدر عند اهل الکشف والکمال
م ولا شک فی ذالک عندهم حتی ان کثیرا منهم حصل لهم الغیوض
الارواح وتسمی هذه الطائفة اویسیة فی اصطلاحهم ،قال الامام
افعی قبر موسی الکاظم تریاق مجرب لاجابة الدمآء قال حجة الاسلام
مد الغزالی من یستمد فی حیاته یستمد بعد مماته" (حاشیہ مشکوۃ ۱۵۴

جمہ: نبی ﷺ اور دیگر انبیاء کے علاوہ اہل قبور سے مدد طلب کرنے میں اختلاف ہے
ثر فقہاء نے انکار کیا ہے، اور مشائخ صوفیاء نے اثبات کیا ہے قدس اسرار هم اور بعض
ء نے بھی اثبات کا قول کیا ہے، اہل کشف اور روحانی کمال رکھنے والے افراد کے نزدیک
ثابت شدہ امر ہے ان کے نزدیک اہل قبور سے استمداد کرنا شک سے بالاتر ہے کیونکہ
سے اہل کشف اور کمال باطن رکھنے والے لوگوں کو ارواح سے فیض ہوا ہے۔ اور یہ لوگ
خ اویسیہ کے نام سے مشہور ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ امام موسیٰ کاظم رحمہ اللہ
زار اجابت دعا کیلئے انکا مجرب تریاق ہے۔ امام حجۃ الاسلام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ
ی میں جس شخص سے استمداد ہو سکتی ہے بعد از وفات بھی اس سے مدد مانگی جا سکتی ہے اس
ثابت ہوا کہ نا ولیاء، صلحاء اور انبیاء کرام سے مدد مانگنا جائز بلکہ ایک امر حقیقی اور ثابت شدہ
ہے، اور اہل کشف اور باطنی کمال کے حامل افراد نے اوٗلیاء، صلحاء اور انبیاء کی ارواح سے
نی فیض حاصل کیا ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا:" ولذا قیل اذا تحیرتم فی
ور فاستعینو باهل القبور" (مرقات ، ج،۴ ص ۱۱۴)

معاملات کے حل میں حیران اور پریشان ہو تو اہل قبور سے مدد مانگو، مندرجہ بالا عبارات
ے ثابت ہوا کہ مشکل اور پریشانی کے وقت مومنین اوٗلیاء اور صلحاء کو پکارنا اور ان سے مدد مانگنا
جائز، امر مشروع ہے شرک نہیں۔

موٗلف نے کتابچہ کے ص ۲۶ پر حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب وعقیدہ
کے نام سے ایک عنوان قائم کیا اور پھر ایک شخص کا واقعہ لکھا جو قبروں پر ان سے کلام کرتا اور جتا
کہ تمہیں علم ہے کہ میں کئی ماہ سے تمھارے پاس آرہا ہوں، امام صاحب نے فرمایا کیا انہوں
نے تجھے کوئی جواب دیا ہے؟ اس نے کہا نہیں، پس حضرت امام صاحب نے فرمایا تیرے لئے
تباہی ہے اور تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں۔ کس طرح تو بات کر رہا ہے ایسے احباب کے ساتھ
جو جواب کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ کسی چیز کے مالک ہیں۔

اقول: اگر واقعی یہ قول امام ابوحنیفہ ؒ کا ہے تو اس پر تبصرہ کرنے سے قبل اہل قبور کی سماعت
، اور قوت جواب، اور زائر کی شناخت پر ایک حدیث نقل کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، حافظ ابن
کثیر الدمشقی نے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے مروی یہ حدیث نقل کی ہے اور یہ بھی فرمایا ہے
کہ "والصحیح عند العلمآء روایة عبد الله بن عمر لمالها من الشواهد علی
صحتها من وجوه کثیرة"

ترجمہ: علمائے محدثین کے نزدیک اہل قبور کی سماعت، جواب سلام، اور زائر کی شناخت میں
عبداللہ بن عمر ؓ کی روایت کردہ یہ حدیث سب روایات سے زیادہ صحیح ہے کیونکہ بے شمار
وجوہات اور دلائل کی بنیاد پر یہ صحیح ہے اور وہ حدیث یہ ہے۔

"مامن احد یمر بقبر اخیه المسلم کان یعرفه فی الدنیا فیسلم علیه الا رد الله
علیه روحه حتی یرد علیه السلام"

ترجمہ: جو شخص بھی اپنے مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے جسکو وہ دنیا میں جانتا تھا

، پھر اسکو سلام دے مگر اللہ تعالیٰ اس کی روح کو اس مسلمان میت کے جسم میں لوٹا دیتا ہے، یہاں تک وہ اسکو سلام کا جواب دیتا ہے'' (ابن کثیر جلد ۳ ص ۴۳۸)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا: ''وثبت عنه ﷺ لا مته اذا سلموا علی اهل القبور ان یسلموا علیهم سلام من یحاطبو نه فیقو ل المسلم السلام علیکم دار قوم مومنین ،وهذا خطاب لمن یسمع ویعقل ولو لا هذا ا لخطاب لکانوا بمنز لة خطاب المعدوم والجماد'' (ابن کثیر ،جلد ۳ ص ۴۳۸)

ترجمہ: حضور ﷺ سے اُمت کیلئے یہ طریقہ ثابت ہے کہ جب وہ اہل قبور کو سلام کہیں تو اسطرح سلام دیں جسطرح وہ مخاطب شخص کو سلام دیتے ہیں، سلام کہتے وقت مسلمان کہے اے دار آخرت یعنی برزخ میں رہنے والے مومنین کی قوم تم پر سلامتی نازل ہو، یہ خطاب ایسے شخص کیلئے ہے جو سنتا اور جانتا بوجھتا ہے، اگر اسطرح کا خطاب نہ ہوتا تو پھر ان کو معدوم اور پتھروں جیسے مخاطب کیا جاتا، یعنی نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو اہل قبور سے مخاطب ہونے کا جو طریقہ اور الفاظ ارشاد فرمائے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل قبور سلام سنتے اور سلام دینے والے کو جانتے پہچانتے ہی نہیں بلکہ سلام کا جواب بھی دیتے ہیں، حافظ مرحوم مردوں کے برزخ میں زندہ موجود ہونے کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مبارک ؓ کا قول بھی نقل فرماتے ہیں: ''قال تعرض اعمال الاحیاء علی الموتیٰ فاذا راء واحسنا فرحوا وستبشروا وان راء واسوء قالوا اللهم راجع به'' (ابن کثیر جلد ۳ ص ۴۳۹)

ترجمہ: زندوں کے اعمال مردوں کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں، جب وہ اعمال صالحہ دیکھتے ہیں، خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہیں، اور جب برے اعمال دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں، یا اللہ یہ اسی کو واپس کر، یعنی اس کے منہ پر مار، حافظ مرحوم رحمہ اللہ قول فیصل کے طور پر فرماتے ہیں: ''فهذا السلام والخطاب والنداء الموجود یسمع ویخاطب

ویعقل ویرد وان لم یسمع المسلم الرد والله اعلم'' (ابن کثیر ،ج ۳،ص ۴۳۹)

ترجمہ: السلام علیکم کے الفاظ، کم ضمیر سے مردوں کو مخاطب کرنا، یا اهل القبور سے نداء کرنا ثابت کرتا ہے۔ قبر میں مدفون شخص موجود ہے، جو سلام کو سنتا، اور جواب دیتا ہے، وہ جانتا پہچانتا ہے، اور سلام کا جواب بھی دیتا ہے اگرچہ سلام دینے والا، مردے کا جواب سننے کی طاقت نہیں رکھتا۔

مندرجہ بالا تصریحات سے ثابت ہوا کہ مردے قبر میں موجود، سلام کہنے والے کا سلام سنتے، سلام کا جواب دیتے، سلام کہنے والے کو پہچانتے اور شناخت کرتے ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں اپنے حجرہ جس میں رسول ﷺ محو استراحت ہیں جب داخل ہوتی تو ایک آدھ کپڑا اوڑھے ہوتی۔ اور یہ سوچتی کہ حجرہ میں ایک میرے شوہر نامدار اور دوسرے میرے والد ہیں۔ لیکن جب عمر دفن ہوئے تو ''مادخلته الا وانا مشدودة علی ثیابی حیاء من عمر رواه احمد'' (مشکواة ص ۱۵۴)

ترجمہ: تو میں باپردہ ہونے کے بغیر کبھی داخل نہیں ہوئی حضرت عمر ؓ سے حیاء کی وجہ سے ثابت ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ کا عقیدہ تھا کہ آپ ﷺ کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت عمر ؓ دنیاوی زندگی کی طرح روضہ انور کے اندر بھی دیکھتے، سنتے اور سلام پیش کرنے والے کو جانتے پہچانتے ہیں، چنانچہ شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے حیاء ابن عمر ؓ کے تحت فرمایا: ''اوضح دلیل علی حیوة المیت، وعلی اله ینبغی احترام المیت عند زیارته مهما امکن، لاسیما الصالحون بان یکون فی غایة الحیاء والتارب بظاهره وباطنه فان للصا لحین مددا ظاهرا بالغالزوارهم''

(اشعة اللمعات حاشیه مشکوة ص ۵۴)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان حیاء ابن عمر ؓ کا میت کے قبر میں زندہ ہونیکی

بڑی واضح دلیل ہے (۲) یہ فرمان دلالت کرتا ہے کہ جب اہل قبور کی زیارت کیلئے جاؤ تو جہاں تک ممکن ہو سکے ظاہری اور باطنی لحاظ سے ان کے ادب واحترام کو ملحوظ رکھا جائے، خاص کر جب صالحین کے مزارات پر جاؤ،، کیونکہ صالحین زیارت کیلئے آنے والے لوگوں کی ظاہری اور باطنی ہر دولحاظ سے بھرپور امداد فرماتے ہیں، ملاعلی قاری نے فرمایا: ''وقد وردان الموتیٰ یعلمون احوال الاحیاء وما نزل بهم من شدة ورخاء ووردانهم يفيتحزون با لزيارات ويأ لمون بانقطاعها'' (مرقات، ج، ۴ص ۹۷)

ترجمہ: کہ حدیث میں آیا ہے کہ مردے زندہ لوگوں کے حالات کا علم رکھتے ہیں۔ اور جو بھی سختی یا سہولت نازل ہوتی ہے مردوں کو اس کا علم ہوتا ہے یہ بھی حدیث میں آیا ہے، مردوں کے پاس جانے پر وہ فخر کرتے ہیں، اور نہ جانے سے رنجیدہ ہوتے ہیں ملاعلی قاری نے نقل فرمایا

:''وقد اخرج ابن ابی شيبة عن ابن مسعود قال اذى المومن فی موته

كاذاه فی حياته' (مرقات .جلد .۴ .۷۹)

ترجمہ: ابن ابی شعبہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی تخر تج ں ہے کہ مومن کو بعد از وفات اذیت دینا ایسا ہی ہے جیسا اسکی زندگی میں اذیت پہنچانا، مندرجہ بالا احادیث اوران کی تشریحات سے ثابت ہوتا ہے، کہ میت قبر میں زندہ ہوتی ہے، آنے والے کو جانتے پہچانتے اور اس کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔

مؤلف نے کتاب الغرائب سے جو واقعہ نقل کیا ہے اور اس کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ قرار دیا ہے۔ اسکی صحت محل نظر ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مذہب اور عقیدہ وہی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک ہے، اگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مذہب ہوتا تو ملاعلی قاری اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی مردہ کی حیات اور اس کی شناخت، اور ردسلام کو احادیث سے کیوں

ثابت کرتے؟

یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ حضرات حنفی ہونے کے باوجود امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت کریں۔ ملاعلی قاری نے نقل فرمایا کہ عراقی خاتون کا اکلوتا بیٹا فوت ہو گیا تھا وہ ہر وقت اس کے غم میں نڈھال رہتی، بالخصوص عید کے موقعہ پر وہ بہت گریہ اور واویلہ کرتی ایک دفعہ کسی کام کی غرض سے اسکو دوسرے شہر جانا پڑا، وہیں اسکو عید کا تہوار آ گیا، وہ اس شہر کے قبرستان میں چلی گئی وہاں گریہ اور واویلا شروع کر دیا، بڑھیا بے ہوش ہو گئی، بے ہوشگی کے دوران، اس قبرستان میں مدفون مسلمانوں کی ارواح کا اجتماع ہوا۔ اور یہ طے پایا کہ اس کا بیٹا یہاں مدفون نہیں، اس نے بلاوجہ نوحہ، اور واویلا کر کے ہمیں اذیت دی ہے، عالم بے ہوشگی میں ہی ارواح نے اسکو مار پیٹ کی ، بڑھیا درد اور گھبراہٹ کی وجہ سے بیدار ہوئی۔

''فلما استيقفت وجدت الم ذالک الضرب'' (مرقات، ج، ۴ص ۹۷)

ترجمہ: جب وہ بڑھیا بیدار ہوئی تو اس نے ضربات مارنے کی تکلیف اپنے بدن میں موجود پائی، ملاعلی قاری نے اس واقعہ کے نقل کرنے سے پہلے فرمایا، وقد رونیا، جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ واقعہ سچا ہے، اور مشہور ہے، ورنہ ملاعلی قاری ہرگز نقل نہ فرماتے،،

ان شواہد کے بعد کتاب الغرائب میں منقول حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب یہ واقعہ اور قول دلیل طلب اور محتاج ثبوت ہے پھر احادیث وآثار کے مقابلہ اور موازنہ کی صورت میں مرجوح ہے، بالفرض اگر یہ واقعہ صحیح ہو تو مؤلف کے عقیدہ اور نظریہ کے خلاف ہے،، کیونکہ اسکے آخری الفاظ یہ ہیں، ایسے اجسام کے ساتھ جو جورب کی طاقت نہیں رکھتے معلوم ہوا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میت کیلئے قبر میں جسم کونی جو دنیا میں تھا۔ اسکی بقاء اور موجودگی کے قائل ہیں، جب دنیاوی جسم موجود اور باقی ہے، حدیث کے مطابق زندگی بھی موجود ہے۔ زائر کو جانتا، پہچانتا، اور سلام کا جواب بھی دیتا ہے، تو یہ سب کچھ ہونے کے باوجود اس کا جواب نہ دنیا چہ معنی دارد؟ مزید

ضرت امام ابوحنیفہ ﷫ کے فرمان کا مقصد یہ بھی ہوسکتا ہے۔ کہ زندہ لوگ جسطرح کا سلام
نے،اور جواب دینے کے عادی ہیں۔ مردے اس طرح، اس نوع، اور اس کیفیت پر مبنی سلام کا
اب دینے کی طاقت اور اہلیت نہیں رکھتے، جیسا کہ علامہ السید محمود آلوسی نے فرمایا:

وما اخرجه العقیلی من انهم ویسمعون السلام ولا یستطیعون رده محمو
علی نفی استطاعة الرد علی الوجه المعهود الذی یسمعه الاحیاء"

جمہ: امام عقیلی نے جو یہ روایت کیا کہ مردے سلام سنتے ہیں۔ اور اس کا جواب دینے کی
قت نہیں رکھتے، اس کا مقصد یہ ہے کہ زندہ لوگوں کے نزدیک جو جواب مقرر ہے، اس قسم کا
اب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ پھر فرمایا: " وقیل ردالسلام وعدمه مما یختلف
ختلاف الا شخاص فرب شخص یقدره اللہ تعالیٰ علی الرد ولا یثاب علیه
نقطاع العمل و شخص آخر لایقدره عزوجل"

جمہ: سلام کا جواب دینا یا نہ دینا یہ مردوں کے اختلاف پر موقوف ہے، کیونکہ بہت سے لوگو
و اللہ تعالیٰ جواب دینے کی طاقت عطا فرماتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو یہ طاقت نہیں
اتی، جو سلام کا جواب دے سکیں، اس کا ثواب اسکو نہیں ملتا کیونکہ اس کا عمل منقطع ہو چکا ہے
ں نامہ اعمال دفتر اعمال میں جمع ہو چکا ہے علامہ محاکمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں

عندی اذا لتعلق ایضا ممایتفا وت قوة وضعفا بحسب الا شخاص بل
حسب الا زمان ایضا (روح المعانی. جلد ۱۱ ج ۲، ص ۵۸)

جمہ: میرے نزدیک جہاں تک جواب سلام کا تعلق ہے، قوت اور ضعف کے اعتبار سے
ں بھی فرق ہے، کیونکہ بعض اشخاص کو جواب دینے کی بھرپور قوت حاصل ہے، بعض کو
ر درجہ کی طاقت حاصل ہے، وہ بھرپور قوت سے جواب نہیں دے سکتے"، اور سننے والا سن
سکتا"، بلکہ اس میں اوقات کا دخل بھی موجود ہے، بعض اوقات جواب دیتے ہیں اور بعض

قات جواب نہیں دیتے، صاحب روح المعانی کی اس توضیح سے ثابت ہوا کہ شائد وہ اس
ت ان سے گفتگو کرتا ہو، جس وقت وہ جواب دینے کی حاجت یا کیفیت میں نہ ہوں، یا ان کا
اب ہی کمزور درجے کا ہو، یا اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب دینے کی قدرت ہی نہ دی ہو، لیکن اس
ے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ کوئی بھی میت خواہ بزرگ ہو یا عام آدمی جواب دے ہی نہیں سکتی
مردہ جواب دینے کی طاقت ہی نہیں رکھتا، مؤلف کا علی الاطلاق ہر مردے کے عدم جواب پر
حضرت امام ابوحنیفہ ﷫ کا قول بطور فتویٰ پیش کرنا غلط ہے۔

مؤلف نے کتابچہ کے ص ۶۷ پر تحریر کیا ہے کہ ہر مسلمان نماز کی ہر رکعت میں یہ
اقرار کرتا ہے، کہ "ایاک نعبد وایاک نستعین" خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور
تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، اور یہی تعلیم تمام انبیائے کرام سے ملتی ہے۔ کہ پکارنے کے لائق
صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، ہر مشکل میں اسے ہی پکارا جائے اللہ کو چھوڑ کر دوسری
کو مافوق الاسباب مدد کیلئے پکارنا شرک اور بڑی گمراہی ہے۔

اقول: بے شک ہر مسلمان نماز کی ہر رکعت میں "ایاک نعبد وایاک نستعین" پڑھ کر یہ
اقرار کرتا ہے ہم ہر مشکل میں ہر قسم کی مدد اے اللہ تجھ ہی سے مانگتے ہیں۔

مؤلف نے کتابچہ کے ص ۶۵ پر مسئلہ استعانت و پکار کا عنوان قائم کیا،
استعانت اور پکار کی تعریف اور تقسیم کے بغیر ہی یہ لکھ دیا کہ ہر مشکل میں اسے ہی پکارا جائے
، اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مافوق الاسباب مدد کیلئے پکارنا شرک اور بڑی گمراہی ہے۔

اقول: یہ غلط ہے، خود رب ذوالجلال نے فرمایا: " یاایها الذین امنوا کونوا انصار اللہ
(الصف، ۲۸_۱۴)
اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے مددگار ہو جاؤ"، جو ذات پاک، ہر جگہ ہر وقت، ہر مصیبت میں

ہر انسان کا ''نعم المولیٰ اور نعم النصیر ہے یہ مخلوق انسانی جو خود محتاج نصرت ہے وہ اس کی مددگار کیسے ہو سکتی ہے؟ جواب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین، اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی مدد، اللہ تعالیٰ کی مدد کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے صرف مدد کرنے اور مددگار بننے کا حکم دیا ہے۔ نہیں فرمایا کہ صرف ماتحت الاسباب مددگار بنو، اور مافوق الاسباب مددگار نہ بننا۔ مطلق مدد کرنے کا حکم دے کر یہ واضح کیا کہ جس قسم کی مدد درکار ہو، دین کی تبلیغ واشاعت، سر بلندی و فرازی کیلئے مدد بہم پہنچانا تم پر فرض ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کو یہ طاقت، اور یہ مقام ومرتبہ عطا فرمایا ہے، جس کے تحت وہ مافوق الاسباب، مدد کرنے پر قادر ہے، تو شرک نہیں بلکہ ''کونوا انصار اللہ'' کی ایک جھلک ہے، ملا علی قاری نے مرقات شرح مشکوۃ میں یہ واقعہ نقل فرمایا ہے کہ جمعہ کے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے، کہ دوران خطبہ فرمایا، یا سارية الجبل، حاضرین، سامعین حیران رہ گئے عمر رضی اللہ عنہ نے کیا کیا ہے؟ اور کس کو ندا دی ہے، صحابہ کے پوچھنے پر فرمایا نہاوند کے مقام پر لشکر اسلام ساریہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دشمنان اسلام سے برسر پیکار ہے اور دشمن پہاڑ کے پیچھے مورچہ زن ہے اور مجاہدین اسلام پر بھرپور حملہ کیلئے پر تول رہا ہے میری نگاہ پڑی میں نے آگاہ کیا ہے، حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی یہ ندا سنی اور دشمن پر حملہ کیا اور فتح سے ہمکنار ہوئے، یہ دین کی نصرت تھی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ سے نہاوند کے مقام پر پہنچائی، یہ نداء بھی مافوق الاسباب تھی اور یہ مدد بھی مافوق الاسباب تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس امداد کے پہنچانے پر قادر تھے، اگر یہ شرک اور گمراہی کے زمرہ میں آتی تو اللہ تعالیٰ نہاوند تک کا علاقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہ دکھاتا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں اس نوع کی مدد کرنے کا القاء بھی نہ فرماتا، اگر مافوق الاسباب کے تحت دینی امور میں مدد کرنا شرک اور گمراہی ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اتنی دور سے یا سارية الجبل کہہ کر کیوں پکارتے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس ندائے نصرت کو تمام لشکریوں نے سنا حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ نے

...س سے استفادہ کیا اور فتح سے ہمکنار ہوئے، قرآن حکیم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خواہش اور اسکی تکمیل کیلئے استعمال ہونے والے کلمات کا تذکرہ فرماتے ہوئے بیان کیا:

''قال یاایها الملاء ایکم یأ یتنی بعرشها قبل ان یأ تو نی مسلمین'' (النمل:۳۸)

ترجمہ: فرمایا اے حاضرین دربار، بلقیس کا تخت، مسلمان ہوکر، ان کے میرے پاس آنے سے قبل کون لائے گا، یہ کلمات درحقیقت اس خواہش کی تکمیل میں بطور مدد کہے گئے، طاقتور جن، نے مجلس کے برخاست ہونے سے قبل لانے کا اعلان کیا اور علم کتاب، کے حامل آصف بن برخیاء نے آنکھ جھپکنے سے پہلے لانے کا اعلان کیا، ہر دو اعلانات کا تقابل اور موازنہ کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام مجلس کے اختتام پذیر ہونے سے پہلے لانے اور تخت کے موجود ہونے کے متمنی تھے، اس لئے آصف بن برخیا نے چشم زدن میں لانے کا اعلان کیا اور سلیمان علیہ السلام کو ان کی قوت اور روحانی طاقت کا علم تھا، تخت ملک سباء میں شاہی محل کے خفیہ خانہ جس کے اردگرد کئی کمرہ جات تھے، میں سجا اور بچھا ہوا تھا۔ بڑا ضخیم، اور وزنی ہونے کے ساتھ ساتھ مقفل کمرہ میں تھا، اتنی دور اور اتنے خانہ ہائے پردہ سے منگوانا تحت الاسباب نہ تھا۔ بلکہ مافوق الاسباب تھا، آصف بن برخیا نے ماخوذ الاسباب عمل کے ذریعے وہ تخت بدون غیر حاضری لاکر پیش کیا، اس واقعہ سے مؤلف کا عندیہ کہ مافوق الاسباب مدد مانگنا، شرک اور گمراہی ہے،، باطل قرار پایا مدد طلب کرنا مافوق الاسباب ہو تحت الاسباب، مدد کرنے والا اس وقت تک مدد کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتا، جب تک اللہ تعالیٰ کی منشاء اور مدد اس کے شامل حال نہ ہو، امام رازی کے قول سے یہ مفہوم پہلے نقل ہو چکا ہے، موقعہ کی مناسبت سے دلیل کے طور امام رازی کا یہ فرمان بھی ملاحظہ ہو:'' اذا اصاب احد کم حرجة بارض فلاة فلیناد اعینوا عباد اللہ یرحمکہ اللہ'' (کبیر، ج،۲ ص۱۲۳)

جب تمہیں کسی غیر آباد جگہ میں کوئی مشکل پیش آئے تو وہاں پکار کر کہو اے اللہ کے بندو، ہماری

مدد کرو، اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے یعنی غیر آباد، بیابان جنگل، جہاں دنیاوی ظاہری اسباب اعانت موجود نہ ہوں وہاں اللہ کو پکارنا چاہیے یا اسکی مخلوق کو؟ امام رازی نے تو فرمایا ہے کہ وہاں عباداللہ کو پکارو، اور ان کو مدد کرنے کا کہو۔

امام رازی نے ”فلیناد اعینو اعباد اللہ یرحمکم اللہ“ یہ حدیث نقل فرمائی ہے،
حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے عباداللہ سے کون سے اللہ کے بندے مراد ہیں، پوری حدیث پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عباداللہ سے مراد فرشتے ہیں جو جنگلوں، پہاڑوں صحراؤں، اور بیابانوں میں درختوں کے پتوں کی حفاظت پر مامور ہیں، لیکن یہ فرشتے انسان کی جنس سے ہیں نہ ان کا دیکھنا ممکن ہے تا کہ مدد مانگی جائے، ایسی صورت حال میں یہ استعانت مافوق الاسباب ہے، اگر مان لیا جائے کہ فرشتے وہاں موجود ہیں اور اسباب بن رہے ہیں تو کہا جائیگا کہ موجود تو ہیں مگر نظر نہیں آتے۔ سبب کی تعریف ہی ہے جو تحت الحواس ہو، پھر فرشتہ حکم خداوندی کے تابع ہے وہ وہی کچھ کرتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ ان کو حکم دیتا ہے، انسان کے تابع نہیں، جب نظر بھی نہ آئیں، تابع فرمان بھی نہ ہوں تو پھر ان کا مدد کرنا ماتحت الاسباب کیسے ہوگا؟ اور یہ مدد عادی اور فطری کیسے ہوگی؟ قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا:

”وان ستنصر و کم فی الدین فعلیکم النصر“ (انفال، ۷۲)

ترجمہ: اگر دین کی تبلیغ اور اشاعت میں تم سے مدد طلب کریں، تو تم پر ان کی مدد کرنا واجب ہے،، اس سے قبل ارشاد ہوا کہ ”ھو الذی ایدک بنصرہ بالمومنین“ اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لاشریک وہی ہے جس نے اپنی خاص مدد سے آپ کی مدد کی، اور پھر مومنین کی مدد سے بھی آپ کو امداد دی۔ (انفال۔۶۲)

مزید فرمایا: ”یا ایھا النبی حسبک اللہ ومن اتبعک من المومنین“ (انفال، ۶۵)

ترجمہ: اے نبی ﷺ اللہ تعالیٰ اور جو لوگ اسلام لائے اور پیروکار بنے اعانت واستعانت

کیلئے آپ ﷺ کو کافی ہیں، جب اللہ مددگار اور کافی ہے، تو مخلوق کی مدد کی کیا ضرورت باقی رہ باقی ہے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اعانت واستعانت کے مقام پر آپ ﷺ کیلئے بے مثال معاون اور مددگار ثابت ہوئے ہیں اور آئندہ بھی ثابت ہونگے،،

ان مذکورہ بالا آیات جن میں اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے سے مدد مانگنے: اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم دیا ہے اور ”ایاک نعبد و ایاک نستعین“ میں تعلیم دی گئی کہ مجھ سے ہی مانگو کسی اور سے مدد نہ مانگنا، ان آیات میں فرمایا گیا کہ ایک دوسرے سے مدد مانگو، اور ایک دوسرے کی بھرپور مدد کرو، اور رسول ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ مدد اور استعانت کیلئے آپ ﷺ کو اللہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کافی ہیں، یہ تعارض ہے۔

اس تعارض کے دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ”ایاک نعبد و ایاک نستعین“ کہتے وقت اللہ رب العزت سے یہ التجاء کی جائے کہ اے اللہ! معبود حقیقی تیری ہی ذات وحدہ لاشریک ہے، اور حقیقی معاون تیری ہی ذات وحدہ لاشریک ہے، اور حقیقی مددگار تو ہے باقی ہر قسم کی مدد اور امداد تیری عطاء تیری قدرت اور تیری مرضی پر موقوف ہے، وہی مدد کرے گا جس کو مدد کرنے کے قابل تو بنائے گا، عالم ظاہر اور عالم غیب سے میری مدد کا سامان مہیا فرما،، ہر قسم کی مدد ماخوق الاسباب ہو یا ماتحت الاسباب یہ اللہ تعالیٰ کی ہی ہے کیونکہ وہی اسباب کا مالک اور خالق ہے اور یہی مفہوم اور تعبیر ”ایاک نعبد و ایاک نستعین“ کیہ ہے۔

مؤلف نے کتابچہ کے ص ۶۸ پر سورۃ النحل کی یہ آیہ کریمہ نقل کی:

”والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئا وھم یخلقون اموات غیر احیاء وما یشعرون ایان یبعثون“ اور جن کو وہ خدا کے بغیر پکارتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے؛ وہ خود مخلوق ہیں، مردے اور فانی ہیں زندہ جاوید نہیں اور ان کو پتہ نہیں کہ کب ان کو

قیامت میں اٹھایا جائے گا، ۔۔۔۔۔۔ پھر فائدہ کے تحت لکھا کہ اس آیت سے پتہ چلا کہ مافوق الاسباب اسے پکارنا چاہیے جو نہ مخلوق ہو اور نہ اس پر موت طاری ہو سکے۔

اقول: مؤلف نے آیہ کریمہ کا غلط معنی بیان کیا، اور اس سے غلط فائدہ اٹھایا۔

(۱) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کے تحت فرمایا: ''ثم اخبران الاصنام التی ید عوتها من دون اللہ لا یخلقون شیأوھم یخلقون'' (ابن کثیر جلد ۲ ص ۵۶۵)

ترجمہ: اللہ تعالی نے یہ خبر دی کہ بے شک یہ بت اللہ کے علاوہ جن کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے، بلکہ یہ خود مخلوق ہیں، کیونکہ یہ پتھر اللہ کی مخلوق ہیں۔

۲) امام رازی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''ومع ذالک فتعلمون انه یقبح عبادته فهده جمادات محضة ولیس لها فهم ولا قدرة فکیف تقدمون علی عبادتها'' (کبیر، ج۲، ص ۱۲)

ترجمہ: اس کے باوجود تمہیں معلوم ہے کہ غیر خدا کی عبادت کرنا برا ہے اور یہ بت صرف پتھر ہیں، انہیں فہم اور قدرت نہیں تو تم کس طرح ان کی عبادت پر آمادہ ہوتے ہو۔

علامہ سید محمود آلوسی نے فرمایا:

(۳) والا لهة الذین تعبد و نهم ایها الکفار پھر فرمایا۔ الاول هو اللہ تعالی والثا نی الاضا م (روح المعانی، جلد ۸ ج، ا ص ۱۱۹)

ترجمہ: اے کفار جن کی تم عبادت کرتے ہو، اور انہیں معبود مانتے ہو وہ پتھر ہیں ان کا خالق اللہ ہے ''وھم یخلقون'' سے مراد اصنام یعنی بت ہیں، تینوں تفاسیر سے معلوم ہوا کہ یہ آیہ کریمہ کفار اور بتوں کی مذمت میں نازل ہوئی اور کفار کے علم و دانش کو جھنجوڑا گیا ہے کہ تمہیں علم ہے کہ ان میں فہم و قدرت نام کی کوئی چیز نہیں یہ تراشیدہ پتھر ہیں ان کا خالق اللہ وحدہ

لاشریک ہے اسکو چھوڑ کر ان کی عبادت کس طرح اور ان کو معبود کیوں مانتے ہو؟

تینوں تفاسیر سے واضح ہوا کہ یدعون کا معنی پکارنا نہیں بلکہ عبادت کرنا ہے مؤلف نے کفار کی مذمت میں، نازل آیہ کریمہ کو مسلمانوں پر، اور بتوں کی مذمت میں نازل اس آیہ کو انبیاء واولیاء، صلحاء پر چسپاں کیا، یہ بددیانتی کی معراج ہے یا جہالت کی انتہاء، بہر حال اس آئت کا مسلمانوں کی نداء اور انبیاء واولیاء اور صحابہ کی ذوات سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ اختصار کے ساتھ ہم نے تین مستند تفاسیر سے ثابت کیا ہے۔

مؤلف نے کتابچہ کے ص ۶۸ پر عنوان قائم کیا حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ کو پکارا: جب حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام نے شجر ممنوع کا پھل کھایا تو آدم علیہ السلام نے اللہ تعالی کے دربار میں التجاء کی کہنے لگے:

''ربنا ظلمنا انفسنا وان لم وتغفر لنا وترحمنا لنکو نن من الخاسرین''

ترجمہ: اے ہمارے پالنے والے ہم نے اپنے نفسوں پر زیادتی کی ہے اگر آپ نے ہم سے درگزر نہ فرمایا اور ہمیں نظر عطوفت سے نہ دیکھا تو یقیناً ہم خسارے میں جا پڑیں گے، فائدے کے تحت تحریر کیا کہ: جب آدم علیہ السلام نے بوقت غم رب کو پکارا تو اولاد کو بھی چاہیے کہ وہ بوقت مصیبت اپنے باپ کی طرح صرف اور صرف اپنے رب کو پکارے۔

اقول: ''امنا وصدقنا، وعملنابها'' لیکن کیا مؤلف اور ان کے ہم نواؤں کا یہی عقیدہ اور یہی عمل ہے؟ ملک پاکستان اور آزاد کشمیر میں جب بھی تنظیم اہل حدیث پر کوئی افتاد پڑی ہے انہوں نے اس پر عمل کیا ہے؟ عوام اہل حدیث نے گورنمنٹ، انتظامی اداروں کے چکر نہیں لگائے، ان کے دروازے نہیں کھٹکھٹائے؟ مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں، مگر اختصار ملحوظ خاطر ہے، تنظیم اہل حدیث نے کھوئی رٹہ کے مقام پر جامع مسجد کی صورت میں اشاعت وتبلیغ کا ایک

ز قائم کیا، عوام علاقہ نے اس کا تارپول بکھیر دیا، مسلمانوں کو کافر مشرک کہنے والی صداؤں
ٔنے کیلئے چپ کرا دیا، تنظیم مردگی کی حالت میں آہ وفغاں کرتی ہوئی، تھانہ اور عدالت پہنچ گئی
قدمہ دائر کر دیا، ایاک نعبد و ایاک نستعین 'کا حکم بھول گئی، دینی مرکز کا اکھڑ جانا
اقت وعقیدے کے بل بوتے آواز تنظیم کو خاموش کرانا مصیبت نہیں، بڑی پریشانی
ں؟ اگر نہیں تو کیوں نہیں؟ اگر ہے تو اولاد آدم علیہ السلام نے اپنے باپ کی مخالفت کیوں کی
سانحہ کھویئر ٹہ، اور واقعہ آدم علیہ السلام کے درمیان گہری مناسبت بھی موجود ہے، آدم علیہ السلام اور
اعلیہا السلام کو ان کی آماجگاہ جنت سے نکالا گیا اور تنظیم اہلحدیث کو ان کی آرامگاہ کھوئیر ٹہ سے
ے دخل کیا گیا، آدم علیہ السلام نے ''ربنا ظلمنا انفسنا'' کہہ کر اپنے رب کو پکارا اور تنظیم نے پو
س اور عدالتوں کو پکارا حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام نے شجر ممنوع کا پھل کھا
ر حکم خداوندی کی خلاف ورزی کی، لہٰذا اس کے ازالے، اور انعامہائے گرانمایہ حاصل کرنے
کیلئے ان پر لازم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو پکارتے چنانچہ انہوں نے اللہ کو پکارا، اور درگزر کرنے کی
تجاء کی اس میں تعلیم، ترغیب، یا تعجب کی کونسی بات ہے؟

قول: زکریا علیہ السلام اللہ کے نبی اور پیغمبر ہیں، کوئی انسان، کوئی فرشتہ اس تعلق تک نہیں پہنچ سکتا
جو تعلق نبی اور اللہ کے درمیان ہوتا ہے، اُلوہیت کے بعد سب سے بڑا منصب اور مرتبہ نبوت
ور رسالت ہے، جسطرح یہ مذہب، عظمت شان اور رفعت مقام کا حامل ہے اسیطرح جو شخص
س سے متصف اور اس کا حامل ہے اس کا ایمان، عمل اور تعلق باللہ بھی غیر مثالی ہوتا ہے، اس
لئے زکریا علیہ السلام نے نبی ہونے کے ناطے خدائے تعالیٰ کو پکارا، لیکن یہ پکار یہ نداء کہاں اور کس
ماحول میں ہوئی؟ آیئے دیکھتے ہیں۔ اس دعا کا پس منظر کیا ہے؟ حضرت زکریا علیہ السلام اور
حضرت مریم علیہا السلام کے خالو بھی تھے، نبی ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت مریم علیہا السلا

کے کفیل بھی تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام جب حجرہ مریم علیہا السلام میں خبر گیری کیلئے جاتے تو وہاں بے موسم کے پھل دیکھتے، سردیوں کے پھل گرمیوں میں اور گرمیوں کے پھل سردیوں میں وہاں دیکھتے حضرت زکریا علیہ السلام نے ازراہ تعجب پوچھا؟ تمہارے پاس یہ پھل کہاں سے آئے؟ مریم علیہا السلام نے کہا اللہ کی طرف سے حضرت زکریا علیہ السلام بڑھاپے کی حالت میں تھے۔ اور ان کی بیوی بانجھ تھی، بغیر کسی کے لانے کے بے موسمی پھلوں کا موجود ہونا حضرت مریم علیہا السلام کی کرامت تھی کیونکہ وہ ولیہ تھیں، ولیہ کے مقدس مقام اور کرامت کو دیکھ کر اولاد کی خواہش ہوئی مقدس مقام اور کرامت دعا کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ بنے اور یہ باور ہو گیا کہ جو اللہ بند کمرے میں مریم علیہا السلام کو بغیر کسی ذریعہ اور لانے والے کے بے موسم پھل دیتا ہے، وہ میرے بڑھاپے میں اور میری بیوی کے بانجھ ہونے پر بھی اولاد دینے کی قدرت رکھتا ہے،، زکریا علیہ السلام نے مقام عبادت جو حجرہ مریم علیہا السلام تھا اور ماحول ولایت اور کرامت ولیہ کے حسین امتزاج میں اولاد کیلئے اللہ کو پکارا ایسی صورت میں اللہ کو نہ پکارتے تو اور کس کو پکارتے۔ (ایوب علیہ السلام نے بھی مصیبت میں رب العالمین کو پکارا تھا، ص ٦٩)

پیغمبر اللہ تعالیٰ کی منتخب فرمودہ، اور فرستادہ وہ ہستی ہے جس سے اللہ بالواسطہ اور بلاواسطہ کلام فرماتا ہے، اس کا ایمان شہودی اور غیر متزلزل ہوتا ہے، انوار توحید سے اسکے افکار اور کردار اور اعتقاد منور ہوتے ہیں جہاں شیطان کا گزر تک نہیں ہو سکتا، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''ان عبادی لیس لک علیھم سلطان''

اے شیطان میرے بندوں پر تیرا شیطانی داؤ پیچ نہیں چلے گا۔

حضرت ایوب علیہ السلام برضائے ربی سات سال اور کچھ مہینے مبتلائے مرض رہے (کبیر، جز ٢٢۔ ص ٢٠٦) مال، اولاد، جائیداد، اہل وعیال کی قربانی، دی، دل ودماغ اور زبان کے علاوہ جسم بھی قربان کیا، مگر ایک لحظہ کیلئے بھی خدا کی عبادت، ذکر سے غافل ہوئے نہ حرف

شکایت زبان پر لائے، جب کھانا، پینا، ختم ہو گیا دوست احباب نے ساتھ چھوڑ دیا، اہلیہ بھی چلی گئیں، غرضیکہ دنیاوی تمام رشتے ختم ہو گئے، ظاہری اسباب بھی جاتے رہے تو اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا:

"رب انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین"، امام رازی نے فرمایا: "فلما نظر ایوب فی شانه ولیس عنده طعام ولا شراب، ولا صدیق، وقد ذهبت امراته خر ساجدا وقال رب انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین" (کبیر ج، ۲۲، ص ۲۰۷)

ترجمہ: جب حضرت ایوب ؑ نے اپنی بیماری، اپنی حالت کو دیکھا کہ انکے پاس کھانے کو کچھ ہے نہ پینے کو، دوست احباب بھی ساتھ چھوڑ چکے ہیں، اور زوجہ بھی جا چکی ہے، تو احساس بے نوائی اور کیفیت تنہائی میں سربسجود ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ عرض کی؛ اے رب بے شک مجھے تکلیف پہنچ گئی ہے، اور تو ہی ارحم الرّاحمین ہے امام رازی کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ یہ دعا آپ ؑ نے اسی وقت مانگی جب ظاہری اور دیناوی اسباب ساتھ چھوڑ چکے تھے۔

جب تک کھانا پینا مہیا ہوتا رہا، دوست احباب خبر گیری کرتے رہے، زوجہ محترمہ اُمور خدمت بجا لاتی رہی اس وقت تک آپ ؑ نے دعا نہیں مانگی، تنہائی اور بے بسی کی حالت میں دعا مانگی جو قبول ہوئی، ثابت ہوا انبیائے کرام بھی اسباب ظاہریہ پر بھروسہ کرتے رہے، اور انکو استعمال میں لاتے رہے ہیں، گویا آپنے یہ دعا ایک مخصوص وقت اور مخصوص حالت اور مخصوص کیفیت میں مانگی ہے، یہ دعا وقت، ماحول کے اعتبار سے مطلق نہیں بلکہ مفید ہے، جیسا کہ امام رازی نے فرمایا ہے، مؤلف کا بدوں قید اطلاق کرنا اور چسپاں کرنا غلط ہے۔

مؤلف نے کتابچہ کے ص ۶۹، پر مسئلہ مختار کل کے تحت لکھا کہ:

اہل سنت و جماعت مختار کل قادر مطلق اور چیزوں کو حلال کرنے والے، اور حرام کرنے والے

ـــ اللہ کو مانتے ہیں۔

ـــول: مؤلف نے اپنے آپ اور اپنے ہم نواؤں کو اہل سنت و جماعت کہا ہے، جو صریحا غلط ـــ اور یہ اسلئے کہ رسول ﷺ کے فرمان کی روشنی میں یہ فرقہ اہل سنت و جماعت ہو ہی نہیں سکتا، ـــرت عبداللہ بن عمر ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا، کہ میری اُمت تہتر فرقوں ـــں بٹ جائیگی "کلهم فی النار الاملة واحدة قالو من هی یارسول اللہ ﷺ قال ما ـــا علیه واصحابی" (رواه الترمذی، مشکوۃ ۳۰، باب الاعتصام بالکتاب والسنه)

ـــرجمہ: ایک فرقے کے علاوہ باقی سب دوزخی ہونگے، صحابہ ؓ نے عرض کیا کہ ناجی فرقہ ـــون ہوگا؟ فرمایا جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر گامزن ہوگا۔

ـــند امام احمد ؓ اور ابوداؤد ؓ کی روایت میں ہے، جو حضرت معاویہ ؓ نے روایت کی ہے کہ ـــنتان وسبعون فی النار وواحدة فی الجنة وهی الجماعة الحدیث" (مشکوۃ ایضا

ـــرجمہ: بہتر فرقے جہنمی اور ایک جنتی ہوگا اور وہ اہل سنت و جماعت ہیں۔ اس پر ملا علی قاری ـــنے فرمایا: "ای اهل الفقه والعلم الذین اجمتعوا علی اتباع آثاره ﷺ" (مرقاۃ) ـــکہ الجماعۃ سے مراد وہ علماء اور فقہاء ہیں جو نبی کریم ﷺ کے افعال، اقوال کی اتباع پر متفق اور ـــمع ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

"اتبعوا السواد الاعظم، فانه من شذ شذ فی النار رواه ابن ماجه من حدیث ـــس، مشکوۃ ایضاً"

ـــرجمہ: کہ سواد اعظیم کی پیروی کرو، کیونکہ جو ان سے الگ ہوا وہ جہنم میں ڈالا جائیگا، حضرت ـــبداللہ بن عمر ؓ سے مروی ہے، کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

ـــان اللہ لا یجمع امتی اوقال امة محمد علی ضلالة وید اللہ علی الجماعة

ومن شذ شذ فی النار رواہ التر مذی، مشکوۃ ایضا)

ترجمہ: کہ بے شک اللہ تعالیٰ اُمت محمدیہ کا اجماع گمراہی پر نہیں ہونے دیتا، اور جماعت پر اللہ تعالیٰ کا دست رحمت اور دست نصرت ہے، جو ان سے جدا ہوا وہ جہنم میں گیا، ملا علی قاری نے فرمایا "یعبر بہ الجماعۃ الکثیرۃ، والمراد ماعلیہ اکثر المسلمین" (مرقاۃ) سواد اعظم الجماعتہ الکثیرۃ کو کہا جاتا ہے، اور اس سے مراد وہ امر ہے جس پر اکثر مسلمانوں کا عمل ہو، پاکستان، ہندوستان، افغانستان، بلکہ پوری دنیائے اسلام کا سروے کیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ اکثریت مسلمانوں کی اہل سنت و جماعت ہے، کیونکہ شرعی اور فقہی اعتبار سے پوری دنیا میں چار ہی مذہب پائے جاتے ہیں حنفی، مالکی، حنبلی، اور شافعی اور یہی اہل سنت و جماعت ہیں، دیگر فرقے، اقل قلیل ہیں، اور یہی مذاہب اربعہ ما انا علیہ واصحابی کی تعبیر اور تفسیر ہیں، رسول ﷺ نے ان کو ہی سواد اعظم اور الجماعۃ فرمایا ہے، اور انکی مخالفت کرنے والے اور ان سے علیحدہ ہونے والے کو دوزخی فرمایا ہے، ان احادیث اور تشریحات احادیث کے پڑھنے، سننے اور سمجھنے کے بعد مؤلف کا اپنے آپ ﷺ کو اہل سنت و جماعت کہنے کہلوانے کا کیا جواز اور کیا حق ہے؟

"ما انا علیہ واصحابی اور فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین الحدیث رواہ احمد وابو داؤد، والترمذی، وابن ماجہ، مشکوۃ ۳۰

لیکن محقق ابن الھمام صاحب فتح القدیر نے جو حدیث نقل کی ہے اس میں من بعدی کا اضافہ ہے،

ترجمہ:۔ ہر دو احادیث کو یکجا کرنے سے ثابت ہوا کہ جس طرح رسول ﷺ کی سنت پر عمل کرنا واجب ہے، اسیطرح خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا بھی واجب ہے، کیونکہ علیکم اسم فعل ہے اور اس کا معنی ہے الزموا،، یعنی لازم کرلو، واجب کرلو،، علیکم جس طرح بسنتی پر داخل ہے

طرح واؤ حرف عطف کی وساطت سے سنۃ الخلفاء الراشدین پر بھی داخل ہے، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم پر میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کا التزام، لازم اور واجب ہے، رسول ﷺ کے بعد خلفائے راشدین کے طریقے کا اتباع واجب ہے، یعنی سنت رسول ﷺ اور سنت خلفائے راشدین کا اتباع واجب ہے، مؤلف کا تعلق اس فرقہ سے ہے جو آٹھ تراویح پر ایمان رکھتے ہیں۔

محقق ابن الھمام نے فرمایا: "روی انہ ﷺ خرج لیلۃ من لیالی رمضان وصلی عشرین رکعۃ، فلما کانت اللیلۃ الثانیۃ اجتمع الناس، فخرج وصلی بھم عشرین رکعۃ، فلما کانت اللیلۃ الثالثۃ کثر الناس فلم یخرج علیہ الصلوۃ السلام،، (فتح القدر. جلداول ص ۴۸۴)

ترجمہ: ایک روایت کے مطابق رمضان کی ایک شب رسول ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور آپ ﷺ نے بیس رکعت تراویح پڑھیں، دوسری رات پھر تشریف لائے اور بیس رکعت تراویح پڑھیں، اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی پڑھائیں، جب تیسری رات آئی صحابہ رضی اللہ عنہم کی کثیر تعداد جمع ہو گئی اور آپ مسجد میں تشریف نہ لائے، آپ ﷺ کے زمانے پاک سے لیکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ اقدس تک لوگ تنہا تنہا بیس رکعت تراویح پڑھتے رہے،، مؤطا امام مالک رحمہ اللہ میں یزید بن رومان کی یہ روایت موجود ہے:

"کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرین رکعۃ"

اور محدث بیہقی نے سائب بن یزید سے روایت کی کہ "کنا نقوم فی زمن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بعشرین رکعۃ والوتر،، (فتح القدیر، جلد اول ۴۸۵، موطا ۹۸ وحاشیہ)

مندرجہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ رسول ﷺ نے صرف دو مرتبہ نماز تراویح کا اہتمام کیا ایک دفعہ تنہا بیس پڑھیں، اور دوسری مرتبہ بیس تراویح پڑھائیں، ہاں تراویح کو باجماعت

پڑھنے پڑھانے کی ابتداء اور تسلسل حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ہوئی اہل حرمین طیبین نے اعتراض کیا نہ انکار بلکہ دو بعد میں آنے والے خلفاء حضرت علیؓ اور حضرت عثمان ؓ نے خود، یا ان کے دور میں کسی بھی صحابیؓ، یا اہل حرمین نے انکار کیا نہ انگشت، اعتراض اٹھائی، اسی طرح حضرت علیؓ نے خود اعتراض و انکار کیا اور نہ ان کے دور میں کسی کو نے سے اسکی مخالف میں آواز اٹھائی گئی، گویا بیس رکعت تراویح ایک طرف خلفائے ثلثہ، جو خلفاء راشدین مہدیین ہیں کی سنت قائمہ بن گئیں اور دوسری طرف اہل حرمین کے اجماع سے مؤکد ہوگئیں۔ اگر مان لیا جائے کہ رسول ﷺ نے آٹھ تراویح پڑھی ہیں، اسلئے مؤلف اور ان کے ہم نوا، آٹھ پڑھتے ہیں، چلو اس عمل سے علیکم بسنتی پر عمل ہوگیا، مگر حدیث کے بقیہ حصہ پر عمل نہ ہوا، خلفائے ثلثہ کی سنت جو بیس تراویح سے وہ بھی چھوڑ دی اور اجماع امت کی مخالفت بھی کی، کیا یہ "تومنون بعض وتکفرون ببعض" کی صورت نہیں، اور جو الجماعۃ، اور سواد اعظم سے قول و عمل میں کٹ جائے اس کیلئے فرامین رسول ﷺ پہلے گزر چکے ہیں، ان کا مستحق نہیں، فقط بسنتی پر عمل کرنے والا اور سنۃ الخلفاء الراشدین الحدیث کو چھوڑنے والا اہل سنت و جماعت کیسے ہوسکتا ہے، اہل سنت و جماعت ہونے کیلئے رسول ﷺ نے فرمایا: "ما انا علیه و اصحابی"

آٹھ رکعت پڑھنے سے "ما انا علیه" پر عمل تو ہوگیا لیکن "و اصحابی" پر عمل نہ ہوا، جبکہ اصحابی کے عمل کو اپنانے سے ما انا علیه پر خود بخود عمل ہو جاتا ہے، کیا مذکورہ بالا حدیث ما انا علیه پر پوری ہو جاتی ہے؟ مفہوم حدیث اور مضمون ما انا علیه پر مکمل ہو جاتا ہے؟ کیا حدیث صرف ما انا علیه تک محدود ہے، اور بقیہ حصہ جزو حدیث نہیں؟ کیا علیکم صرف بسنتی پر داخل ہے؟ وسنة الخلفاء الراشدین "اس کا لفظی اور معنوی مدخول نہیں؟ کیا "بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین" کے درمیان واؤ، عاطفہ نہیں، کیا یہ واؤ بسنة الخلفاء کو بسنتی کے

طرح علیکم کے تابع حکم قرار نہیں دیتی؟ کیا یہ حدیث صحاح ستہ کی تین کتابوں میں موجود نہیں، جب ہے اور اسناد کے اعتبار سے بھی صحیح ہے تو اس پر عمل نہ کرنے میں کون سا امر مانع ہے، اہل حدیث کہلوانے والوں کو تو ہر صحیح حدیث پر عمل کرنا چاہیے، اگر حدیث کے ایک جز پر عمل کرنے، اور من پسند یا اسکے کسی حصے پر عمل کرنے کا نام اہل حدیث ہے تو پھر ایسے لوگوں کو مبارک ہو، لیکن انہیں اہل سنت و جماعت کہلوانے کا کوئی حق نہیں، کیا ایسی کوئی حدیث ہے جس سے ثابت ہوتا ہو کہ خلفائے ثلثہؓ نے بیس رکعت تراویح نہیں پڑھیں؟ کیا ایسا کوئی ثبوت ہے جس سے معلوم ہو کہ بیس رکعت تراویح کے سلسلہ میں اہل حرمین نے حضرت عمرؓ کی مخالفت کی ہو؟ اور ان کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہو؟ یا بعد میں آنے والے خلفاءؓ نے ان کے حکم اور عمل پر خط تنسیخ کھینچا ہو، یا خلفائے ثلثہؓ کے وصال کے بعد اہل حرمین نے بیس رکعت تراویح کی ادائیگی سے انحراف کیا ہو، بلکہ بیس رکعت تراویح سنت متواثہ ہے جو آج تک اسی طرح قائم و دائم ہے جسطرح حضرت عمرؓ اور ان کے بعد کے خلفاءؓ نے اسکو قائم فرمایا تھا۔

مزید۔ بالفرض تراویح آٹھ رکعات ہیں اور حضور ﷺ نے آٹھ ہی پڑھی ہیں، جبکہ ایسا نہیں، تو یہ سنت فعلی ہوئی، اور فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین الحدیث سنت قولی ہے، اصول حدیث کے مطابق سنت قولی کو سنت فعلی پر ترجیح حاصل ہے، پھر بھی اہل حدیث حضرات کیلئے بیس رکعت تراویح پڑھنا لازم ہے۔ اگر وہ اہل سنت و جماعت ہیں تو انہیں اس پر عمل کرنا چاہیے۔

نوٹ: اہل سنت و جماعت کا جاہل سے جاہل شخص بھی اللہ تعالیٰ کو قادر مطلق اشیاء کے حرام، حلال کرنے والا اللہ وحدہ لاشریک کو جانتا، مانتا اور اس پر عقیدہ رکھتا ہے، نبی کریم ﷺ کو

اللہ تعالیٰ نے حلال وحرام بتانے اور کرنے کا اختیار دے رکھا تھا، مسئلہ مختار کل میں اس پر ثبوت ہو چکا ہے، اعادہ کرنا عبث اور ضیاع وقت ہے، آپ ﷺ کے علاوہ کسی صحابی ؓ، ولی، گدی نشین کو اختیار حاصل نہیں۔

مؤلف نے غلط الزام تراشی کی ہے، ص ۷۰ پر جو بے ہودہ کفریہ شعر تحریر کیا

ہے یہ بھی مؤلف کی اپنی اختراع ہے اہل سنت وجماعت ایسا عقیدہ رکھنے والے شخص اور ایسا بے ہودہ کفریہ شعر کہنے والے کو کافر مطلق واجب القتل قرار دیتے ہیں، اور نقل کرنے والے مؤلف کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعائے ہدایت مانگتے ہیں، کیونکہ مؤلف نے بغیر ثبوت کے یہ کفریہ شعر اہل سنت وجماعت کے سر تھونپا ہے،، مؤلف نے کتابچہ کے ص ۷۰ پر تحریر کیا تمام خزانوں کا مالک ومتصرف صرف اور صرف اللہ ہے،، اور اسکی تائید اور توثیق میں یہ آیہ کریمہ بھی نقل کی: ”الم تعلم ان اللہ له ملک السموت والارض ومالکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر،،

ترجمہ: کیا تو نہیں جانتا بلاشبہ خدا تعالیٰ کیلئے ہے ملک اور اختیار آسمانوں اور زمینوں کا اور تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی کارساز اور مددگار نہیں،

اقول: قرآن حکیم کے ہر حرف، بلکہ ہر زیر زبر پر ایمان ہے کہ وہ منزل من اللہ ہے اسمیں کوئی شک نہیں کہ زمین وآسمان کی ہر شی کا مالک حقیقی اللہ ہے کیونکہ وہی ہر شی کا خالق ہے، یہاں اس بات کا ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ قرآن حکیم تبیانا لکل شئی ہے، ہر حکم کی تفصیل، اور لفظ کا معنی اور مراد خود قرآن نے بیان فرمایا ہے قرآن نے فرمایا:

”هو الذی خلق لکم مافی الارض جمیعا“

ترجمہ: اللہ وہی ہے جس نے زمین میں سب کچھ تمھارے نفع اور فائدے کیلئے پیدا کیا ہے

یعنی کائنات ارضی کی ہر اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے فائدے اور منفعت کیلئے پیدا فرمائی ہے، فائدہ کیلئے ملکیت اور حق تصرف کا ہونا لازمی اور بنیادی شرط ہے، ان کے بغیر انتفاع ناممکن ہے، امام رازی نے لکم کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: ”فهو یدل علی ان المذکور بعد ما خلق لا جل انتفاعها فی الدین والدنیا، اما فی الدنیا فلنصلح ابداننا لنتقوی به علی الطاعات واما فی الدین فللا ستدلال بهذه الاشیاء والاعتبار بها وجمع بقوله مافی الارض جمیعا، جمیع المنافع، فمنها ما یتصل بالحیوان، والنبات، والمعادن، والجبال ومنها ما یتصل بضروب الحرف والامور التی استنبطها العقلاء بین تعالی ان کل ذالک انما خلقها کی ینتفع بها“ (کبیر. ج. ۲. ص ۱۵۳)

ترجمہ: لکم، کا خلق ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ زمین کی ہر شی کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ تم دنیاوی اور دینی معاملات میں ان سے نفع حاصل کرو اور ان اشیاء سے توحید باری تعالیٰ پر استدلال کرو اور ان پر اعتبار کرو، ان تمام فوائد اور منافع کو مافی الارض میں جمع فرمایا گیا ہے ان میں بعض منافع ہیں جن کا تعلق، حیوانات، نباتات، معادن یعنی معدنیات اور پہاڑوں سے ہے، اور کچھ کا تعلق صنعت وحرفت سے ہے، اور ان امور سے ہے، جو ارباب عقول نے استنباط کئے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تمام چیزیں اس لئے پیدا کی گئی ہیں تا کہ تم ان سے نفع حاصل کرو اور مذکورہ بالا اشیاء سے نفع کا حصول اس وقت تک ممکن نہیں جب تک انسان ان اشیاء کا مالک نہ ہو اور ان میں تصرف کا حق نہ رکھتا ہو۔ دنیا میں موجود جتنی اشیاء ہیں جانور ہوں، زمینیں اور باغات وسبزیات، معدنیات ہوں یا سونے اور چاندی والے پہاڑ یا پتھر ہر شخص کی خصوصی ملکیت ہیں اور اس کے تصرف میں ہیں، جن میں دوسرا کوئی شخص دعوی ملکیت کر سکتا ہے، بلکہ پوری روئے زمین، قوموں، اور مذہبی بنیادوں پر تقسیم ہے ہر قوم

کی اپنی حکومت اپنی ملکیت اپنا مذہب اور اپنا سکہ رائج ہے ہر ملک اپنے خطہ کی حفاظت کیلئے فوج اور ہتھیار رکھتا ہے اندرون ملک مداخلت، اور سرحدی بدامنی پر جنگ کی آگ بھڑک اٹھتی ہے، اگر کوئی شخص دوسرے کی ملکیت میں بے جامداخلت کرے، قبضہ کرے یا املاک میں چوری ڈکیتی کا ارتکاب کرے تو مقدمہ درج ہوتا ہے، تجاوز کرنے والے شخص کو مجرم قرار دیکر حد یا تعزیر کی سزا دیجاتی ہے، مالک شخص کی وفات کے بعد قرآن وسنت کی روشنی میں اس کا ترکہ ورثاء میں تقسیم کیا جاتا ہے، بحکم قرآن

"له مافی السمٰوات والارض، لِلّٰه مافی السموت وما فی الارض"

جب ہر چیز کا مالک اور مختار اللہ ہی ہے تو یہ تقسیم، حد بندی، انفرادی ملکیت، جزا، سزا کا اجراء یا تھ کاٹنا، درے لگانا رجم وغیرہ سزاؤں کا حکم اور اجراء کس چیز کی غمازی کرتا ہے؟ ماننا پڑیگا کہ کائنات ارضی کی ہر ہر شی کا مالک حقیقی اللہ وحدہ لاشریک ہے اسکی مرضی، اسکی عطاء اور اسکی تعلیم سے اسکی مخلوق مالک اور متصرف ہے، آیہ کریمہ جو مؤلف نے نقل کی ہے، اس میں ملک حقیقی کا ذکر ہے، اور خلق لکم مافی الارض جمیعا میں ملک عطائی اور ملک عارضی کا ذکر ہے اب کوئی منافاۃ رہی نہ تناقض،،

مؤلف نے فائدہ ص ۷۰ کے آخر میں لکھا کہ:

اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کارساز، اور مددگار نہیں۔

اقول: حسبنا الله ونعم الوکیل، نعم المولیٰ ونعم النصیر پر پورا اور مکمل ایمان ہے ،لیکن اس شان اور اس قدرت کا مالک خود ارشاد فرماتا ہے، یا ایها الذین امنو کونو انصار الله، (الصف۔۱۴) اے ایمان والو تم اللہ جو واحد کارساز اور واحد مددگار ہے، کے مددگار بنو، اللہ کا فرمان تمہارے لئے ایسا ہے، جس طرح

"اقال عیسی بن مریم للحواریین من انصاری الی الله" (ایضا)

اللہ واحد کارساز اور واحد مددگار ہو کہ اپنے مومن بندوں سے کیوں مدد طلب کر رہا ہے؟ میرا تم سے مدد کا کہنا ایسے ہی ہے جسطرح عیسی علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے مدد کیلئے کہا تھا؟ بے شک اللہ واحد کارساز اور واحد مددگار ہے، لیکن اس کے باوجود خود فرماتا ہے۔

"وان ستنصر ونکم فی الدین معلیکم النصر" (انفال۔۷۲)

کہ اگر دین کی اشاعت وتبلیغ میں مدد مانگیں تم پر واجب ہے کہ تم ان کی مدد کرو، واحد کارساز ،واحد مددگار مسلمانوں کو مسلمانوں کی مدد کرنے کا حکم دے رہا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے مددگار بننے کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی چنانچہ ان کو بھی نبی بنایا گیا، امام رازی نے فرمایا: والکلام فی حقیقة الملک واقدرة، آئیہ کریمہ میں حقیقی ملک اور حقیقی قدرت کا بیان ہے (کبیر: ج ۳، ص ۲۳۴)

ماننا پڑیگا کہ حقیقی کارساز، اور حقیقی مددگار وحدہ لاشریک ہے، اگر مخلوق، مخلوق کی مدد کریگی تو در حقیقت وہ بھی اللہ ہی کی مدد ہے، آیات بالا میں اللہ تعالیٰ نے خود مدد کا فرما کر یہ اعلان کیا ہے کہ جن اشخاص کو میں نے مدد دینے کے قابل بنایا ہے، اگر تم ان سے مدد مانگو اور وہ تمہاری مدد کریں تو یہ شرک نہیں ایاک نعبد وایاک نستیعن کے خلاف نہیں وہ میری ہی مدد ہے ،اور وہ مدد میری مرضی اور منشاء کے مطابق ہے،، امام رازی نے فرمایا: "وذالک لان ذالک الغیر لا یمکنه اعانتی الا اذااعنته علی تلک الاعانة"

(کبیر، ج، ۲ ص ۲۵۴)

ترجمہ: دوسرے شخص کا مدد کرنا ایاک نستیعن کے خلاف نہیں کیونکہ وہ اس وقت تک مدد کی طاقت نہیں رکھتا، جب تک اللہ اسکو مدد کی ہمت اور طاقت عطا نہ کرے خلاصہ یہ ہے کہ مخلوق کی مدد اللہ کی مدد ہے، شرک نہیں۔

مؤلف نے کتابچہ کے ص ۱۷ پر تحریر کیا کہ تصرفات کے اختیار میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شریک نہیں، اوراس پر آیہء کریمہ: "قل اللھم مالک الملک توتی الملک من تشآء وتنزع الملک ممن تشآء وتعز من تشآء وتذل من تشآء بیدک الخیر انک علی کل شیء قدیر،، نقل کی ہے۔

ترجمہ: کہہ دیجیے اے حبیب ﷺ اے اللہ تو مالک الملک ہے قادر ومختار ہے اور جسے چاہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہے ملک چھین لیتا ہے جسے چاہے عزت عطا کرتا ہے اور جسے چاہے ذلیل کرتا ہے، اور تیرے ہاتھ میں خیر ہے، بلاشبہ تو ہر چیز پر قادر اور مختار ہے۔

اقول: آیہء کریمہ میں ملک حقیقی، اور قدرت حقیقی کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ کے مختار حقیقی ہونے کا بیان ہے، آیہء کریمہ میں عزت وذلت دینے کی تفصیل ہے یعنی تمام اُمور اللہ کے دست قدرت میں ہیں، مخلوق نہ کسی کو عزت دے سکتی ہے نہ ذلت، وہ اپنی زمین پر جس کو چاہے حکومت اور فرمانروائی عطا کرتا ہے اور جس کو چاہے تخت شاہی سے اُتار کر پابند سلاسل کر دیتا ہے، اگر عزت وذلت مخلوق کے ہاتھ میں ہوتی، اور تخت شاہی کو سجانا مخلوق کے بس میں ہوتا تو طاقتور یہود ونصاری اور زور آور ہنود دہریہ مسلمان ممالک پر قابض وحاکم ہوتے، اور کلمہ گو مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹادیتے، پوری دنیا میں یہود وانصاری ہندویت اور دہریت کو عددی اور مادی اعتبار سے عزت حاصل ہے، ہر جگہ مسلمان، زبوں حالی اور ذلت سے دوچار ہیں، مسلمانوں کی معاش اور معاشرت پر یہود وانصاری کا قبضہ ہے، اسلامی ممالک کی داخلی اور اقتصادی پالیسیاں یہود ونصاری کے ایوانوں میں طے پاتی ہیں، جبکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے، "العزۃ اللہ ولرسولہ وللمومنین،،

ترجمہ: عزت صرف اللہ، اللہ کے رسول ﷺ اور مومنین کیلئے ہے، قرآن نے یہود انصاری

کے متعلق فرمایا: "غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین" دوسری جگہ فرمایا: "ضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ"

معلوم ہوا کہ یہود ونصاری ہوں یا ہنود دہریہ، مغضوب اور ضال ہیں، ذلت وخواری سے ہمکنار ہیں، لیکن رب رحمٰن، اور رب رحیم نے دنیاوی لحاظ سے ان کو بھی ایک گونہ عزت دے رکھی ہے، اور مسلمانوں کو دین، دنیا اور اُخروی عزت دی گئی ہے، اگر کوئی طاقتور، صاحب منصب اور صاحب اختیار شخص کسی جمہوری، پارلیمانی، عوامی حکومت کا تختہ الٹ کر اقتدار پر قابض ہو جائے، اور جھوٹی عزت حاصل کر کے سیاہ وسفید کا مالک بن جائے، جس طرح بدقسمتی سے ملک پاکستان میں ہوتا چلا آیا ہے، پوری پاکستانی قوم، بلکہ پوری دنیا اسکی مذمت کرتی آئی ہے، کیا یہ اختیار تصرف اللہ تعالیٰ کا ہے، یا اسکی مخلوق کا؟ اگر اللہ کا تھا تو اس کے خلاف نفرت، واویلا، اور اسکی مذمت اور بالا عدالتوں سے اس کے خلاف رجوع کیوں؟ اگر یہ غلط اقدام مخلوق کے اختیار وتصرف کا کرشمہ ہے تو پھر "وتعز من تشآء وتذل من تشآء" کا مقصد؟ تسلیم کرنا پڑے گا کہ محولہ بالا آیہ کریمہ میں حقیقی بادشاہی اور حقیقی بادشاہ اور حقیقی تصرف کا ذکر ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو ہی حاصل ہے،،

مؤلف نے کتابچہ کے ص ۱۷ پر تحریر کیا "رسول ﷺ کا اعلان کہ میں نفع، نقصان کا مالک نہیں" اس پر یہ آیت بھی نقل کی: "قل انما ادعوا ربی ولا اشرک بہ احدا قل انی لا املک لکم ضرا ولا رشدا"

ترجمہ: کہہ دیجیے اے میرے محبوب ﷺ کہ میں تو صرف اپنے پالنے والے کو پکارتا ہوں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا، اور یہ بھی کہہ دیجیے کہ میں تمہارے نفع ونقصان کا مالک ومختار نہیں ہوں،

اقول:۔ ہر مسلمان کا یہی ایمان اور یہی عقیدہ ہے، مگر مؤلف نے غلط نظریہ رکھتے ہوئے بطور دلیل اس عقیدہ پر اہل سنت و جماعت پیران پیر عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کو نفع ونقصان کا مالک اور مختار سمجھتے ہیں، نقل کی ہے، آیہ کریمہ روح ایمان ہے مگر مؤلف کا نظریہ غلط خلاف حقائق اور الزام تراشی اور خود ساختہ ہے، جو قابل مذمت اور لائق تردید ہے،

اہل سنت و جماعت ہر قسم کے نفع ونقصان کا خالق ومالک اللہ وحدہ لاشریک کو مانتے ہیں۔اس کے سوا مخلوق کی جانب سے جو نفع ونقصان ہوتا ہے، وہ بھی اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے، بندہ محض ایک ذریعہ اور سبب بنتا ہے، نبی کریم ﷺ ذاتی طور پر نہ نفع ونقصان کے مالک ہیں، نہ خالق، بلکہ ایک موثر اور دیرپا ذریعہ اور سبب ہیں، خواہ نفع ونقصان دنیاوی ہو یا اخروی ،آپ ﷺ کی ذات نزول رحمت اور بخشش اور دفع عذاب کا ذریعہ ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ما كان الله ليعذ بهم وانت فيهم وما ارسلنا ك الا رحمة للعالمين ، وانک لتهدی الی صراط مستقيم ،و جئنابک علی هؤلآء شهيدا" انا ارسلناک شاهد او مبشر ونذيرا و داعياالی الله يا ذنه وسراجا منير"

صراط مستقیم پر چلنا نفع ہے، گمراہی ،نقصان ہے، حصول جنت نفع ہے، دخول جہنم نقصان ہے، آپ ﷺ کا کام نفع ونقصان کا بتانا ،نفع کے ذرائع اور نقصان کے اسباب کا بیان کرنا آپ ﷺ کی شان نبوت اور آن رسالت ہے نفع ونقصان کا مالک ہونا آپ ﷺ کے منصب کا حصہ یا منصب کو لازم نہیں، آپ ﷺ کا کام صرف ان کی تبلیغ کرنا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے، ماعليک الاالبلاغ ،ماعلی الرسول ﷺ الا البلاغ

يا ايها الرسول بلغ ما انزل اليک مؤلف جابجا غلط نظریہ رکھ کر غلط عقیدہ کو اہلسنت وجماعت کی طرف منسوب کرتے آئے ہیں، خوف خدا نام کی کوئی چیز ان کے پاس سے نہیں گزری، ہم اہل سنت وجماعت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی نفع ونقصان کا خالق اور حقیقی مالک نہیں سمجھتے،، بہتان لگانے والوں کو اللہ عقل ودانش عطا فرمائے"۔مؤلف نے کتابچہ کے ص ۷ پر لکھا کہ تمام خزانوں کا مالک ومتصرف صرف اور صرف اللہ ہے، سورۃ النازعات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔فالمدبرات امرا، ترجمہ:۔کام کی تدبیر کرنے والوں کی قسم" امام رازی نے اس آیت کے تحت فرمایا: فا جمعو ا علی انهم الملا ئكة" ترجمہ:۔تمام علمائے مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں، اور کون، سے فرشتے؟

قال مقاتل ،يعنی جبريل علیہ السلام وميكائيل علیہ السلام ،واسرافيل علیہ السلام ،عزرائيل علیہ السلام يد برون امر اللهتعالى فی اهل الارض ،وهم المقسمات امرا ،فاما جبريل علیہ السلام فو كل با الرياح والجنو د ،واما ميكا ئيل علیہ السلام فو كل بالقطر والنبات ،واما ملک الموت فو كل بقبض الانفس واما اسرافيل علیہ السلام فهو ينزيل با الا مر عليهم ،وقوم منهم موكلون بحفظ بنی آدم وقوم اخرون بكتا بة اعمالهم ،وقوم آخرون با لخسف والمسخ والريا ح والسحاب والا مطار"

(کبیر۔جز۔۳۱۔ص۲۸)

ترجمہ:۔حضرت مقاتل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فالمد برات امرا سے مراد جبریل علیہ السلام، میکائیل علیہ السلام، اسرافیل علیہ السلام، اور عزرائیل علیہ السلام ہیں، جو دنیا والوں میں احکامات خداوندی کی تدبیر کرتے ہیں، مقسمات امرا بھی یہی فرشتے ہیں، جبریل علیہ السلام ہواؤں اور لشکروں کے امور کی تشکیل پر مامور ہیں، میکائیل علیہ السلام بارشوں اور نباتات کے امور پر مامور ہیں، عزرائیل علیہ السلام انسانوں کی ارواح قبض کرنے پر مامور ہیں، اور اسرافیل علیہ السلام ان ملائکہ پر احکامات جاری کرتے ہیں، انہی میں سے فرشتوں کی ایک جماعت ایسی ہے جو بنی نوع انسان کی حفاظت پر مامور ہے، اور ایک جماعت ایسی ہے، جو انسانوں کے اعمال درج کرنے پر مامور ہے اور ایک جماعت ایسی ہے جو زمین کی توڑ پھوڑ یعنی زلزلے ،صورت دنیا کی تبدیلی ،ہواؤں کے چلانے

، بادلوں کے لانے اور بارشیں فرسانے پر مامور ہے، مؤلف نے جو آئیت مذکورۃ الصدر عنوان کی تائید میں نقل کی ہے، اگر اس آئیت اور ان آیات کا تقابل اور موازنہ کیا جائے تو تعارض لازم آتا ہے لیکن کلام الٰہی کا معجزہ یہ ہے کہ اس میں تعارض اور تناقض نہیں، سورۃ بقرہ کی آئیت:

الم تعلم ان اللہ لہ ملک السموٰت والارض وما لکم من ولی ولا نصیر

(بقرہ۔۱۰۷) سے مؤلف نے جو عندیہ اور عقیدہ قائم کیا ہے وہ غلط ہے، کیونکہ مؤلف کے عنوان پر عمل کرنے سے سورۃ نازعات، سورۃ ذاریات کی آیات کا انکار لازم آتا ہے، ان سورتوں اور ان کی آیات میں خود اللہ تعالیٰ نے کائنات میں تصرف کرنے والے فرشتوں کی قسم کھائی ہے، اگر یہ فرشتے ہیں ہی نہیں، یا ہیں مگر تصرف نہیں کرتے، اسرافیل علیہ السلام تصرف کرنے کا حکم نہیں دیتے، یا حکم دینے کے مجاز ہیں نہ تصرف کرنے کے تو اللہ نے **والمدبرات امرا** کیوں فرمایا؟ اور پھر مخصوص الفاظ جو انکے تصرف کی واضح دلیل ہیں ذکر فرما کر اس حوالے سے ان کی قسم کیوں اٹھائی'' آیات قرآنیہ، حدیث مقاتل رحمہ اللہ اور امام رازی رحمہ اللہ کی تفسیر سے ثابت ہوا کہ مؤلف نے سرخی جما کر جو اپنا عندیہ اور عقیدہ پیش کیا وہ غلط ہے۔ مؤلف نے غلط مفہوم پیش کرنے کے جنوں میں، تفسیر و حدیث تو درکنار آیات کے درمیان پیدا ہونے والے تعارض کو بھی نہیں دیکھا تعارض دور کرتا تو دور کی بات ہے''۔ جہاں تک خزانوں کے مالک ہونے کا تعلق ہے بے شک ان کا خالق اور مالک حقیقی اللہ وحدہ لاشریک ہے اور متصرف حقیقی بھی وہی ہے، لیکن اس کا یہ مقصد نہیں کہ وہ کسی کو مالک بناتا ہے نہ تصرف کا اختیار دیتا ہے، مؤلف نے اپنا عندیہ اور عقیدہ پیش کیا ہے، ورنہ حقائق اور دلائل اس کی تائید نہیں کرتے، حضور ﷺ نے فرمایا:۔ **بعثت بجوامع الکلم، ونصرت بالرعب، وبینا انا نائم رائیتنی اء تیت بمفا تیح خزائن الارض فو ضعت فی یدی**

(متفق علیہ مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین صلوٰت اللہ وسلامہ علیہ)

ترجمہ: مجھے جوامع الکلم دیکر مبعوث فرمایا گیا ہے، رعب سے میری نصرت کی گئی ہے، میں اسی دوران سویا ہوا تھا، کہ میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ مجھے روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئی ہیں، اور میں نے اپنے ہاتھوں میں لی ہوئی ہیں۔'

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اسکے تحت نقل کیا کہ:۔

فی النہایۃ اراد ماسہل اللہ لہ ولامۃ من افتتاح البلاد المتعددات واستخراج الکنوز المتنوعات:،

نہایہ میں ہے کہ آپ ﷺ کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کی امت کو متعدد شہر فتح کرنے، اور ہر قسم کے خزانوں کو نکالنے کی سہولت عطا فرمائی ہے،

"اوالمراد منہ معادن الارض التی فیہا الذہب والفض وسائر الفلزات"

(مرقاۃ۔جلد۔۱۱۔۵۰)

ترجمہ:۔ یا آپ ﷺ کے فرمان سے فرمادیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کی امت کو روئے زمین کی تمام معدنیات، سونا، چاندی اور دیگر مائع وغیرہ دے دیئے ہیں، یعنی ان معدنیات کو خزانوں سے تعبیر فرمایا، ان کے ملک اور تصرف کو چابیاں لینے اور دینے سے تعبیر فرمایا:۔ اس وقت اگر طائرانہ نظر ڈالی جائے تو واضح ہوجاتا ہے کہ سونا، چاندی اور دیگر قیمتی دھاتوں، بلکہ سیال سونا کے حامل ملک مسلمانوں کے زیر قبضہ اور زیر تصرف ہیں، سونا، چاندی اور تیل پیدا کرنے والے ممالک مسلمان اور عرب ہیں۔ تیل اس وقت پوری دنیا کی معشیت کی ریڑھ کی ہڈی ہے، مائع گیس حیات انسانی کی آخری سانس ہے، روس سے آزاد ہونے والی ریاستیں اس گیس سے، مالا مال ہیں، یہ گیس اتنی وسیع مقدار میں معلوم کی گئی ہے کہ پوری دنیا برسوں تک اس سے استفادہ کر سکتی ہے، دنیا کے چھ بڑے ممالک اس گیس سے استفادہ کرنے کیلئے ایک معاہدہ کے تحت کام کر رہے ہیں، بحمد اللہ پاکستان بھی ان

انعامات سے بہرہ ور ہے، یہ تمام خزانے اللہ تعالیٰ کے ہیں لیکن ان میں تصرف اور ملکیت کا حق اپنی ممالک کو ہے، جن میں یہ پائے جاتے ہیں، عراق اور کویت کی یہودی اور نصرانی جنگیں ملک اور تصرف کی تبدیلی کیلئے لڑی گئیں، عراق، کویت پر امریکہ، برطانیہ کا قبضہ ہے، تیل اور دیگر معدنیات پر بھی ان کا ہی قبضہ اور تصرف ہے، یہود و نصاریٰ کے اس جابرانہ، ظالمانہ، اور غاصبانہ قبضہ اور تصرف کو ملک خداوندی اور تصرف باری تعالیٰ کہنا جائز اور ممکن ہے؟ اس غیر اخلاقی، غیر قانونی اور غاصبانہ قبضہ اور تصرف کے قیام اور بقاء کیلئے لاکھوں انسانوں کو بھونا گیا، لاکھوں خواتین کی عصمت اور عفت لوٹی گئی، لاکھوں بچوں کو گولی کا نشانہ بنایا گیا۔ رچے، بسے شہروں کو بارود کا ڈھیر بنا دیا گیا اور بالآخر یہود و نصاریٰ ایک قدیم علمی، روحانی، ملک کے مالک اور متصرف ہو گئے، یہ ملک **الم تعلم له ملک السمٰوٰت والارض الآیه** کی تعبیر تشریح ہے یا نقیض؟ تعبیر اور تشریح تو ہو نہیں سکتی بلاشبہ یہ نقیض ہے، نقیض ہے تو آیۂ مقدسہ میں **له ملک السمٰوٰت والارض** کا معنی کیا ہے؟ ماننا پڑیگا کہ آیۂ مقدسہ میں حقیقی ملک اور حقیقی قدرت کا ذکر ہے، دنیا میں پائے جانے والے ملک اور قدرت کے نمونے اور واقعات اللہ تعالیٰ کی عطا اور رضاء اسکی مہربانی ہے، وہ چاہے تو اپنے دشمنوں کو بھی وسیع وعریض ملک اور طاقت عطا فرما دے''، بہرحال مؤلف نے جس عندیہ اور جس عقیدہ کو ثابت کرنے کیلئے آیۂ کریمہ کا سہارا لیا ہے، وہ ثابت نہیں ہوا۔

مؤلف نے کتاب کے ۱۰۶ پر لکھا کہ:۔ رسول ﷺ کا اعلان کہ میں نفع، نقصان کا مالک نہیں، اس سرخی اور عنوان کے تحت آیۂ کریمہ **قل انما ادعوا ربی ولا اشرک به احدا قل انی لا املک کم ضرا ولا رشدا:۔** بھی نقل کی

ترجمہ:۔ کہہ دیجیے اے میرے محبوب ﷺ کہ میں تو صرف اپنے پالنے والے کو پکارتا ہوں، اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اور یہ بھی کہہ دیجیے کہ میں تمہارے نفع، نقصان کا مالک ومختار نہیں ہوں، فائدہ کے تحت لکھا کہ جب سرور کائنات ﷺ کو کسی کے نفع ونقصان کا اختیار تو پیران پیر صاحب اور دوسروں کو کیونکہ ہو سکتا ہے؟

اقول:۔ اسی عنوان اسی مفہوم، اور اسی مضمون پر مبنی آئیت سورہ اعراف آیت ۱۸۸۔ سورہ یونس آئیت نمبر ۴۹۔ میں بھی آئی ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے، کہ آپ ﷺ کہہ دیں کہ میں اپنی ذات کیلئے بھی کسی نفع اور نقصان کا مالک نہیں الا ماشاء اللہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''ای انا لا ادعی علم الغیب، ان انا نذیر وبشیر، ونظیرہ قوله تعالیٰ فی سورۃ یونس ویقولون متی هذا الوعد ان کنتم صادقین، قل لا املک لنفسی ضرا ولا نفعا الا ماشاء الله''

ترجمہ:۔ آیۂ کریمہ کا معنی یہ ہے کہ میں علم غیب کا دعویٰ نہیں کرتا، میں صرف نذیر اور بشیر ہوں، اسکی مثال سورہ یونس میں بھی موجود ہے کہ کفار کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو قیامت آنے کا وعدہ کب پورا ہوگا؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب آپ ﷺ کہہ دیں میں اپنی ذات کیلئے نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں، الا ماشاء اللہ!،،

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے شان نزول کے ضمن میں فرمایا:۔ حضور ﷺ جب غزوہ نبی المصطلق سے واپس تشریف لائے تو راستہ میں ایک بدبودار ہوا چلی جسکی وجہ سے جانور، سواریاں بھی تتر بتر ہو گئیں، اور اسکی وجہ بتاتے ہوئے رسول ﷺ نے فرمایا:۔

رفاعہ منافق مدینہ میں فوت ہو گیا ہے یہ بدبو دار اسکی موت پر چلی ہے اس پر منافقین کو غیظ وغضب نے آلیا، چونکہ سواری کے جانور بھاگ گئے تھے، حضور ﷺ نے فرمایا:۔ میری اونٹنی کہاں ہے؟ عبداللہ بن ابی منافق نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ کیا تمہیں تعجب نہیں ہوا کہ محمد ﷺ رفاعہ کے مدینہ میں مرنے کی خبر دے رہے ہیں مگر ان کو اپنی اونٹنی کا پتہ نہیں؟ اس پر رسول ﷺ نے فرمایا:۔ منافق لوگ ایسی باتیں کر رہے ہیں میری اونٹنی اس گھاٹی میں ہے اور

اسکی نکیل ایک درخت کے ساتھ اٹکی ہوئی ہے، صحابہ ﷺ گئے اور اونٹنی کو اسی جگہ اور اسی حالت میں پایا جس کا ذکر رسول ﷺ نے فرمایا تھا، اور پھر یہ آئیہ کریمہ **قل لا املک لنفسی ضرا و لا نفعا الاماشآء اللہ** نازل ہوئی (کبیر، جز،۱۵،۸۳)

امام رازی رحمہ اللہ نے مزید فرمایا، **اعلم ان القوم لما طالبو ہ بالا خبار عن الغیوب وطالبو ہ با عطاء الا موال الکثیرہ، والد ولۃ العظیمۃ ذکر ان قدرتہ قا صرۃ وعلمہ قلیل وبین ان کل من کان عبد اکان کذالک، والقدرۃ الکاملۃ والعلم المحیط لیسا الا للّٰہ تعالیٰ فالعبد کیف یحصل لہ ہذہ القدرۃ وھذا العلم** (کبیر، الضا)

ترجمہ:۔ اے مخاطب تجھے علم ہونا چاہیے کہ جب کفار نے آپ ﷺ سے علم غیب کی خبریں دینے، اموال کثیرہ اور بے شمار دولت کا مطالبہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا، میری اتنی طاقت، اور میرا علم اتنا نہیں، پھر واضح فرمایا کہ جو بھی بندہ ہے اس کا حال ایسا ہی ہے، قدرت کاملہ اور علم محیط اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں، یہ قدرت کاملہ اور علم محیط ایک بندے کو کس طرح حاصل ہوسکتا ہے؟ امام رازی رحمہ اللہ نے مزید فرمایا:

"**المراد لااملک لنفسی من الضرر وامنفع الاقدر ماشآء اللہ ان یقدرنی علیہ ویمکننی منہ، والمقصود من ھذاالکلام بیان انہ لا یقدر علی شیء الا اذا اقدرہ اللہ علیہ**" (کبیر، جز،۱۵،۸۴)

ترجمہ: آیہ میں مراد یہ ہے کہ میں اپنی ذات کیلئے نفع اور نقصان کا اتنا ہی مالک ہوں جتنی اللہ تعالیٰ نے مجھے قدرت دی ہوئی ہے، اور اس کلام کا مقصد یہ ہے کہ میں نفع اور نقصان کا مالک اسی وقت ہوتا ہوں جس وقت اللہ تعالیٰ مجھے طاقت اور قدرت عطا کرتا ہے"۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ ہر سہ آیات کا مضمون، مفہوم، اور عنوان ایک ہی ہے، مؤلف کی نقل کردہ

آئیت کے پہلے حصہ میں اعلان عبادت ہے کہ بندہ ہوں، اور قدرت کاملہ اور علم محیط کا حامل نہیں ہوسکتا، میں علم غیب کا دعوی نہیں کرتا، کہ تمھیں غیب کی خبریں بتاؤں، میں تو صرف نذیر اور بشیر ہوں، میں اپنی اور تمہاری ذات کیلئے اتنے ہی نفع اور نقصان کا مالک ہوں جتنے نفع ونقصان کی اللہ تعالیٰ مجھے علم، قدرت اور طاقت دیتا ہے، اس میں قدرت کاملہ، علم محیط، اور حقیقی نفع ونقصان کا مالک ہونے کی نفی ہے ان امور کے عطائی ہونے کی نفی نہیں جیسا کہ مؤلف نے سمجھ رکھا ہے"، سید محمد آلوسی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا:۔ کہ:۔ **وقال المعنی لااقدر علی شئ من الضر والنفع، الا ماشآء اللّٰہ تعالیٰ ان اقدر علیہ منھما، فانی اقدر علیہ بمشیتہ سبحانہ'**

ترجمہ: اسلاف میں سے بعض نے یہ فرمایا ہے کہ:۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ میں نفع ونقصان کا اسقدر ہی مالک ہوں جس قدر اللہ تعالیٰ نے مجھے طاقت اور قدرت دے رکھی ہے، مزید نقل کیا کہ:۔ **من اللعبد قدرۃ موثرۃ باذن اللّٰہ تعالیٰ لا انہ لیس لہ قدرۃ اصلا، کما یقولہ لجبر یہ، ولا ان لہ ان شاء اللہ تعالیٰ وان لم یشآء کما ھو رأی المعتزلۃ**

(روح المعانی۔ جلد۶۔ جز۔۲۔ ص۱۳۰)

ترجمہ: بعض اسلاف نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے بندے کو ایک موثر قدرت حاصل ہے، ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو بالکل قدرت دی ہی نہیں، یہ جبریہ فرقہ کا مذہب ہے (یعنی ان کے نزدیک بندہ بے بس اور بے اختیار ہے، ایک چلتے پھرتے پتھر کی مانند ہے۔) اور ایسا بھی نہیں کہ قدرت تو حاصل ہے لیکن غیر موثر ہے، اور یہ اشاعرہ کے ہاں مشہور ہے، یعنی خود مختار نہیں) اور ایسا بھی نہیں کہ اللہ چاہے یا نہ چاہے اسکو قدرت موثرہ حاصل ہی نہیں یہ معتزلہ کا مذہب ہے" صاحب روح المعانی کی اس تفصیل کو ملاحظہ کرنے کے بعد صاف پتہ چلتا ہے کہ مؤلف نے فائدہ کے تحت جو کچھ تحریر کیا ہے، یہ معتزلہ یا جبریہ کا مذہب

اور عقیدہ ہے اہل سنت وجماعت کا نہیں، تفکر وتدبر''۔

امام رازی ؒ نے فرمایا، الا یمان نفع ، والکفر ضرّ:۔ ایمان نفع ہے اور کفر نقصان ہے آپ ﷺ اصل الایمان اور روح ایمان ہیں، قرآن ارشاد فرماتا ہے:۔

من یطع الرسول ﷺ فقد اطاع اللہ، امام رازی ؒ نے فرمایا:۔

ہو شطر الایمان بل ھی کالفصن می معرفۃ ذات اللہ و علمہ وقدرتہ ، حکمتہ ثم اذا حصلت معرفۃ البنوۃ فجینئذیستفاد منھا معرفۃ بقیۃ الصفات کا السمع والبصر والصفات الجیریۃ والوجدانیہ

ترجمہ:۔ رسول ﷺ کی اتباع جز وایمان ہے بلکہ آپ ﷺ کی اتباع اللہ تعالٰی کی معرفت کیلئے ایک جڑ کی مانند ہے موت کی معرفت کا حصول، ذات باری تعالٰی اسکے علم، قدرت، اور اسکی حکمت کی معرفت سے پہلے ضروری ہے، جب نبوت کی معرفت حاصل ہو جائے تو اس وقت اللہ تعالٰی کی بقیہ صفات ذاتیہ، سمع، بصرا، اور دیگر صفات جبریہ اور وجدانیۃ کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے''،

اگر رسول ﷺ کی ذات مقدسہ کسی نفع اور نقصان کی مالک نہیں تو وہ ذات ایمان کا جز کیسے بن گئی؟ جو ایمان نفع ہے، اللہ تعالٰی کی ذات وصفات کی معرفت نفع ہے، مگر یہ نفع معرفت نبوت ہونے پر موقوف ہے، معرفت خداوندی اور اسکی صفات ذاتیہ کا علم رکھنا واجب ہے، جب موقوف واجب ہے، تو لامحالہ موقوف علیہ بھی واجب ہوگا، کیونکہ موقوف علیہ سے موقوف تک رسائی، اور حصول ممکن ہے، نماز تک رسائی اور ادائیگی وضوء پر موقوف ہے، نماز عبادت، اور فرض ہے، لہذا وضو بھی عبادت ہے، اور اسکے ارکان کو فرض کا درجہ حاصل ہے، بالکل اسیطرح اللہ کی ذات وصفات کی معرفت ایمان ہے، مگر اس ایمان کی تکمیل نبی کریم ﷺ کی معرفت سے ہوتی ہے، ایمان نفع ہے، لیکن یہ نفع توحید ورسالت کی معرفت کا نام ہے، معلوم ہوا ذات

رسول ﷺ خود نفع ہے، کیونکہ بقول امام رازی ؒ معرفت رسول ﷺ ایمان کی جڑ اور اصل ہے، اگر اطاعت رسول ﷺ اطاعت خدا ہے تو ذات رسول ﷺ اصل نفع اور مالک نفع ونقصان کیوں نہیں؟ نفع کا مالک وہی ہو سکتا ہے جو نفع پہچانے کے قابل ہو، رسول ﷺ کو اللہ تعالٰی نے دینی، اخروی اور دیناوی نفع پہنچانے اور دینے کی طاقت دے رکھی ہے، قرآن ارشاد فرماتا ہے:۔ ووجدک عا ئلا فاغنیٰ ''فاما السائل فلا تنھر'' آپ ﷺ کو اللہ تعالٰی نے دنیا سے، دین، آخرت کی غنا، تونگری اور بے پناہ دولت عطا فرما رکھی ہے سائل کو اپنے دروازے سے خالی واپس نہ کرنا، صحابہ نے ٹوٹی ٹانگوں، دکھتی آنکھوں، سڑے گلے جسموں، تیرہ وتاریک رنگوں کا علاج حضور ﷺ سے کروایا، دوران جنگ تلواریں ٹوٹیں تو آپ ﷺ سے لکڑیوں کی تلواریں لیں آپ ﷺ نے ان کو مس فرما کر لوہے میں ڈھال دیا، دوران جنگ جنت کا وعدہ لیا، شہید ہوئے تو فرشتے اٹھا کر لیگئے۔ بھوک اور پیاس سے مجبور ہوئے تو تھوڑے کھانے، اور تھوڑے پانی کو مس کیا تو سینکڑوں شکم سیر ہوئے، کیا یہ ذات پاک کسی بھی نفع اور نقصان کی مالک نہیں۔۔، حضرت جعفر طیار ؓ کو فرشتوں کے ہمراہ اڑنے، جنت اور دنیا میں سیر کرنے کا شرف کس سے ملا؟ جنت میں بسیرا کہاں سے نصیب ہوا؟ اسلام سے، اور اسلام کس نے دیا، ذات رسول ﷺ نے، یہ تمام چیزیں اسلام، ایمان اور شہادت سے ملیں مگر یہ سب کچھ کس نے دیا؟ اللہ کے رسول ﷺ نے، جنہوں نے انہیں اسلام کے مدرسہ میں داخل فرمایا:۔ اور قرآن وحکمت کی تعلیم دی جس کے نتیجے میں یہ منافع کثیرہ حاصل ہوئے''،

قرآن نے آپ ﷺ کے مالک ہونے کا ذکر فرمایا:۔ انا اعطیناک الکوثر؛ امام رازی نے فرمایا۔ ای خیر الکثیر فی الدنیا والدین ،

ترجمہ:۔ آپ ﷺ کو دین اور دنیا میں خیر کثیر عطاء فرمایا'' پھر فرمایا:۔

ای لما اعطاک خالق السموٰت والارض خیرات الدنیا والاخرۃ (کبیر۔ جز۔۳۲۔۱۲۰)

ترجمہ:۔ زمینوں اور آسمانوں کے مالک نے آپ ﷺ کو دنیا اور آخرت کی خیرات کثیرہ عطا فرمائی ہیں۔ پھر فرمایا:۔ ان الا عطاء یو جب التملیک (کبیر۔ جز۔ ۳۲۔ ۱۲۳)۔

اعطاء تملیک کو واجب کرتا ہے، یعنی انا اعطینا ک الکوثر کا معنیٰ یہ ہے کہ دین و دنیا کی جتنی بھی خیرات کثیرہ ہیں ہم نے آپ ﷺ کو ان کا مالک بنانا ہے اور کب سے مالک بنایا ہے؟ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

یدل علی ان هذا الا عطاء کان حاملا فی الماضی (کبیر۔ ۳۲۔ ۱۲۲)

یعنی تملیک آپ ﷺ کو زمانہ ماضی میں ہی دی گئی ہے،'' ماضی قریب یا ماضی بعید کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔ انها اشارة الی ان حکم الله بالا سعاد و الاشقاءٔ والا غناء والا فقار لیس امرا یحدث بل کان حا صلا فی الازل (کبیر۔ ۳۲۔ ۱۲۲)

ترجمہ:۔ اعطیناک الکوثر صیغہ ماضی کے لانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ، نیک بختی، بدبختی، غنا، اور فقر کا حکم اور فیصلہ اب اللہ تعالیٰ نے نہیں کیا بلکہ یہ ازل کے فیصلہ جات ہیں، گویا اللہ تعالیٰ نے روز ازل سے ہی دینی دنیاوی خیرات کثیرہ کا فیصلہ آپ ﷺ کے حق میں کیا تھا، اور آپ ﷺ روز ازل سے خیرات کیوہ کے مالک چلے آرہے ہیں، پھر فرمایا:۔

ان من کان فی الزمان الماضی ابدا عزیز ا مرعی الجا نب مقتفی الحا جة اشرف ممن یصیر کذالک ''؛ (کبیر ایضا)

ترجمہ:۔ جو ذات پہلے ہو وہ ہمیشہ عزیز، توجہ کے لائق، اور ہر قسم کی ضرورت پوری کئے جانے کے قابل اور بعد میں آنے والے لوگوں سے افضل اور اعلیٰ ہوتی ہے، ولهذا قال علیه الصلوٰة والسلام کنت بنیا و آدم بین المآ ء و الطین (کبیر۔ ایضا)

یعنی رسول ﷺ کی ذات اقدس سب سے اول سب سے اشرف، اور سب سے اعلیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توجہ خاص اور عطاہائے ازلیہ کی اولین مرکز ہے، مخلوق کی تقادیر کا فیصلہ ازل میں ہوا

تھا، روز ازل سے ہی دین، دنیا، اور آخرت کی خیرات کثیرہ کا فیصلہ آپ ﷺ کے حق میں کیا جا کر آپ ﷺ کو مالک و مختار بنایا گیا تھا، پھر فرمایا:۔

کانه یعقول انا قد هیا نا اسباب سعد تک قبل دخولک فی الوجود فکیف نهمل امرک بعد وجو رک و اشتعالک با لعبو دیة (کبیر۔ ایضا)

ترجمہ:۔ گویا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ بے شک ہم نے اے محبوب ﷺ آپکی سعادت کے اسباب آپ ﷺ کی پیدائش سے پہلے ہی مہیا کر رکھے تھے، اب آپ ﷺ موجود، اور مصروف عبادت ہیں، کس طرح یہ اسباب نہ دئے جائیں خیرات کثیرہ کیا ہیں؟ امام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

الخیرات الکثیرة وهی الا سلام، والقرآن، والنبوة، والذکر الجمیل فی الدنیا والا خرة (کبیر ۳۲۔ ۱۲۳)

ترجمہ:۔ خیرات کثیرہ، اسلام، قرآن، نبوت، دنیا اور آخرت میں آپ ﷺ کا ذکر جمیل ہے، یہ تمام چیزیں ہدایت اور ایمان ہیں، جب حضور ﷺ کو یہ دی گئیں اور ان کا مالک و متصرف بنایا گیا، اور روز اول سے ہی دی گئیں تو یہ کہنا کہ آپ ﷺ نفع و نقصان کے مالک نہیں، سچ اور حق سے صرف نظر نہیں تو اور کیا ہے؟ حقیقت میں کائنات کا وجود اور رنگ آپ ﷺ کی ذات سے ہی فیض یافتہ ہے:۔ آدم علیہ السلام کی خلافت ہو یا نوح علیہ السلام کی نجابت، داؤد علیہ السلام کی قرأت ہو، یا ابراہیم علیہ السلام کی خلت، موسیٰ علیہ السلام کی کلیمی ہو، یا عیسیٰ علیہ السلام کی مسحائی یا اسماعیل علیہ السلام کی ذبحائی، آسمانوں کی بلندی ہو یا زمینوں کی پستی، عرش کی عظمت ہو یا لامکان کی رفعت فرشتوں کی عصمت ہو یا حوروں کی عفت، غلمان کا نور ہو یا جنت کا سرور، سورج کی چمک ہو یا ستاروں کی دمک، کلیوں کی چٹک ہو یا نسیم سحر کی خنک، چاند کی ضوء فشانی ہو یا ابر نیساں کی روانی، سمندر کی گہرائی ہو یا موتیوں کی صفائی، پھولوں کی رعنائی ہو، یا شبنم کی گلشن آرائی، دلوں کی آشنائی، ہو یا ضرب الله اللهی بلکہ ساری خدائی آپ ﷺ کے وجود رحمت کا ہی فیض ہے،،

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے، دیدۂ کور کو کیا نظر آئے اور کیا دیکھے؟۔،۔

مؤلف نے کتابچہ کے ۲ے پر بیٹا، بیٹی دینے والا کون؟ کے نام سے عنوان قائم کیا اور دلیل یہ آیہ کریمہ نقل کی، لله ملک السمٰوٰت والارض یخلق مایشآء یھب لمن یشآء اناثا ویھب لمن یشآء الذکور ویجعل من یشآء عقیما انه علیم قدیر

ترجمہ: اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمان اور زمین کی، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطاء فرماتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے یا ان کو جمع کر دیتا ہے، بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے، بے شک وہ بڑا جاننے والا، بڑی قدرت والا ہے،

فائدہ کے ضمن میں لکھا کہ بیٹا، بیٹی، دنیا اللہ کا کام ہے، اس کا اختیار اللہ نے کسی اور کو نہیں دیا،

اقول:۔ بیٹا، بیٹی، دنیا یا نہ دنیا اللہ کا کام، اللہ کی قدرت اور اسی کا اختیار ہے،، کسی مسلمان کو اس میں شک ہے نہ شائبہ وہم،، لیکن سورۃ مریم میں فرمایا گیا:۔

فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشیرا سویا ،قالت انی اعوذ بالرحمن منک ان کنت رجلا تقیا قال انما انا رسول ربک لاھب لک غلاما زکیا ،،

(مریم۔۱۷۔تا۔۱۹)

ترجمہ: پھر ہم نے مریم علیہا السلام کے پاس اپنی روح یعنی جبریل علیہ السلام کو بھجا، پس وہ ایک مکمل انسان کی صورت میں مریم علیہا السلام کے سامنے آئے، وہ کہنے لگیں میں تم سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں، اگر تو مرد متقی ہی کیوں نہ ہو، حضرت جبریل علیہ السلام خدا نہیں، خدا کی مخلوق اور رسول علیہ السلام ہیں، انہوں نے فرمایا: لاھب لک غلاما کیا، میں اللہ کا رسول علیہ السلام ہوں اور تیرے پاس اس لئے آیا ہوں تا کہ تجھے پاک صاف بچہ دوں،، مؤلف کی نقل کردہ آیت میں یھب ہے جس کا معنی ہے اللہ دیتا ہے اور اس آیت میں لاھب ہے یعنی میں دینے آیا ہوں، سورۃ

الشوریٰ جس کا حوالہ مؤلف نے دیا اس میں یھب ہے یعنی مضارع واحد غائب، اور سورۃ مریم میں اھب واحد متکلم ہے، فعل مضارع ایک اگرچہ اختلاف فاعل ہے، اور معنی بھی ایک ہے، آیت کا ظاہری معنی چھوڑ کر دور کی تاویل لانا درست نہیں، جبرائیل علیہ السلام کا یہ کہنا کہ تجھے بیٹا دینے آیا ہوں شرک نہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو کیوں؟ جبکہ سورہ شوریٰ میں صاف بتایا گیا ہے کہ بیٹی، بیٹا، اللہ ہی دیتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہے، ماننا پڑے گا کہ جبرائیل علیہ السلام نے مجازی طور پر بیٹا دینے کی نسبت اپنی طرف کی ہے، کیونکہ انہوں نے ہی مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونک ماری تھی، جیسا کہ امام رازی نے فرمایا:

''واما قوله لاھب لک غلاما ذکیا :ففی مجازه وجھان الاوّل اذالھبة لما جرت علی یده بانّ کان ھو الّذی نفخ فی جیبھا بامر اللہ تعالیٰ جعل نفسه کانه ھو الّذی وھب لھا،،

ترجمہ : حضرت جبرائیل علیہ السلام کا فرمان لاھب لک غلاما ذکیا، کہنے کی دو وجہیں ہیں فرمایا لاھب لک الآیة امام رازی نے فرمایا، دوسری وجہ یہ ہے کہ اگرچہ جبرائیل علیہ السلام خود ایک جسم ہیں اور تمام اجسام باہم تمام ماہیات میں مماثل ہیں۔ مگر

"فلما لا یجوز ان یقال ان اللہ تعالیٰ خصّ بعضھا بھذه القدرة دون البعض حتی انه یصحّ منھا ذالک ولا یصح ذالک من البشری لک" (کبیر، جز ۲۱، ص۱۹۸)

مگر یہ بھی جائز ہے، اجزائے انسانی کی ترکیب، عقل، زندگی اور بولنے کی قدرت، پیدا کرنے کی طاقت بشر کے علاوہ بعض نوری اجسام کو ہو اور بعض کو نہ ہو، اسلئے لاھب لک کہا ہو۔ امام رازی نے فرمایا: ابن عامر رضی اللہ عنہ اور نفع رضی اللہ عنہ کی قرأت میں لیھب بھی آیا ہے، ایسی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بحیثیت رسول تیرے پاس بھیجا ہے کہ میں تجھے بشارت دوں کہ وہ تجھے گناہوں سے پاک بیٹا عطا فرمائے گا لاھب کی صورت میں حقیقی طور پر بیٹا دینے

والا اللہ ہے، جبرائیل نے جو اپنی طرف بیٹا دینے کی بنسبت کی ہے یہ مجاز ہے، جبرائیل نے مریم کے گریبان میں پھونک ماری اور وہ ذریعہ اور سبب بنے، اسطرح حقیقت میں بیٹا اللہ ہی دیتا ہے، مگر اللہ کی بارگاہ میں دعا کر کے وسیلہ بنتا ہے، کوئی عاقل، ایماندار یہ نہیں کہتا کہ فلاں بزرگ یا فلاں ولی نے مجھے بیٹا دیا ہے، بلکہ ہر شخص یہی کہتا ہے، کہ بیٹا اللہ نے دیا ہے اور فلاں بزرگ نے اللہ کے حضور بیٹا دینے کی دعا کی ہے، مزار ولی پر جا کر ولی کی وساطت سے اللہ تعالیٰ سے کسی حاجت کو طلب کرنا جائز ہے شرک یا بدعت نہیں، امام ابن تیمیہ نے تحریر کیا ہے جب تستر فتح ہوا تو ہرمز بادشاہ کے مال خانہ میں تخت پر ایک نعش پائی گئی، اہل تستر محیط اور خشک سالی کے موقعہ پر اس نعش کو تخت سمیت باہر لاتے اور اس کے وسیلہ سے بارش طلب کرتے ، اللہ بارش برساتا، یہ نعش حضرت دانیال علیہ السلام کی تھی، قسطنطنیہ میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مزار بھی مرجع عوام وخواص تھا، مخلصاً۔ (اقتضاء الصراط المستقیم ص ۳۳۹)

حضرت زکریا علیہ السلام نے حجرہ مریم علیہا السلام میں جہاں وہ مریم علیہا السلام کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ، مریم کی کرامات دیکھ کر کہ یہاں غیر موسمی پھل اللہ ہی دے رہا ہے، اللہ تعالیٰ سے پاکیزہ اولاد کیلئے دعا کی، تو اللہ تعالیٰ نے دعا کو قبول فرمایا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام جیسا پیغمبر عطا فرمایا۔

(تفسیر کبیر ، زیر آیت نمبر ۳۸) ملاحظہ کریں۔

یہاں اختصار ملحوظ ہے، لیکن ولی کے آستانہ پر جانا اور اسکی وساطت سے اولاد کی خواہش کرنا اور اولاد مانگنا نبی کی سنت ہے شرک اور بدعت نہیں۔

اگر مقام متبرک، اور کرامات مریم علیہا السلام دعا کیلئے زکریا علیہ السلام کو برانگیختہ نہ کرتے تو وہ اس جگہ اور اس وقت دعا کیوں فرماتے؟ اس سے قبل دعا کی نہ بعد۔۔۔۔۔۔امام ابن تیمیہ نے نقل فرمایا: ’’اما نفس التوسل والتوجه الى الله وسواله بالاعمال الصالحة التى امرجها ، كدعا الثلاثة الذين آووالى النار باعمالهم الصالحة ، وبدعاء

الانبياء والصالحين وشفاعتهم فهذا ممالا نزاع فيه بل هو من الوسيلة التى امر الله بها فى قوله تعالى‘‘(۵: ۳۵) يا يها الذين امنو اتقو الله وابتغو اليه الوسيلة ، وقوله سبحانه ‘(۱۷، ۵۷)’اولئک الذين يدعون الى ربهم الوسيلة اقرب ويرجون رحمته ، ويخافون عذابه‘‘ (اقتضاء الصراط المستقیم ص ۴۱۰)

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کرنا، اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا اعمال صالحہ کی وساطت سے جن کا اللہ تعالیٰ نے خود حکم فرمایا ہے، جیسے غار میں پھنسنے والے تین اشخاص نے اپنے اپنے عمل صالح کی وساطت اور وسیلہ سے دعا مانگی تھی، انبیاء کرام، صالحین سے دعا کرانا، اور ان کی ۔۔۔ ش پیش کرنا کوئی اختلافی مسئلہ نہیں، بلکہ یہ جملہ امور وسیلہ ہیں، اور اللہ سے ڈرو، اور اللہ کیطرف وسیلہ پکڑو (۵۔۳۵) یہ لوگ ہیں جو اللہ کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں ان میں سے اللہ کے زیادہ قریب کون ہے؟ وہ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں، اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ امام ابن تیمیہ کی شخصیت غیر مقلدین، اہل حدیث کے نزدیک ایک حجت ہے، اور ان کا فرمان ان کیلئے حرف آخر ہے، امام ابن تیمیہ کے مذکورہ بالا قول کے مطابق حاجت برآری کیلئے اعمال صالحہ، انبیاء، صالحین کا وسیلہ پیش کرنا حکم الٰہی ہے جب حکم الٰہی ہے تو یہ شرک کیسا؟ اور کیوں ہے، پھر امام مذکور کے ہم نوا اور متبعین مسلمانوں کو اس امر الٰہی پر چلنے، اور روبعمل لانے سے روکتے اور منع کیوں کرتے ہیں؟

مؤلف نے کتابچہ کے ص ۳۷ پر موٹی سرخی جمائی کہ مخلوق بے بس ہے، اور اس کو ثابت کرنے کیلئے سورۃ حج کی آیت (۷۳) نقل کی: ’ یایها الناس ، ضرب مثل فاستمعوا له ، ان الذين تدعون من دون الله، لن يخلقو اذبابا ، ولو اجتمعوا له ، وان يسلبهم الذباب شياء لا يستنقدوه منه ضعف الطالب، والمطلوب‘‘

ترجمہ: اے لوگو ایک عجیب بات بیان کی جاتی ہے، اسکو کان لگا کر سنو، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جن کی تم لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، وہ ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتے، گو سب کے سب بھی کیوں نہ جمع ہو جائیں، اور پیدا کرنا تو بڑی بات ہے وہ ایسے عاجز ہیں کہ اگر ان سے مکھی کچھ چھین کر لے جائے اس کو تو اس چھڑا ہی نہیں سکتے، ایسا عابد بھی لچر ایسا معبود بھی لچر، فائدہ کے تحت لکھا کہ اس آیت نے تو فیصلہ ہی کر دیا کہ اختیارات سب کے سب اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں، دوسروں کو تو اتنا اختیار بھی نہیں کہ مکھی جیسی ناقص مخلوق کو پیدا کر دیں، پیدا کرنا تو درکنار مکھی کی چھینی ہوئی چیز بھی اس سے واپس نہیں کر سکتے، جو اتنے معمولی کام کی قدرت نہیں رکھتے وہ مختار کل کیسے بن سکتے ہیں، ہمارے بڑے بڑے کام کیسے کر سکیں گے۔

اقول: مؤلف کے عقل و دانش اور علم قرآن پر رونا اس لئے نہیں آتا، کہ اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ دشمنی اور بعض اولیاء میں یہ بلند پایہ، نورانی، عرفانی صلاحیات ان سے سلب کر لی ہیں، ایک سادہ ترجمہ جاننے والا آدمی بھی یہ جانتا ہے کہ یہ آیت بتوں، اور بتوں کے بچاریوں کی حماقت اور کمزوری میں نازل ہوئی ہے، کیونکہ مشرکین بتوں کو اللہ کی بارگاہ میں سفارشی اور وسیلہ کے طور پر پیش نہیں کرتے تھے، بلکہ معبود حقیقی، مستحق عبادت گردان کر ان کی عبادت کرتے اور تمام اختیارات اور تصرفات کا مالک سمجھ کر ان سے حاجات طلب کرتے تھے، اور وجود باری تعالیٰ کے منکر تھے، کیا اولیائے کرام کو ماننے والے مسلمان اولیاء کی عبادت کرتے ہیں؟ معبود حقیقی سمجھ کر ان کو سیاہ و سفید کا مالک جانتے ہیں؟ ان کو موت و حیات کا خالق مانتے ہیں؟ ان کے مزارات پر ان کا حق شرعی مان کر جاتے ہیں، اہل سنت و جماعت ان نظریات پر لعنت بھیجتے اور ایسا کرنے والے کو دائرہ ایمان سے خارج جانتے اور مانتے ہیں، اور ان مشرکانہ اور کفریہ عقائد کو اہل سنت و جماعت کی طرف منسوب کرنے والے کو دین سے دور اور بنظر حقارت دیکھتے ہیں۔

انبیائے کرام، صالحین، دعا کی قبولیت کا ایک ذریعہ، اور وسیلہ ہیں، قرآن مجید نے ان کو وسیلہ کہا اور ان کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے، امام ابن تیمیہ کا عقیدہ ان کی تالیف اقتضاء الصراط المستقیم سے پہلے نقل ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ کے خالق کل، مالک کل، مختار کل ہونے میں کس کو اختلاف یا انکار ہے؟ ایک مومن بھول کر بھی کہہ یا سوچ سکتا ہے۔

مؤلف اور ان کے پیشتروں نے مشرکین اور بتوں کی مذمت میں نازل ہونے والی آیات کو مومنین اور صالحین پر چسپاں کرتے وقت ذرہ بھر علمی سنجیدگی کا مظاہرہ کیا اور نہ خوف خدا کو مشعل راہ بنایا، کروڑوں، رحمتیں نازل ہوں ان اکابرین امت کے مزارات پر انوار پر جنہوں نے علمی تحقیقات، اور مسلمہ تفسیرات کے ایسے چراغ جلائے جن کی روشنی سے قیامت تک امت مسلمہ فیضیاب ہوتی رہے گی، انہوں نے حق و صداقت کے ایسے بلند مینار تعمیر کیے، باطل شعلہ سامان ہونے کے باوجود ان سے ٹکرا کر ہمیشہ پاش، پاش ہوتا رہا ہے، آیئے دیکھیں اس آیت کا مخاطب کون ہے، مکھی جیسی چھوٹی چیز چھین کر اڑے تو واپس کرنے کی طاقت کس کو نہیں؟ امام رازی نے فرمایا: ”فکانه سبحانه قال ان هذه الا صنام وان اجتمعت لن تقدر علی خلق ذبابة علی صنمها“ ضعف الطالب والمطلوب پر فرمایا: ”المراد منه الصنم والذباب، الصنم کا الطالب والذباب بمنزلة المطلوب، ان الطالب من عبد الصنم، والمطلوب نفس الصنم“ (کبیر ج ۲۳، ۲۸، ص ۶۹)

ترجمہ: گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا، بلا شبہ یہ بت سارے کے سارے اگر جمع ہو جائیں، مکھی جیسی کمزور شیء کو ہرگز پیدا نہیں کر سکیں گے، یعنی نہ اب اور نہ آئندہ، طالب سے مراد بت ہے جو انتہائی کمزور ہے، اور اس سے مراد مکھی بھی ہے، بت طالب کے قائم مقام اور مکھی مطلوب کے قائم مقام ہے، طالب وہ ہے جس نے بت، بتوں کی پوجا کی ہے، اور مطلوب صرف بت

ہے بت ہیں، حافظ ابن کثیرؒ نے فرمایا:

''ای لو اجتمع جمیع ماتعبدون من الاصنام والانداد علی ان یقدروا علی خلق ذباب واحد ما قدر واعلی ذالک'' (ابن کثیر جلد ۳، ص ۲۳۵)

ترجمہ: یعنی تمام وہ بت جنکی تم عبادت کرتے ہو، اکھٹے ہوکر ایک مکھی پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتے پھر فرمایا: ''قال ابن عباس الطالب الصنم والمطلوب الذباب ،واختاره ابن جریر هوظا هر السیاق'' (ابن کثیر ایضا)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ نے فرمایا: الطالب سے مراد بت ہیں اور المطلوب سے مراد لکھی ہے، سیاق کے حوالے سے امام ابن جریر نے اسی کو اختیار فرمایا ہے:

ان مستند اور بلند پایہ تفاسیر سے معلوم ہوا کہ مؤلف کی نقل کردہ آیت مشرکین اور بتوں کی مذمت اور بے بسی پر نازل ہوئی ہے، انسان بتوں کی طرح بے شعور، لاعلم، نابینا، بدوں حیات پتھر محض نہیں وہ سنتا، دیکھتا، عقل رکھتا اور صاحب دل ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیکھ، سن، اور سمجھ کر، کائنات ارضی اور سماوی میں غور وفکر کرنے کی تلقین کی اور دعوت دی ہے، زمین، آسمان، چاند، ستارے سورج، روشنی، دن، رات، بارش، ہوا، مشارق ومغارب کی پہنائیوں پر محیط سینہ ارض پر اُگی نباتات، اور باغات، پانی کے اُبلتے چشمے، بہتی نہروں اور دریاؤں کی بپھری موجیں، سمندر کا خوفناک منظر، اسکی سطح پر پہاڑوں ایسی کشتیاں اور جہاز، گھنے سایہ دار اشجار، گنگناتی ندیاں، اور گرتے آبشار، فلک بوس، غیر متناہی کوہسار، چمکتے اڑتے پھرتے پرندے اور جانور دلائل توحید ہیں اللہ تعالیٰ نے پوری زمین اور اسکے اوپر، اور اندر موجود خزانوں کا بندہ انسان کو مالک بنا کر افادہ اور استعفادہ کا کلی اختیار دے کر فرمایا کہ:

''لآیات لقوم یعقلون'' (۲۔۱۶۴)

پھر اپنے رسول ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا: ''قل هو الذی انشاء کم وجعل لکم السمع

والابصار والافئدة قلیلا ما تشکرون'' (ملک، ۲۳)

یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو دعوت فکر، دی اور فرمایا کہ تمہیں نظام کائنات کے ارتباط اور انضباط سے توحید باری تعالیٰ پر استدلال کرنا چاہیئے کہ یہ نظام، تمہارے دیکھنے سننے اور سمجھنے کے لائق ہے، بلکہ اگر تم اپنی پیدائش پر غور کرو کہ کس چیز سے ہوئی، اور کن کن مراحل، اور کیسے کیسے ادوار سے گزر کر شکل انسانی دنیا میں جلوہ گر ہوئی، اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ وحدت، علم محیط اور دیگر صفات ذاتیہ پر ایمان لانے کیلئے سب سے بڑی دلیل خود تمہارا اپنا عدم سے معرض وجود میں آنا ہے، غرضیکہ انسان مجبور، بے بس، نہیں جیسا کہ فرقہ جبریہ کا کہنا ہے۔

اور ''خلق لکم ما فی الارض جمیعا'' کے فرمان سے با اختیار بنایا ہے، اور جو انسان دنیا سے چلا گیا ہے، وہ بھی پتھر محض نہیں، اگرچہ کافر ہی کیوں نہ ہو؟ حضرت زید بن ثابت ؓ روایت کرتے ہیں کہ: ''بینما رسول ﷺ فی حائط لبنی النجار علی بغلة له ونحن معه ازحارت به فکادت تلقیه واذا اقبر ستة او خمسة من یعرف اصحاب هذا الا قبر ،قال رجل انا قال فمتی ماتوا قال فی الشرک فقال ان هذا الامة تبتلی فی قبورها فلو لا ان لا تدافنوا الدعوت الله ان یسمعکم من عذاب القبر الذی اسمع منه ، ''الحدیث رواه مسلم مشکوة باب اثبات عذاب القبر'' (۲۵)

ترجمہ: رسول ﷺ بنی نجار کے باغ میں اپنے خچر پر سوار تھے، اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے، اچانک پانچ یا چھ قبروں کا انکشاف ہوا۔ ان کی وجہ سے خچر بھدک گیا اور رسول ﷺ قریب تھا کہ گر پڑیں ،آپ ﷺ نے فرمایا ان قبور والوں کی نسبت کسی کو علم ہے کہ وہ کس دین پر مرے؟ ایک شخص بولا میں جانتا ہوں فرمایا یہ لوگ کب مرے؟ اس شخص نے جواب دیا کہ زمانہ شرک میں فرمایا، انکو قبروں میں عذاب ہو رہا ہے، تم ان کو دوبارہ دفن نہیں کرسکو گے، ورنہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا قبر کا عذاب جو میں سنتا ہوں اللہ تعالیٰ تمہیں بھی سناتا، رسول ﷺ

ایک ایسے مقام پر گذر ہوا جہاں یہودی اکٹھے ہوکر ایک یہودی عورت کی وفات پر رو رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: "

"انهم يبكون عليها وانها لتعذب فى قبرها (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ)

یہ اس یہودی عورت کو رو رہے ہیں، اور ان کے رونے سے اسکو قبر میں عذاب دیا جا رہا ہے،، ہر دو احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ کافر، یہودی نصرانی، اور فاسق و فاجر بھی قبر میں نیست و نابود ہوئے نہ محض پتھر کی مانند ہیں، چہ جائیکہ اولیائے کرام اور صلحائے عظام نیست و نابود ہو گئے ہوں یا بتوں کی طرح پتھروں کی مانند ہوں،، نہ سن سکیں، نہ جواب دیں، اور نہ پہچانیں، اور نہ فیوض و برکات سے نوازیں، ان کی قبور تو باغ ہائے جنت ہیں، عذاب کے گڑھے نہیں جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا مومن کی قبر جنت کی کیاریوں میں سے ہے، اور یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری زندگی توحید کے اقرار اور اتباع رسول ﷺ کے اظہار میں بسر ہوئی، قبر میں گئے تو فرشتوں نے توحید اور رسالت کی نسبت سوال کیا، تو " اشهد ان لا اله الا الله وان محمد عبده و رسوله" پڑھ کر جواب دیا جس پر ساٹھ یا ستر ہاتھ چوڑی اور لمبی، نور سے معمور قبر میں "نم كنوم العروس" کا اعزاز حاصل کیا (مشکوٰۃ) اولیائے کرام صلحائے عظام پتھر کی طرح فضول اور بیکار پڑے ہوئے نہیں وہ اپنی قبور میں زندہ ہیں، اور جنت کے باغیچہ میں سو رہے ہیں۔ اس عنوان پر تفصیلی بحث حضرت ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فیصلہ کے تحت پہلے ہو چکی ہے، یہاں مزید طوالت سے گریز کیا جاتا ہے۔

مؤلف نے کتابچہ کے ص ۵۷ پر بشریت رسول ﷺ کا عنوان قائم کیا، اور اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ کا ایک حوالہ نقل فرمایا کہ، اجماع اہل سنت ہے کہ بشر میں انبیاء کے سوا کوئی معصوم نہیں جو دوسرے کو معصوم جانے اہل سنت سے خارج ہے۔

فائدہ کے تحت کہا کہ اس میں تصریح نہیں کہ تمام انبیائے کرام بشر ہیں اور ایسے بشر ہیں ان سے گناہ صادر نہیں ہوتا۔

اقول: مؤلف نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر سے صرف یہ ثابت کیا ہے، کہ حضور ﷺ بشر ہیں، جبکہ اعلیٰ حضرت کی یہ تحریر تین اُمور کو ثابت کر رہی ہے۔

(۱) نبی گناہ سے معصوم ہوتا ہے، اور کوئی فرد معصوم نہیں، جو کسی اور کو بھی معصوم جانے وہ اہل السنۃ سے نہیں، یہ شیعہ کے فرقہ امامیہ کا رد ہے، جو بارہ امام مانتے اور ان کو معصوم کہتے ہیں۔

(۲) انبیاء کرام کی بشریت یعنی صورت ظاہرہ کا بیان ہے، کیونکہ ہر نبی صورت بشری میں ہی آتا ہے، بلکہ ملکی رسول بھی صورت بشری میں ہی آئے ہیں، قرآن حکیم میں پوری تفصیل موجود ہے۔

(۳) کہ نبی کی بشریت، دیگر نوع انسانی کی بشریت۔ سے ممتاز، اور برتر ہوتی ہے نبی بشر ہونے کے باوجود گناہ اور معصیت کی قدرت نہیں رکھتا، جبکہ دیگر افراد انسانی گناہ کی قدرت رکھتے اور معصیت کا عملی طور پر ارتکاب بھی کرتے ہیں، انبیاء کی بشریت، بشریت معہ نبوت ہوتی ہے، یہ بشریت مخصوص اور بقید نبوت ہے، اور عام لوگوں کی بشریت میں من بحیث البشر ہے، دونوں میں مطلق، مقید، مخصوص اور عام کا فرق ملحوظ ہے، اعلیٰ حضرت کی تحریر میں بشریت من حيث النبوة ہے جیسا کہ انہوں نے انبیاء کو معصوم کہا، اور بشر معصوم وہی ہو سکتا ہے، جو نبی ہو، نبی کے علاوہ کوئی فرد بشر معصوم نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ، انبیائے کرام کے بشر محض ہونے کے قائل نہیں۔ بلکہ بشریت سے مراد من حیث النبوۃ کے قائل ہیں، اور یہی مضمون ان کی تحریر ثابت کرتی ہے، مؤلف کا انبیاء کرام کے بشر محض ہونے پر اس تحریر کو پیش کرنا غلط ہے، اگر نبی بشر محض ہوتے تو ان سے گناہ کا صدور نا ممکن کیوں؟ انبیائے کرام کو عصمت دلانے والی بشریت نہیں بلکہ نبوت ہے، جس کا محل بشریت

ہے، اور یہ وہ بشریت ہے جو منصب نبوت پر فائز ہے، فتدبر، وتفکر، معلوم ہونا چاہیے انبیائے کرام کی حقیقت ماہیت، اور دوسرے افراد انسانی کی حقیقت اور ماہیت، میں کوئی قدرے مشترک نہیں، امام رازی نے نقل فرمایا:

"وذکر الحلیمی فی کتاب المنهاج ان الا نبیاء علیهم الصلوٰة والسلام لابد وان یکونوا مخالفین لغیرهم فی القوی الجسمانیةوالقوی الروحانیة ، اما القوی الجسمانیة فهو اما مدرکة ، واما محرکة"

ترجمہ: مفسر حلیمی نے اپنی کتاب المنہاج میں ذکر کیا ہے کہ انبیاء کرام کیلئے لازمی ہے کہ وہ جسمانی اور روحانی قوی (قوتوں استعداد) کے اعتبار سے دیگر انسانوں کے مخالف اور ان سے مختلف ہوں، جسمانی قوتوں کی دو قسمیں ہیں،

(۱) حواس ظاہرہ (۲) حواس باطنہ

حواس ظاہرہ: یہ پانچ ہیں، احد ها القوة الباصرة ولقد کان الرسول ﷺ مخصوصا بکمال هذه الصفة، ویدل علیه وجهان ، الاوّل قوله ﷺ ذویت لی الارض فاریت مشارقهاومغاربها، والثانی: قوله ﷺ اقیمو اصفوفکم وتراصو فانی اراکم من وراء ظهری ،،

ترجمہ: حواس خمسہ میں پہلی قوت باصرہ یعنی دیکھنے کی قوت ہے یہ صفت نبی کریم ﷺ کو خصوصا کامل اور مکمل طور پر دی گئی ہے اور اس پر دو وجہیں دلالت کرتی ہیں۔

(۱) آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ میرے لئے زمین سمیٹی گئی اس کے مشارق اور، مغارب مجھے دکھائے گئے۔

(۲) تم اپنی صفیں سیدھی کرو، اور کندھے سے کندھا ملاؤ، بے شک میں تمہیں پیٹھ کی طرف سے

بھی دیکھتا ہوں،، اسکی مثال وہ قوت باصرہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وکذالک نری ابراهیم ملکوت السموٰت والارض،، مفسرین نے اسکی تفسیر میں فرمایا: "انه تعالیٰ قوی بصره حتی شاهد جمیع الملکوت من الاعلیٰ والا سفل"

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابرہیم علیہ السلام کو دیکھنے کی اسقدر قوت عطا فرمائی کہ انہوں نے آسمانوں اور زمینوں کے تمام طبقات یعنی حصوں کو اوپر سے لے کر نیچے تک دیکھ لیا۔ پھر فرمایا:

"فلا یبعد ان یکون بصر النبی ﷺ اقوی من بصرها"

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کی قوت بصر کا ان کی قوت بصر سے زیادہ طاقت ور ہونا کوئی بعید نہیں۔۔۔۔

دوسری سننے کی قوت ہے: "وکان ﷺ اقوی الناس فی هذه القوة ویدل علیه وجهان"

ترجمہ: تمام نوع انسانی سے رسول ﷺ کی قوت سماعت زیادہ تھی، اور اسکی دو دلیلیں ہیں،

"احد ها قوله ﷺ اطت السماء وحق لها ان تئط مافیها موضع قدم الا وفیه ملک ساجد لله تعالیٰ ،فسمع اطیطا السماء"

ترجمہ: رسول ﷺ کا فرمان ہے، آسمان آوازیں نکال رہا ہے، اور یہ اس کا حق ہے، اسلئے کہ ہر قدم کی جگہ پر فرشتہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہے آپ ﷺ نے آسمان کے چرچرانے کی آواز سنی ایک عجیب آواز سماعت فرمائی گئی۔

دوسری دلیل " ذکر انه هوی صخرة قذفت فی جهنم فلم تبلغ قعر ها الی الان "

ترجمہ: یہ آواز ایک پتھر کی ہے جو جہنم میں پھینکا گیا ہے مگر ابھی تک اسکی تہہ میں نہیں پہنچا

،، امام رازی فرماتے اس قوت سماعت کی مثال حضرت سلیمان علیہ السلام اور چیونٹی کی گفتگو حضرت

سلیمان علیہ السلام اور چیونٹی کا واقعہ ہے کہ چیونٹی نے ساتھی چیونٹوں سے کہا کہ اپنے اپنے بلوں میں چلی جاؤ، اللہ تعالیٰ نے چیونٹیوں کی گفتگو سلیمان علیہ السلام کو سنائی، جانوروں کی بولیاں سمجھنے کی قدرت اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حد درجہ دے رکھی تھی، جیسا کہ بھیڑیے، اور اونٹ نے آپ ﷺ سے کلام کیا۔

تیسری قوت شامہ: یعنی سونگھنے کی قوت ہے، حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی قمیص اتاری، اور قافلے والوں کو دی کہ میرے والد کے چہرے پر ڈالنا اس سے ان کی بینائی لوٹ آئیگی قافلہ روانہ ہوا تو کئی دنوں کی مسافت سے یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: ''انی لا جد ریح یوسف علیہ السلام، مجھے یوسف علیہ السلام کی خوشبو آرہی ہے۔

چوتھی قوت ذائقہ ہے: یہ قوت بھی اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ کو بدرجہ اتم دے رکھی تھی، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان هذا الذراع يخبرني انه مسموم"

ترجمہ: بکری کا یہ پاؤں مجھے بتارہا ہے کہ مجھ میں زہر ملا ہوا ہے،،

(کالھامن الکبیر .الجزالثامن ص ۲۲،۲۳)

مندرجہ بالا تفسیری عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء کرام علیھم السلام بشر ہوتے ہیں مگر ان کے حواس ظاہرہ اور حواس باطنہ اتنے قوی اور بلیغ ہوتے ہیں، کہ دیگر انسانوں کے حواس کا ان کے قریب سے گزر تک نہیں ہوتا۔ امام رازی فرماتے ہیں:

"واعلم ان تمام الكلام في هذاالباب ان النفس القدسية النبوية مخالفة بما هيا تها لسائر النفوس،،

ترجمہ:۔ خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء کرام علیھم السلام کے نفوس مقدسہ اپنی حقیقت اور ماہیت میں دوسرے افراد انسانی سے مختلف اور مغائر ہوتے ہیں۔ صرف ظاہری شکل وصورت میں دیگر انسانوں کے مماثل ہوتے ہیں، اور اسی کا نام بشریت ہے۔

ان تمام دلائل، اور توضیحات کو پڑھ کو بھی یہ کہا جائے کہ انبیائے کرام علیھم السلام بشمول رسول ﷺ عام بشر تھے، تو کہنے والے کی اپنی مرضی، ہم تو اس کیلئے دعا ہی کر سکتے ہیں کہ اللہ اسکو ہدایت عطا فرمائے۔

علم غیب کے عنوان کے تحت نقل کیا کہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ رسول ﷺ کیلئے علم محیط اور علم غیب عطائی کلی کے قائل نہ تھے، آپ رقمطراز ہیں، کہ ہم نہ علم الٰہی سے مساوات مانیں، اور نہ غیر کیلئے علم بالذات جانیں اور عطاء الٰہی سے بھی بعض علم ہی مانتے ہیں، نہ کہ جمیع، فائدہ کے تحت مؤلف نے جو کچھ تحریر کیا ہے وہ ان کی سوچ اور ان کا ہی عندیہ ہے، ہم من کل الوجوہ اسکی تائید کرتے ہیں نہ توثیق۔

اقول: اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے اہل سنت وجماعت کا اصولی موقف بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا علم عطائی ہے ذاتی نہیں، ص ۲، نبی کریم ﷺ کا عطائی علم، علم باری تعالیٰ کے مساوی نہیں، علم الٰہی کے مقابل رسول اللہ ﷺ کا علم عطائی بعض بلکہ اس سے بھی کم ہے، اس عبارت میں علم غیب جاننے کا انکار ہے، اور نہ دعوی مساوات،، اللہ کا علم کلی، ذاتی، ازلی، ابدی اور سرمدی ہے، اور اگر ما کان وما یکون کے علم کو، علم کلی تسلیم کیا جائے تو بھی، یہ علم الٰہی کے مقابل بعض ہے، اسلئے کہ علم الٰہی غیر متناہی بالفعل ہے، اور ما کان وما یکون کا علم متناہی بالفعل ہے، کیونکہ یہ صرف موجودات کا علم ہے، مگر اجمالی اور عطائی ہے، اللہ تعالیٰ کا علم موجودات معدومات پر حاوی، ذاتی اور تفصیلی ہے، رسول اللہ ﷺ کا علم حادث ہے، قدیم نہیں، جبکہ اللہ کا علم قدیم ہے، رسول اللہ ﷺ کا علم، حصول صورت کی وجہ سے حصولی ہے، اور اللہ کا علم قدیم حضوری ہے، جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''لا يعزب عنه مثقال ذرة،، وما تسقط من ورقة الا وهو يعلمها،، ازل سے لے کر ابد تک ہر ہر ذرہ اپنے وجود، ما

اور خاصیت کے ساتھ اسکے سامنے حاضر ہے،، اتنے امتیازات اور فضیلات کو نظر انداز کر کے اگر کوئی یہ کہے کہ اہل سنت و جماعت علم رسول ﷺ کو علم باری تعالیٰ کے مساوی قرار دیتے ہیں تو یہ جہالت اور حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟

امام رازی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایک قول نقل فرمایا:

"قال علی علیه السلام ، علمنی رسول ﷺ الف باب من العلم ،واستنبطت من کل باب الف باب ،فاذا کان حال الولی هکذا فکیف حال النبی ﷺ (کبیر ،جز،۸ص ۲۳)

ترجمہ: حضرت علی ؓ نے فرمایا: کہ رسول ﷺ نے مجھے علم کا ہزار باب سکھایا۔

اور میں نے آگے ہر باب سے، علم کے ہزار، ہزار باب کا استنباط کیا، جب ایک ولی کے علم کا یہ حال ہے تو نبی کریم ﷺ کے علم کا کیا حال ہوگا؟ یعنی نبی کریم ﷺ نے ایک ہزار قسم کے علوم سکھائے اور پھر میں نے ہر ایک علم سے آگے ہزار، ہزار کا مزید استنباط اور استخراج کیا،، امام رازی نے فرمایا جب ولی اتنے علوم کا عالم ہے تو نبی کریم ﷺ کا اندازہ کیا ہو سکتا ہے؟ علمائے اُمت اور محققین ملت نے حضور ﷺ کے علم کو کلی اور جزی کے پیمانے پر ناپا نہ تولا بلکہ یہ فرمایا کہ اس کا اندازہ لگانا ناممکن ہے مگر آج کی دنیا کے لوگ اس بحث میں اُلجھے ہوئے ہیں کہ آپ ﷺ کو علم غیب تھا ہی نہیں، اگر تھا تو بس اتنا حضرت ابو ہریرہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ:

"حفظت من رسول ﷺ وعائین،فاما احدها فبثثته ،فیکم واما الاخر فلو بثثته ،هذا البلعوم یعنی مجری الطعام رواه البخاری مشکوة ص ۳۷"

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کے علم کے دیئے ہوئے دو برتن محفوظ کیے ہوئے ہیں، ایک برتن تمہارے سامنے تم میں کھول دیا ہے، اور اگر دوسرا برتن کھول دوں تو میری شہ رگ کاٹ دی جائے،، شیخ محقق شاہ عبدالحق دہلوی نے تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

"المراد بالاول علم الاحکام والثانی علم الاسرار المصنون عن الاغیار

،المختص بالعلماء باللہ من اهل العرفان واراد به اخبار الفتن وفساد الدین علی ید اغلمة من قریش وکان ابو هریره یکنی عن بعض ولا یصرح به خوفا علی نفسه ،الخ" (اشعة اللمعات ، حاشیه مشکوة ص ۳۷)

ترجمہ: پہلے برتن سے مراد، علم الاحکام، یعنی علم شریعت ہے، اور دوسرے برتن سے مراد علم الاسرار ہے، جو غیر محرم سے چھپایا جاتا ہے، اور یہ علم مخصوص ہے علمائے عارفین کیلئے، اس سے مراد وہ فتنے اور فساد ہیں جو بعد میں دین میں پیدا ہونے والے تھے، اور جن کے بانی مبانی قریش کے لونڈے تھے، ابو ہریرہ ؓ اشارتاً ان کا ذکر کرتے تھے، جان کے خوف کی وجہ سے برملا ان کا اظہار نہیں فرماتے تھے،

حدیث ابو ہریرہ ؓ سے ثابت ہوا کہ رسول ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ ؓ کو علم شریعت کے ہمراہ علم الاسرار بھی عطا فرمایا، علم الاسرار کیا ہے؟ مستقبل میں ہونے والے حالات و واقعات کا علم جو حواس خمسہ، اور عقلی دسترس سے باہر ہے، اور یہی علم غیب ہے، جیسا کہ علامہ بیضاوی رحمہ اللہ اور امام رازی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے، ابو ہریرہ ؓ کو یہ علم کس نے دیا اور سکھایا رسول اللہ ﷺ نے اگر بعطائے الٰہی رسول ﷺ کو خود علم غیب نہ ہوتا تو ابو ہریرہ ؓ کو امور غائبہ مستقبلہ کا علم کیسے سکھاتے؟

مؤلف نے کتابچہ کے ص ۷۶ پر تحریر کیا کہ اعلیٰ حضرت علم غیب کو کمال ہی نہیں سمجھتے،

اقول: مؤلف نے پہلے اعلیٰ حضرت کا اقتباس در بارہ علم غیب نقل کیا، اور کہا کہ وہ علم غیب کلی کے قائل نہیں عطائی جزی سے بھی کم مانتے ہیں، اور صفحہ مذکور پر نقل کیا کہ اعلیٰ حضرت علم غیب کو صفت کمال ہی نہیں سمجھتے، یہ کہنا اور تحریر کرنا غلط ہے، اعلیٰ حضرت کا یہ عقیدہ نہیں، اگر کمال نہ سمجھتے ہوتے تو جزی عطائی کا قول کیوں کرتے؟ مؤلف نے جو گڑھے کا واقعہ تحریر کیا ہے اسکی

تردید فرمائی ہے کہ گدھے کی یہ صفت علم غیب میں نہیں آتی، کیونکہ جانور کی صفت کو انسانی کمال نہیں کہا جاسکتا، چہ جائیکہ جانور کی کسی صفت کو نعوذ باللہ ذات نبوت کیلئے تسلیم کیا جائے، ذہن میں رکھنا چاہیے کہ غیب کا علم معجزات میں سے ہے، اور معجزہ ماہیت نبوت کو لازم ہے، اور معجزہ (علم غیب) نبی کیلئے مختص ہے، اور یہ بلند پایہ کمال ہے اگر اخبار عن الغیب کمال اور معجزہ نہ ہوتا اور ماہیت نبوت کو لازم نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو یا ایها النبی کے عالی لقب، اور عظیم المرتبت منصب اور مقام کے حوالے سے کیوں مخاطب فرماتا۔ اگر علم غیب کمال نہ ہوتا اللہ تعالیٰ تلک من انبآء الغیب نوحید الیک کے ذریعے وحی کیوں فرماتا؟ مزید ما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن یجتبی من رسلہ من تشآء فلا یظهر علی غیبه احد الا من ارتضی من رسول الایه'' کے ارشادات کیوں فرماتا؟ اعلیٰ حضرت نے تو گدھے کی اس صفت کو صفت انسانی سے خارج کیا ہے؟ جس کے تحت وہ گدھا اس مخفی شی کی تلاش کرتا تھا، گدھے کے اس فعل کا نام جو بھی ہو علم غیب کے زمرہ میں نہیں آتا اس لئے کہ یہ اس کی حس تھی جس کے تحت وہ نشاندی کرتا تھا، اور جس کے ذریعے جانور اور پرند، بلکہ چیونٹی غلہ کے دانوں تک پہنچ جاتی ہے، روغنی اور میٹھی اشیاء جہاں بھی ہوں پہنچ جاتی ہے، گدھ مردار کی بو سونگھ کر جہاں بھی ہو پہنچ کر نوالہ بنالیتی ہے خواہ وہ مردار، گھاٹی، جنگل، غار یا کسی نامعلوم جگہ پر کیوں نہ پڑا ہو؟ موجودہ دور میں چوری، ڈکیتی، اور قتل کا سراغ لگانے کیلئے سراغ رساں کتوں سے کام لیا جاتا ہے، کتے انہی راہوں سے گزر کر قاتل، چور، اور مال مسروقہ تک پہنچ جاتے ہیں، یہ علم کا کمال نہیں بلکہ حس کا کمال ہے، گدھا اپنی حس کے ذریعے مخفی چیز تک پہنچتا تھا، غیب ایک ایسا علم ہے، جو حواس اور عقل کی پرواز سے بالاتر ہے، اور یہ نبوت کا خاصہ ہے، مزید کشف اور اشیاء غائبہ کا معائنہ انسان اور بالخصوص مومن کا خاصہ ہے، رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اتقوا فراسة المومن فانه ینظر بنور اللہ''

ترجمہ: مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے، ملا علی قاری نے نقل فرمایا: ''قال ابو سلیمان الدارنی الفراسة مکاشفة النفس، ومعاینة الغیب''

(شرح فقہ اکبر ص ۹۵)

ترجمہ: فراست نفس کے مکاشفہ، یعنی کشف نفس اور مخفی چیز کے معائنہ کا نام ہے، الفاظ حدیث کی روشنی میں کشف اور معائنہ غیب کیلئے انسان، ایمان اور ایمان پر مرتب اور نازل ہونے والے نور کا ہونا ضروری ہے، جانور اور دیگر پرندے چونکہ ان صفات سے محروم ہیں لہذا ان کی وہ صفت جس سے وہ مخفی چیز تک رسائی حاصل کرتے ہیں کشف ہے نہ علم غیب، بلکہ وہ حس حیوانی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دے رکھی ہے جو ان کی روزی اور خوراک کا ذریعہ بنتی ہے، یہ سائنسی دور ہے، سائنس نے اتنی ترقی کرلی ہے کہ ہر مشکل کو آسان اور بہت ہی دور کی چیز کو قریب تر کردیا ہے، مثلاً موبائل فون نے مشرق و مغرب کا فاصلہ سمیٹ دیا ہے، ٹی۔ وی کے آلات نے نہ صرف طویل ترین فاصلہ مٹایا بلکہ انسان، اسکی ہر ہر حرکت، اور آواز کو اسی لمحہ دکھایا جس لمحہ وہ عمل کررہا ہے، الٹرا ساونڈ مشین نے پیٹ کے جملہ اعضائے رئیسہ ان پر بیماری کے حملہ اور اس کے اثرات چن چن کر دکھائے، عورت کے پیٹ کا حمل بچہ ہے یا بچی نکھار کر دکھایا بلکہ مہینوں، ہفتوں کا تعین بھی کیا کہ اتنے ہفتوں یا مہینوں کا حمل ہے؟ کیا کوئی ذی شعور انسان ان حقائق سے انکار کرسکتا ہے؟ ماننا پڑیگا کہ انسانی اور سائنسی ایجادات سے کائنات کی کوئی شی پوشیدہ نہیں رہی سب کچھ ہونے کے باوجود یہ کرشمہ ہائے علم سائنس تو ہیں مگر علوم غیب نہیں، کیونکہ یہ صفت ذاتی طور پر شان خداوندی ہے، اور عطائی طور پر نبوت کی آن اور اسکی پہچان ہے مؤلف اعلیٰ حضرت کی تحریر نہیں سمجھ سکے اس لئے وہ غلط راہ پر چل پڑے،،

اسیطرح مولانا سید دیدار علی شاہ بریلوی کا یہ تحریر فرمانا کہ ''لفظ حاضر و ناظر سے اگر حضور ﷺ ونظور بالذات مثل حضور ﷺ ونظور باری تعالیٰ ہر وقت، ولحظہ مراد ہے تو یہ عقیدہ محض غلط اور

مفضی الی الشرک ہے، الا اہل اسلام میں یہ عقیدہ کسی جاہل، اجہل کا بھی نہ ہوگا،،

اس تحریر کے بعد مؤلف نے جو کچھ فائدہ کے فائدہ کے تحت لکھا کہ حضور ﷺ کی ذات گرامی ہر وقت ہر لحظ حاضر وناظر سمجھنا شرکیہ عقیدہ ہے،،

اقول: شاہ صاحب مرحوم ومغفور کی عبارت سیدھی سیدھی اور سورج کی طرح واضح اور روشن ہے، آپ ﷺ نے مطلقا حاضر وناظر ماننے کو شرکیہ عقیدہ نہیں فرمایا، مؤلف نے خیانت کا مظاہرہ کیا ہے، شاہ صاحب نے واضح تحریر فرمایا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر ہر وقت اور ہر لحظہ حاضر وناظر ہے، اگر اس طرح رسول ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی طرح آپ ﷺ ذاتی طور پر ہر وقت اور ہر لحظ حاضر وناظر ہیں تو یہ عقیدہ شرکیہ ہوگا، لیکن بعد میں خود بتا دیا کہ ایسا عقیدہ جاہل اور اجہل مسلمان کا بھی نہیں، مؤلف نے کمال جہالت کا مظاہرہ کرتے ہوئے شاہ صاحب کی عبارت کو غلط رنگ دیا اور غلط مفہوم میں پیش کیا ہے،

اہل سنت وجماعت رسول ﷺ کے ہر وصف اور ہر کمال کو عطائی سمجھتے ہیں ذاتی کا عقیدہ نہیں رکھتے، بلکہ اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ

؎ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری،،

رہا پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ کا فرمان تو درست ہے، قرآن ارشاد فرماتا ہے کہ "ھدی للمتقین ان القرآن یھدی للتی ھی اقوم رسول ﷺ" بھی ہادی ہیں، پیر صاحب نے فرمایا کہ ہر وقت کیلئے مختار کل ہونے کا عقیدہ رکھنا درست نہیں، اس پر پیر صاحب نے حضور ﷺ کے چچا کے ایمان نہ لانے کی مثال پیش کی ہے، اہل علم جانتے ہیں کہ خلق ہدایت

اور چیز ہے، اور جن کیلئے خلق ہدایت نہیں وہ ایمان نہیں لائے

یھدی من یشآء الی صراط مستقیم میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے، اور یہ اللہ شان ہے آپ ﷺ نے زندگی کا ہر لمحہ ہدایت رسانی کیلئے وقف کر رکھا تھا، مگر اللہ نے فرمایا آپ ﷺ کے محبوب ترین لوگ ہیں۔ مثلاً آپ ﷺ کے چچا ان کیلئے آپ ﷺ ہدایت کو چاہتے ہیں۔ مگر ہدایت پیدا نہیں کر سکتے، فرمایا: "انک لا تھدی من احببت، ہدایت پیدا یہ اللہ ذوالجلال والاکرام کا کام ہے۔

اختیارات دو قسم ہیں،

(۱) وہ اختیارات جو عالم امر اور عالم خلق سے تعلق رکھتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کیلئے مختص ہیں ارشا باری تعالیٰ ہے، الا له الخلق والا مر۔

(۲) وہ اختیارات جو نبوت اور رسالت سے متعلقہ ہیں، جیسے احکامات شرعیہ کی تعبیر اور تشریح نذارت اور بشارت، انعامات الہیہ کی تقسیم ان میں آپ ﷺ کو اختیار کامل حاصل ہے،،

تفصیلی بحث اور امثلہ مختار کل کے عنوان میں پہلے آ چکی ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

رسول ﷺ کا کام تبلیغ ہدایت تھا، قرآن ارشاد فرماتا ہے۔

"فان تولوا فانما علیک البلاغ المبین (۱۴-۸۲)

اگر یہ لوگ آپ ﷺ کی تبلیغ وہدایت سے روگردانی کرتے ہیں تو کوئی بات نہیں پس آپ ﷺ کے ذمے پیغام حق کا پہنچانا ہے، قرآن حکیم میں یہ بھی آیا ہے کہ اگر اللہ چاہے تو پوری انسانیت ملت واحدہ یعنی اپنی امت مسلمہ بن جائے، لیکن چونکہ اللہ کا قانون ہے، لا اکراہ فی الدین، دین میں کوئی جبر نہیں، سو رسول ﷺ نے امکانی حد تک اپنے چچا ابو طالب کو تبلیغ کا راہ ہدایت دکھایا مگر وہ نہ مانے اور ایمان قبول نہ کیا، اللہ تعالیٰ جو خالق مالک اور اختیار جبر بھی رکھتا ہے مگر بھی جبر کیا نہ کرتا ہے، رسول ﷺ تو جبر کے خالق ہیں نہ مالک وہ جبر کے اہل ہوتے عم محترم کو

داخل اسلام کیسے اور کیوں کرتے؟ چچا کا ایمان نہ لانا آپ ﷺ کے اختیارات کی نفی نہیں کرتا" آپ ﷺ کا کام صرف تبلیغ کرنا تھا جو آپ ﷺ نے کی، یہ بھی آپ ﷺ کا اختیار تھا، جو آپ ﷺ نے استعمال کیا، اور اللہ تعالیٰ کے حضور سرخرو ہوئے۔

﴿واخر دعوانا والحمد للہ رب العالمین﴾

بندہ گنہگار

☆قاضی محمد عظیم نقشبندی سابق ضلع قاضی☆

سیور کھوئی رٹہ، کوٹلی۔ آزاد کشمیر

مصنف کی دیگر دیدہ زیب کتب

☆مسئلہ اذان برقبر

☆راہ اجر

☆غصہ میں طلاق کی شرعی حیثیت

☆بیس رکعت تراویح

☆میت کے دن کھانا

☆قربانی کے مسائل اور فضائل

☆میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت

استاذالعلماء کی دیگر علمی تصانیف

- مسئلہ اذان بر قبر
- راہ اجر
- غصہ میں طلاق کی شرعی حیثیت
- بیس رکعت تراویح
- مسئلہ ایصالِ ثواب
- میت کے دن کھانا
- قربانی کے مسائل و فضائل



- میلادالنبی ﷺ کی شرعی حیثیت

مجلس علماء اہلسنت وادی بناہ کھوئی رٹہ آزاد کشمیر

0355-7502193, 0300-9536420, 0300-5315223, 0346-5286259